انبیائے قرآن

جلدِ اوّل

مؤلفہ
محمد جمیل احمد ایم اے

ناشران
شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز، کشمیری بازار، لاہور
برانچیں:۔ لاہور ، کراچی ، پشاور ، حیدرآباد

انبیائے قرآن

جلد اوّل

مؤلفہ

محمد جمیل احمد ایم اے

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز کشمیری بازار لاہور

کراچی - پشاور حیدر آباد لاہور

ھدیۂ نیاز

بہ بارگاہِ قدس

سرورِ کائنات، سیدِ موجودات، ختم المرسلین، رحمۃ للعالمین

احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وسلم

ذکر و فکر و علم و عرفانم توئی
کشتی و دریا و طوفانم توئی

(اقبال)

جمیل

انبیائے قرآن

(جلد اوّل)

مندرجات

پیش لفظ

از حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی مدظلہ العالی

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امّا بعد! قرآن کریم کا یہ زندہ اعجاز ہے کہ چودہ صدیوں کی مسلسل علمی خدمات کے باوجود بھی جب کبھی کسی صاحب ایمان کا نصیبہ کھلتا ہے تو اسی کتاب اللہ کی خدمت کا کوئی نہ کوئی جدید اور انوکھا پہلو سامنے آجاتا ہے اور یہ جملہ خدمات قرآنیہ کے عنداللہ قبول ہونے کی روشن دلیل ہے کہ اپنی جگہ قرآن کریم کا کوئی پہلو محتاج تحقیق یا تشنۂ تکمیل نہیں ہے لیکن خدام قرآن کی فہرست میں شامل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کوئی نہ کوئی سمت خدمت القا فرما دیتے ہیں، چنانچہ اس وقت میرے سامنے ایک جوان صالح جناب محمد جمیل احمد صاحب جو وزارت خزانہ کے ایک سرکاری ملازم ہیں مگر حق تعالیٰ نے علمی ذوق اتنا وافر عطا فرمایا ہے کہ ایک تالیف انبیاء قرآن کی خدمت کے لیے اللہ نے ان کو منتخب فرما لیا، آپ نے اس تالیف میں قرآن کریم کے ان تمام انبیاء کرام کے تفصیلی حالات جمع فرما دیے ہیں جن کا ذکر قرآن کریم نے کیا ہے اور آپ نے اس رسالہ میں اس امر کی بلیغ کوشش فرمائی ہے کہ رطب و یابس کو جمع کرنے کی بجائے مستند مآخذ سے صرف ضروری احوال و واقعات کو قلم بند کیا جائے میں نے جستہ جستہ مقامات سے استفادہ کیا ہے اور میری یہ رائے ہے کہ انبیاء قرآن کا مطالعہ فہم قرآن میں کافی مدد و معاون ثابت ہوگا، حق تعالیٰ اس بابرکت خدمت کو قبول فرما کر مسلمانوں کو

استفادہ کی توفیق عطا فرمادیں، آمین، اللہم آمین

فقط

ناکارہ خلائق

احتشام الحق تھانوی

۲۹- اکتوبر ۱۹۵۷ء

دیباچہ

اسلام سے پہلے دنیا کی آبادی کا ہر طبقہ نسلی امتیاز اور خاندانی فضیلت کے عقیدوں کا حامل تھا اور خدا کی ہدایت اُس نسل یا اُس خاندان کے لیے مخصوص سمجھی جاتی تھی۔ بنی اسرائیل کا خیال تھا کہ خدا کی ہدایت اور انعامات صرف حضرت یعقوبؑ کی اولاد اور اُن کی نسل کے لیے ہیں اور کسی دوسرے کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ عیسائیوں کا خیال تھا کہ (نعوذ باللہ) خدا نے اپنے اکلوتے بیٹے کو صرف ان کی ہدایت کے لیے بھیجا۔ حضرت عیسیٰؑ کے علاوہ کوئی اور نبی معصوم ہے اور نہ عیسائیوں کے علاوہ کوئی اور قوم ہدایت یافتہ۔ زرتشتیوں کا خیال تھا کہ یزدان کا نور صرف ان ہی کی راہ کو روشن کرنے کے لیے ہے۔ بھارت ورش کے مہاتماؤں اور رشیوں مُنیوں کا دعویٰ تھا کہ پرماتما کے پوتر شبد ان کے علاوہ نہ کسی اور تک پہنچے ہیں اور نہ ویدوں کے علاوہ اور کسی جگہ موجود ہیں، مگر اسلام نے آکر اس عقیدہ کی تردید کی اور بتایا کہ اگر روشنی، دھوپ، ہوا اور پانی سب کے لیے ہو سکتے ہیں تو پھر سب کا پیدا کرنے والا اور سب کا پالنے والا کیوں سب کا نہ ہو اور کیوں سب کی ہدایت کا سامان نہ کرے۔ قرآن کریم کی پہلی سورۃ کی پہلی آیت ہی میں اس چیز کو واضح کر دیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے :

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے جو تمام عالموں (یعنی تمام مخلوقات)

کا پروردگار ہے۔

واضح رہے کہ یہاں اللہ کو رب المسلمین نہیں رب العالمین کہا گیا ہے یعنی صرف مسلمانوں کا رب نہیں بلکہ سارے عالموں اور ساری مخلوقات کا رب "رب" کے معنی ہیں پالنے والا، پرورش کرنے والا، اور اس پرورش میں مادی اور روحانی ہر قسم کی پرورش شامل ہے۔

ایک یہودی کو حضرت موسیٰ کی عظمت کا معترف ہونے کے بعد کسی دوسرے پیغمبر کو ماننا ضروری نہیں

ایک عیسائی، حضرت عیسیٰ کے علاوہ ہر دوسرے پیغمبر کا انکار کر دینے کے بعد بھی عیسائی رہتا ہے مگر ایک مسلمان اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ ان تمام انبیاء کرام پر ایمان نہ لائے جو خدا نے مختلف قوموں اور ملکوں اور زمانوں میں مبعوث فرمائے، ایک مسلمان کے لیے ان سب پر ایمان لانا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، سورہ نساء میں ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝

(نساء ۱۵۰ تا ۱۵۲)

جو لوگ خدا اور اس کے پیغمبروں سے کفر کرتے ہیں اور خدا اور اس کے پیغمبروں میں فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور ایمان اور کفر کے بیچ میں ایک راہ نکالنی چاہتے ہیں وہ بلا اشتباہ کافر ہیں اور کافروں کے لیے ہم نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے، اور جو لوگ خدا اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے اور ان میں سے کسی میں فرق نہ کیا (یعنی سب کو مانا) ایسے لوگوں کو وہ عنقریب ان (کی نیکیوں) کے صلے عطا فرمائے گا اور خدا بخشنے والا مہربان ہے

یہ انبیاء مبلغ حق اور معلم انسانیت تھے، یہ نور ہدایت کا سرچشمہ تھے، یہ زندگی کا نمونہ تھے، یہ دنیا کے

ہادی اور رہبر تھے' ان کی دی ہوئی تعلیم اور بتایا ہوا راستہ آج بھی اتنا ہی سچا اور اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ کل تھا' ان کا ماننا ایمان کا جزو ہے' ان کا ذکر روح کی غذا ہے اور ان کے ارشادات میں قلبوں کا سکون ہے عصر حاضر کی تاریکیوں کو' جنہوں نے نظروں اور دلوں کو اندھا کر دیا ہے۔ ایسے ہی مہر و ماہ کی تابانیوں کی ضرورت ہے۔

توراۃ کا مقصد تاریخی واقعات کو پیش کرنا ہے' قرآن کا مقصد رشد و ہدایت اور موعظت و تذکیر ہے اس لیے وہ ان وقائع کو بطور نظیر' مثال' نمونہ اور دلیل کے پیش کرتا ہے اور اسی لیے جگہ جگہ اور بار بار موقع و محل کی مناسبت سے ایک ہی سرگذشت کے مختلف' اہم اور ضروری پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ قرآن کا یہ اعجاز ہے کہ باوجود انتہائی ایجاز و اختصار کے وہ پچھلے تذکروں کی غلطیوں کی تصحیح بھی کرتا ہے' ان کی خامیوں اور کوتاہیوں سے مطلع بھی کرتا ہے اور موقع بہ موقع نہایت اعلیٰ حقائق و نتائج کی طرف رہنمائی بھی کرتا جاتا ہے' اس لیے توراۃ اور قرآن کا تقابلی مطالعہ خود ایک نہایت اہم اور دلچسپ موضوع ہے اور خصوصاً انبیاء علیہم السلام کے حالات کے سلسلہ میں اس کی سخت ضرورت ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے جو تذکرے موجود ہیں ان میں سے بیشتر کا یہ حال ہے کہ مورخین افسانہ طرازیوں اور داستان سرائیوں میں کھو گئے ہیں ان کے یہاں نہ توراۃ و قرآن کی تصریحات میں کوئی امتیاز ہے اور نہ حقیقت و افسانہ میں کوئی فرق' یہ حضرات غیروں اور نادان دوستوں کے لگائے ہوئے الزاموں اور اتہاموں کو حقیقت سمجھ بیٹھے ہیں اور اس لیے وہ کچھ کہہ گئے ہیں جو نہیں کہنا چاہیے تھا اور جس کے کہنے کی حقیقت میں کوئی وجہ بھی نہ تھی اس لیے ان کے یہاں تحقیق و تفحص اور تلاش و کاوش کی جگہ قصہ گوئی اور داستان سرائی کا پہلو غالب ہے۔

جن حضرات نے تحقیقی و علمی پہلو اختیار کرنے کی کوشش بھی کی ہے' وہ بھی بدقسمتی سے مورخین کے حشو و زوائد اور مفسرین و شارحین کے رطب و یابس اور غیر متعلق بحثوں میں اس طرح الجھے ہیں کہ قرآن و توراۃ کی تصریحات لوگوں کے قیاس و آراء میں دب کر رہ گئی ہیں' اس سلسلہ میں یہ امر واضح طور پر سمجھ لینا ضروری ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے متعلق صحیح علم صرف خدا کی کتاب اور رسول خدا کے فرمودات تک محدود ہے' اس

سے زیادہ جو کچھ بھی ہے، چاہے وہ بڑے سے بڑے مفسر اور مورخ ہی کا بیان کردہ کیوں نہ ہو، ظن و قیاس
ہے، حق و یقین نہیں ہے، اور اس لیے وہ نص کی طرح قابل سند نہیں ہے اور اس سے دامن بچانا اور صرف
خدا اور رسولِ خدا کے ارشادات کو، جو یقینیات سے ہیں، پیش نظر رکھنا ہی احتیاط کی راہ ہے۔

یہی احساسات تھے جو انبیائے قرآن کی تالیف کے محرک ہوئے، اپنی بے بضاعتی اور کم علمی کے
پیش نظر ایسے عظیم الشان نازک اور مشکل موضوع پر قلم اٹھانے کی کسی طرح جرأت نہیں ہوتی تھی، یہ صرف

خدا تعالیٰ کا فضل و کرم اور قرآن کا اعجاز و اثر ہے کہ آج اس کی پہلی جلد تکمیل پذیر ہو رہی ہے اس میں
نہ اور کوئی میرا شریک کار رہا ہے اور نہ اس میں اور کسی سے میں نے مدد لی ہے۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ط

یہ پہلی جلد حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر حضرت یوسف علیہ السلام تک کے حالات
پر مشتمل ہے یعنی ابتداء سے تقریباً ۱۸۱۷ قبل مسیح تک کے حالات اس میں آ گئے ہیں اگر مشیتِ
ایزدی کو منظور ہوا تو انشاء اللہ آیندہ جلدیں باقی تمام اولوالعزم اور جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کے
حالات پر مشتمل ہوں گی۔

اس میں میرے مآخذ خصوصیت کے ساتھ قرآن، تورات، زبور، انجیل، صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہیں
ان کے علاوہ اکثر مقامات پر عصر حاضر کی علمی تحقیقات اور جدید اثری و حضری انکشافات سے استفادہ
اور مستشرقین یورپ و امریکہ اور محققین ایشیا کی تصریحات سے خوشہ چینی بھی کی گئی ہے لیکن یہاں
بھی پوری احتیاط برتی گئی ہے کہ رطب و یابس جمع نہ ہونے پائیں اور قلم دراز کار بحثوں میں الجھ کر
نہ رہ جائے، کوشش کی گئی ہے کہ زیر نظر کتاب میں انتہائی مستند مآخذ سے صرف یقینی واقعات
کا ذکر کر دیا جائے کسی بھی ہستی کے کارناموں کی صحیح قدر و قیمت اور حقیقی مقام و عظمت کا اندازہ اس
وقت تک نہیں لگایا جا سکتا جب تک اس کے زمانہ اور ماحول کا پس منظر سامنے نہ ہو اس لیے
کوشش کی گئی ہے کہ تصویر کا یہ رخ بھی تاریک نہ رہنے پائے۔

قرآن کریم کے اقتباسات کے بعد سورۃ کا نام اور آیت یا آیات کے نمبر قوسین میں درج کر دیے

گئے ہیں تاکہ اصل آیات تلاش کرنے میں دقت نہ ہو، مثلاً (مومن ۱۰ تا ۱۵) کا مطلب ہے "سورہ مومن کی آیات دس لغایت پندرہ" علیٰ ھذا توراۃ، زبور اور انجیل کے حوالے اس طرح درج ہیں (پیدائش باب ۵ - ۱۰ تا ۱۲) یعنی توراۃ کی کتاب پیدائش کے باب پانچ کی آیات دس تا بارہ، یا (متی باب ۸ - ۹-۱۳) یعنی انجیل متی کے باب آٹھ کی آیات نو تا تیرہ)

توراۃ، زبور اور انجیل کے اقتباسات، کتاب مقدس یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ، مطبوعہ امرت الیکٹرک پریس ریلوے روڈ لاہور ۱۹۴۷ء شائع کردہ بائبل سوسائٹی ہند و لنکا، سے پیش کیے گئے ہیں، باقی جن کتابوں کے اقتباسات یا حوالے درج ہیں ان کے آگے یا حاشیۂ زیریں میں ان کے نام، مصنف کا نام اور صفحات کے نمبر بھی دے دیے گئے ہیں۔

بائبل کے نقشوں کی مدد سے جہاں تک ممکن ہو سکا ہے، ہر نبی کے حالات کے ساتھ ساتھ ان کے مولد، منشا، مدفن اور مقام کار کا نقشہ بھی پیش کر دیا گیا ہے۔ کتاب کے آخر میں انبیا علیہم السلام کے متعلق قرآن و توراۃ کے حوالے اور ان کا شجرۂ نسب بھی مجموعی طور پر مرتب کر کے شامل کر دیا گیا ہے، علاوہ ازیں، جدید تحقیقات کی روشنی میں انبیاء علیہم السلام کے حالات کے سلسلہ کی اہم تاریخیں بھی ایک جگہ مرتب کر کے آخر میں شامل کتاب کر دی گئی ہیں۔

دوران تالیف میں خیال پیدا ہوا کہ اگر ممکن ہو تو نقشوں کے علاوہ اہم مذکورہ مقامات کے فوٹو بھی شامل کتاب کر دیے جائیں۔ چنانچہ میں نے اسلامی ممالک کے سفراء کو خطوط لکھے اور پھر خود ان سے مل کر اپنے مقصد کی وضاحت کی، مقامات مطلوبہ کی فہرستیں ان کو دیں اور درخواست کی کہ وہ اپنی اپنی حکومتوں کو لکھ کر ان مقامات کے مستند فوٹو منگوا دیں۔ فہرستیں عجیب اور انوکھی تھیں جن کو دیکھ کر وہ حضرات پہلے تو چونکے لیکن پھر میرے اصرار پر اپنی حکومتوں کو لکھنے پر رضامند ہو گئے۔ گو یہ کوشش پوری طرح کامیاب نہ ہو سکی مگر خدا کا شکر ہے کہ رائیگاں بھی نہیں گئی میں ان محترم سفراء اور ان کے ساتھ ان کی حکومتوں کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے اس کام میں میری مدد فرمائی۔ اس کے علاوہ میں نے دوسرے ذرائع سے بھی کچھ فوٹو اور تصاویر حاصل کیں۔ اس طرح مستند نقشوں کے علاوہ کچھ اہم مقامات اکتشافات کے فوٹو بھی شامل کیے جا رہے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے نسب کے سلسلہ میں توراۃ کا اتباع کیا گیا ہے ممکن ہے درمیان کی اکثر کڑیاں توراۃ میں بیان ہونے سے رہ گئی ہوں علمائے تحقیق کے نزدیک توراۃ کی کتاب پیدائش اور خصوصاً اس کے ابتدائی حصہ کی صحت سخت محل نظر ہے لیکن چونکہ اس سلسلہ میں اس ابتدائی دور کی اور کوئی تحریری شہادت اس درجہ کی بھی موجود نہیں اس لیے مجبوراً اسے اختیار کر لینا پڑا ہے۔

کراچی ۳۱۔ دسمبر ۱۹۵۴ء

جمیل

مقدمہ

بنی نوع انسان کے دو طبقے سورۂ فاتحہ کی آخری آیات ہیں:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

(سورۂ فاتحہ ۵ تا ۷)

ہم کو سیدھے راستے پر چلا، ان لوگوں کے راستہ پر جن پر تو اپنا فضل و کرم کرتا رہا، ان کے راستہ پر نہیں جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور نہ گمراہوں کے راستہ پر۔

ان آیات میں بنی نوع انسان کو دو طبقوں میں تقسیم کیا گیا ہے، ایک وہ جنہوں نے صحیح راستہ پالیا اور ان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات ہوئے، دوسرا طبقہ وہ جو اپنی گمراہی کی بنا پر مغضوب و مردود قرار پایا، پہلا طبقہ نبیین و صدیقین و شہداء و صالحین پر مشتمل ہے، یہ اَصْحَابِ یَمِیْن ہیں اور ان ہی میں وہ برگزیدہ ہستیاں ہیں جو بالیقین اَحْسَنِ تَقْوِیْم ہیں اور دوسرے طبقہ میں کفار و مشرکین و منافقین و معاندین آتے ہیں، یہ اَصْحَابِ شِمَال ہیں اور ان ہی میں وہ لوگ ہیں جو اَسْفَلَ سَافِلِیْن ہیں قصص قرآن دراصل سورۂ فاتحہ کی ان ہی آیات کی تفسیر ہیں، ان میں انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ ہے جن پر خدا کی رحمتیں اور انعام نازل ہوئے جو وقت کے دھارے سے ٹکرائے اور تائید ایزدی سے ان کے رُخ پلٹ پلٹ دیئے اور دنیا کی بڑی سے بڑی مخالفت اور دشمنی ان کی کامیابی کی راہ میں حائل نہ ہوسکی، اور ان گم کردہ راہ قوموں کے عبرت انگیز وقائع ہیں جو اپنی بداعمالیوں اور نفس کی بے راہ رویوں کی بنا پر مورد عتاب الٰہی ہوئے اور جب انھوں نے اپنی گمراہیوں اور معصیتوں پر اصرار کیا تو باوجود دنیاوی ساز و سامان اور زور و قوت کے حرف غلط کی

طرح مٹا دیئے گئے اور آنے والی نسلوں کی عبرت اور سبق آموزی کے لیے ان کے نشانات اور حالات باقی چھوڑ دیئے گئے۔

قصص قرآن کا مقصد | قصص قرآن کا مقصد، خود قرآن کے الفاظ میں یہ ہے، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد ہوتا ہے:

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ ۚ وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ (ھود ۱۲۰)

(اے محمدؐ) اور پیغمبروں کے وہ سب حالات جو ہم تم سے بیان کرتے ہیں ان سے ہم تمہارے دل کو قائم کرتے ہیں اور ان (قصص) میں تمہارے پاس حق پہنچ گیا اور یہ مومنوں کیلیے نصیحت اور عبرت ہے

اس آیت میں قصص قرآن کی چار حکمتیں بیان فرمائی گئی ہیں:

(۱) پہلی مصلحت کا تعلق خود حضور اقدس کی ذات گرامی سے تھا، آپ کا ولولہ تبلیغ اور جوش اصلاح چونکہ درجہ کمال پر پہنچا ہوا تھا اس لیے قوم کے اعراض اور سرکشی کو دیکھ کر آپ بے قرار و مضطرب ہو ہو جاتے تھے، اس لیے ارشاد ہوا کہ اگلی اقوام کے وقائع تمہیں سنائے جاتے ہیں تاکہ یہ امر واضح ہو جائے کہ معاندین اور مخالفین کا یہ گریز و فرار اور بغض و عناد صرف تمہارے ساتھ ہی نہیں بلکہ تمام انبیاء سلف کے ساتھ بھی رہ چکا ہے، پھر بھی فتح ہمیشہ حق کی ہوئی اور باطل ہمیشہ مٹا ڈالا گیا، اس سے مقصود یہ ہے کہ تمہیں طمانیت قلب اور سکون دل حاصل ہو۔

(۲) دوسری مصلحت یہ ہے کہ ان قصص میں تعلیم حقہ کا نچوڑ ہے، شرائع بیشک گاہ بگاہ وقت کی ضرورت اور مشیت کی مصلحت کے مطابق بدلتی رہی ہیں مگر دین حق ہمیشہ سے ایک ہی ہے اور ہر نبیؐ ہر زمانہ میں اسی کی تعلیم دیتا ہوا آیا ہے، حضرت نوحؑ سے لیکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر نبی کی پکار یہی رہی:

يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ (مومنون ۲۳)

اے قوم، خدا ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔

(۳) ان میں مومنوں کے لیے نصیحت و موعظت ہے چونکہ یہ سرگزشتیں ایسے واقعات سے پُر ہیں جو بُرائی، گمراہی اور سرکشی سے روکتے ہیں اور نیکی کی ترغیب دلاتے ہیں۔

(۴) یہ قصص لوگوں کے لیے سامان عبرت رکھتے ہیں چونکہ پچھلی اقوام کی بداعمالیوں کے نتائج و عواقب کو دیکھ کر خود اپنی بداعمالیوں پر نظر جائے گی اور ان کے انجام سے خوف پیدا ہوگا جو عبرت کا کام کرے گا۔

خدا کا قانون مکافات ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے، جس نے اس دین القیم کو مضبوطی سے پکڑ لیا وہ کامیاب و بامراد رہا اور جو اس سے بھٹکا وہ مٹ گیا:

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ (البقرہ - ۲۵۶)	تو جو شخص بتوں سے اعتقاد نہ رکھے اور خدا پر ایمان لائے اس نے ایسی مضبوط رسی ہاتھ میں پکڑ لی ہے جو کبھی ٹوٹنے والی نہیں اور خدا (سب کچھ) سنتا اور (سب کچھ) جانتا ہے۔

اور یہی حقیقت سورہ سبا میں اس طرح واضح کی گئی ہے:

لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝ (سبا ۴ و ۵)	اس لیے کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کو بدلا دے، یہی لوگ ہیں جن کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے اور جنھوں نے ہماری آیتوں میں کوشش کی کہ ہمیں ہرا دیں ان کے لیے سخت درد دینے والے عذاب کی سزا ہے

تجربہ سے سیکھنا اور ٹھوکر کھا کر سنبھلنا انسان کی فطرت ہے، اگر دس دفعہ آگ میں ہاتھ ڈالنے سے ہاتھ جل گیا ہے، اگر دس دفعہ زہر کھانے سے انسان مرگیا ہے، اگر دس دفعہ ہر اسے بھاری چیز اوپر سے گرنے پر ہمیشہ نیچے آگئی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ گیارھویں دفعہ بھی ان اعمال کے یہی نتائج مترتب ہوں، اسی طرح اگر دس دفعہ اعراض حق اور معصیت و طغیان کا نتیجہ بربادی اور ہلاکت کی صورت میں ظاہر ہوا ہے تو کوئی سبب نہیں کہ گیارھویں بار بھی اعراض حق اور معصیت و طغیان کا نتیجہ بربادی اور ہلاکت نہ ہو اور اس میں زمانہ اور مقام کا فرق کوئی تفاوت پیدا نہیں کرسکتا

یہی قانون قدرت ہے یہی سنۃ اللہ ہے جس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں ۔

سُنَّۃَ اللّٰہِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ج وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا ۝ (احزاب ۶۲)

جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں ان کے لیے اللہ کی سنت یہی رہی ہے اور تم اللہ کی سنت میں تغیر و تبدل نہ پاؤ گے ۔

ہر قوم میں نبی کی بعثت | ہر قوم اور ہر فرقہ کی ہدایت اور اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک رسول اور ایک ہادی مبعوث فرمایا :

وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلٌ ج (یونس ۴۷)

اور ہر امت کی طرف رسول بھیجا گیا

وَلِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ (رعد ۷)

اور ہر قوم میں ایک ہادی ہوا ہے

وَاِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ ۝ (فاطر ۲۴)

اور کوئی امت نہیں مگر اس میں ڈرانے والا گزر چکا ہے ۔

کچھ انبیاء کے نام مذکور ہیں اور کچھ کے نہیں | ان میں کچھ پیغمبروں کے حالات بیان فرما دیے گئے اور کچھ کے بیان نہیں فرمائے گئے :

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِکَ مِنْھُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْکَ وَمِنْھُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْکَ ط (مومن ۷۸)

اور ہم نے تم سے پہلے (بہت سے) پیغمبر بھیجے ان میں کچھ تو ایسے ہیں جن کے حالات تم سے بیان کر دیے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن کے حالات بیان نہیں کیے ۔

اور پیغمبروں میں بھی بعض کو بعض پر فضیلت بخشی گئی :

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ (بنی اسرائیل ۵۵)

اور ہم نے پیغمبروں میں بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ۔

انبیاء مذکرۂ قرآن اور ان کی خصوصیت | یہاں خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے جن انبیاء کرام اور ان کی اقوام کا تذکرہ کیا ہے ان کی خصوصیت کیا تھی اور کیوں ان کا تذکرہ

کیا گیا ہے اور دوسروں کا نہیں کیا گیا۔ اس سلسلہ میں ایک بات جو واضح ہے وہ یہ ہے کہ طوفان نوحؑ کے بعد حضرت نوحؑ کے تین بیٹوں سام حام اور یافث سے انسانی نسل پھیلی، بنی سام میں اقوام ایشیا (اور خصوصاً شام و عرب کے باشندے) بنی حام میں اقوام افریقہ اور بنی یافث میں اقوام یورپ و امریکہ شامل ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ ان میں قرآن اور توراۃ نے صرف سامی اقوام اور ان کے انبیاء کا تذکرہ کیا ہے"

اس سلسلہ میں مزید روشنی جدید اثری اکتشافات و تحقیقات سے پڑتی ہے قرآن کریم نے جن انبیاء و اقوام کا تذکرہ کیا ہے وہ سب ایک ہی نسلی حلقہ سے تعلق رکھتے ہیں، یہ ابتدائی عربی بولنے والوں کی نسل ہے جس کے مختلف قبیلے بابل سے لیکر مصر، فلسطین تک پھیلے ہوئے تھے اور جن میں اصلاح و تبلیغ کی ابتداء نوح علیہ السلام سے ہوئی۔

مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں :

"قرآن نے جن خطوں کی اقوام کا ذکر کیا ہے دنیا کو ان کی قدیم تاریخ بہت کم معلوم تھی . . . . . لیکن اٹھارھویں صدی سے آثار قدیمہ کی تحقیقات کا نیا سلسلہ شروع ہوا اور پھر انیسویں صدی میں نئے پردے اٹھے اور اب بیسویں صدی کے اثری اکتشافات روز بروز ایک خاص رُخ پر جا رہے ہیں ان سے عرب، عراق، فلسطین، شام اور مصر کی قدیم قوموں اور تمدنوں کے جو حالات منکشف ہوئے ہیں انھوں نے ان خطوں کی قدیم تاریخ کو بالکل ایک نئی شکل دے دی ہے۔

ان تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عربی زبان اور اس کی ابتدائی شکلوں کے بولنے والوں کو ایک خاص نسل تسلیم کر لیا جائے تو یہ در اصل بہت سے گروہوں اور قبیلوں کا ایک مجموعہ تھی اور عرب، فلسطین، شام، مصر اور عراق کے خطوں میں پھیلی ہوئی تھی اس نے دنیا کے ابتدائی تمدن کی تعمیر میں بڑے بڑے حصے لیے۔ ان ملکوں کی وہ تمام قدیم قومیں جو آج تک ایک دوسرے سے بالکل الگ سمجھی جاتی تھیں مثلاً اشوری، سریانی، فنیقی، مصری، آرامی، عبرانی، فی الحقیقت الگ نہ تھیں اور عربی زبان کا ابتدائی مواد اور عربی رسم الخط کے ابتدائی نقوش ان سب میں مشترک تھے حتیٰ کہ ان ہی گروہوں نے مصر کے تخت عظمت و جبروت پر عرصہ تک شہنشاہی کی اور اپنی زبان وقت کی تمام متمدن قوموں کو مستعار

دیدی، چنانچہ دارا کے کتبوں اور مصر کے ہیلو غلیفی نقوش میں عربی الفاظ آج تک پڑھے جا سکتے ہیں اور یہ بات تو ایک تاریخی حقیقت کی طرح مان لی گئی ہے کہ یونانیوں نے فن کتابت کا پہلا سبق انہی اقوام سے حاصل کیا۔

کون کہہ سکتا ہے کہ آئندہ اس سلسلے میں کیا کیا انکشافات ہونے والے ہیں ؟ تاہم جس قدر انکشافات ہو چکے ہیں ان سے ایک بات واضح ہو گئی ہے یعنی ایک زمانہ میں یہ تمام خطے ایک خاص نسل کے عروج و انشعاب کے مختلف مبدان تھے اور یہی نسل عربی قبائل کی ابتدائی نسل تھی، پس اگر قرآن نے صرف انہی خطوں کی اقوام کا ذکر کیا ہے کوئی دوسری قوم اس دائرہ میں داخل نہیں ہو سکی ہے تو بہت ممکن ہے اس کی علت اس سے کہیں زیادہ گہری ہو، جس قدر اس وقت تک ہم سمجھتے رہے ہیں، اس سلسلہ میں تین باتیں نمایاں طور پر سامنے آجاتی ہیں :

(۱) اولاً جن اقوام کا ذکر کیا گیا ہے ان کی خصوصیت صرف اتنی ہی نہیں کہ بعض سرزمین حجاز کے قرب و جوار میں گذری تھیں اور بعض سے اہل کتاب واقف تھے بلکہ اس سے زیادہ گہری کوئی بات ہے کیونکہ معلوم ہوتا ہے، یہ تمام قومیں اصلاً ایک ہی نسلی حلقہ کی ہیں، حتیٰ کہ اگر مصریوں کا ذکر کیا گیا ہے تو مصری بھی اسی میں داخل ہیں ——————

(۲) ثانیاً . . . . . قرآن نے جہاں کہیں ترتیب ظہور کے ساتھ دعوتوں کا ذکر کیا ہے وہاں قوم نوح کے بعد قوم عاد اور عاد کے بعد قوم ثمود نمایاں ہوئی ہے اور ان تینوں قوموں کو ایک دوسرے کا جانشین کہا ہے . . . . چونکہ ان تینوں قوموں کا جغرافیائی محل ایک دوسرے سے الگ تھا اس لیے یہ بات واضح نہیں ہوئی تھی کہ اس خطاب کا صحیح مطلب کیا ہے ؟ لیکن اب بالکل واضح ہو گئی اور ان توجیہوں کی ضرورت نہ رہی جو مفسرین نے اختیار کی تھیں۔

(۳) ثالثاً اس سوال پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ قرآن نے ہر جگہ تذکرہ حضرت نوح علیہ السلام ہی سے کیوں شروع کیا ہے ؟ اس کے متعدد وجوہ سامنے آتے ہیں لیکن ان انکشافات کی روشنی نے ایک نیا پہلو واضح کر دیا ہے، حضرت نوح کی دعوت غالباً اس قدیم نسل میں پہلی دعوت تھی اور چونکہ پہلی

حویلہ

کوہ ارارات

ارمینیہ

موصل

بابل

میڈیا

عرب

SCALE (ENG MILES)

0 50 100 200

حوالہ صفحہ نمبر ۸۵
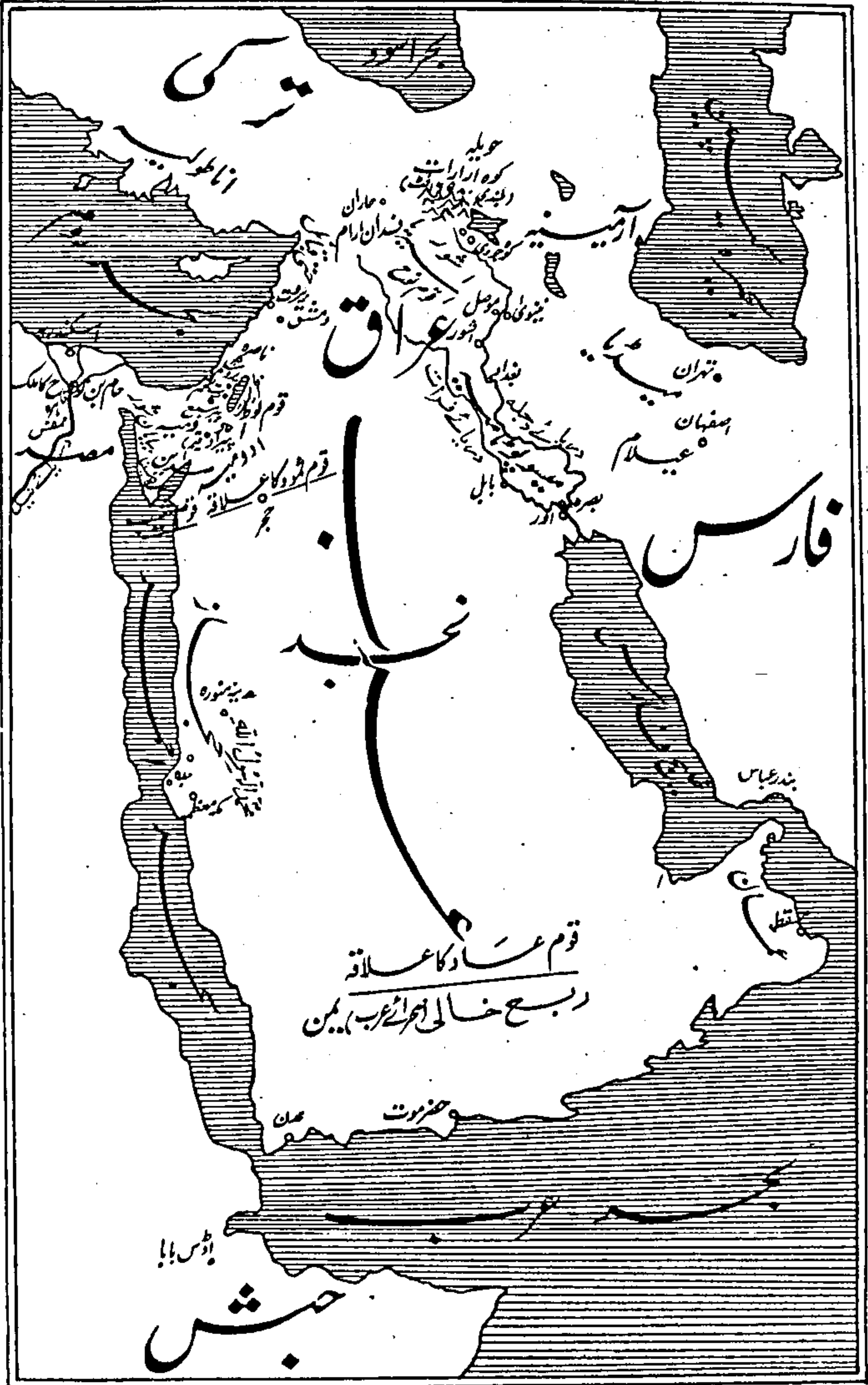
دعوت تھی اس لیے ناگزیر تھا کہ اس کی دعوتوں کا تذکرہ اسی سے شروع ہو۔[1]

نبی کی بعثت کی وجہ | افراد کی طرح قوموں کی زندگی کی بھی مدت معیّن ہے۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ (اعراف ۳۴)	اور ہر اُمت کیلیے (موت کا) ایک وقت مقرر ہے

عدل و انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ جب کوئی قوم اپنی بداعمالیوں کے سبب تباہی اور ہلاکت کے غار تک پہنچ جائے تو اس کو مٹ جانا چاہیے مگر چونکہ:

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۖ أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (انعام ۵۴)	خدا نے اپنی ذات پر رحمت کو لازم کر لیا ہے بلکہ جو کوئی تم میں نادانی سے کوئی بری حرکت کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کر لے تو وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس لیے اس کی رحمت کا اقتضا یہ ہوا کہ ہلاکت سے پہلے انھیں مہلت اصلاح دی جائے اور ان کی ہدایت کا بندوبست بھی کر دیا جائے کہ اب بھی توبہ کر کے اور اپنی حالت کو سنوار کر اپنی سابقہ بداعمالیوں کے عواقب و نتائج سے بچ جائیں اور ان کی کوئی بھی حجت خدا پر باقی نہ رہے، اور یہی انبیا کی بعثت کا مقصد تھا۔

رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ (نساء ۱۶۵)	پیغمبروں کو (خدا نے) خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے (بنا کر بھیجا) تاکہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کو خدا پر الزام کا موقع نہ رہے۔

اور سورۂ انعام میں ہے:

ذَٰلِكَ أَنْ لَمْ يَكُنْ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا غَافِلُونَ ۝ (انعام ۱۳۲)	(اے محمدؐ) یہ (پیغمبر جو آتے رہے اور کتابیں نازل ہوتی رہیں) اس لیے کہ تمھارا پروردگار ایسا نہیں کہ بستیوں کو ظلم سے ہلاک کر دے اور وہاں کے رہنے والے غافل ہوں

---

[1] ترجمان القرآن جلد دوم صفحہ ۲۱۷

لیکن انھوں نے بچاؤ کا آخری موقع بھی ہاتھ سے کھو دیا، انھوں نے اپنے پیغمبروں کی تکذیب کی ان سے اچنبھوں کی فرمائیش کی، ان کو ستایا، ان کا تمسخر اڑایا، ان کو ذلیل کرنے کی سازشیں کیں، اور بالآخر اس کفر و طغیان کا وہی نتیجہ ہوا جس کے وہ مستحق تھے:

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ (نحل ۱۶)	ان کو ان کے اعمال کے بُرے نتیجے ملے اور جس چیز کے ساتھ وہ تمسخر کیا کرتے تھے اس نے ان کو ہر طرف سے آگھیرا

الغرض

فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ۝ (الفرقان ۳۶)	پھر دے مارا ہم نے ان کو اکھاڑ کر

اور نتیجہ یہ ہوا کہ بالآخر:

كُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ۝ (الفرقان ۳۹)	ہم نے انھیں تہس نہس کر دیا

اُصولِ تعزیرِ اُمم | قوموں کی سزا اور ہلاکت کا یہی قانون اور اُصول ہے جو سورۂ قصص میں اس طرح واضح طور پر بیان فرمایا گیا ہے:

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْۤ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰۤى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ۝ (القصص ۵۹)	اور تمھارا پروردگار بستیوں کو ہلاک نہیں کرتا جب تک ان کے بڑے شہر میں پیغمبر نہ بھیج لے جو ان کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائے اور ہم بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتے مگر اس حالت میں کہ وہاں کے باشندے ظالم ہوں۔

بعثت کے اغراض خصوصیہ کی تفصیل | حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی "حجۃ اللہ البالغہ" میں تحریر فرماتے ہیں:

نبی کی بعثت یا تو کسی ایسے وقت میں ہوتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کو کسی خاص قوم کا برسرِ اقتدار کرنا منظور ہوتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ دوسری قوموں کو ذلیل فرمائے اور ان کا تختہ

اُلٹ دے اس حالت میں اللہ تعالیٰ کسی ایسے شخص کو خلعت نبوت سے سرفراز فرماتا ہے جو اس قوم کے دین کی اصلاح کرے، ہمارے نبی کریم صلعم کی بعثت اسی قسم کی تھی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی قوم پر عنقریب زوال آنے والا ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ وہ قوم صفحہ ہستی سے مٹ جائے، ان کے حق میں اس کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ قوم مذکورہ کو قوت تازہ بخش کر دیگر اقوام پر ان کو برتری اور تفوق عنایت فرمائے، حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی بعثت اسی مقصد کے لیے تھی[لہ] - یہ بھی ایک صورت ہو سکتی ہے کہ کسی قوم کی سلطنت کو باقی رکھنا منظور ہے یا کسی دین کو محفوظ رکھنا مقصود ہے، داؤد اور سلیمان علیہما السلام اور بنی اسرائیل کے بعض دیگر انبیا علیہم السلام کا بھیجا جانا اسی مطلب کے لیے تھا ......
ان اغراض کے علاوہ بعض دوسرے مقاصد مثلاً اتمام حجت کے لیے بھی انبیاء مبعوث کیے جاتے ہیں" [۲ہ]

قصص قرآن کا خلاصہ | قصص قرآن کا خلاصہ خود قرآن کے الفاظ میں یہ ہے :

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ۝ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ

اور ہم نے تم سے پہلے بہت سی امتوں کی طرف پیغمبر بھیجے پھر ان کی نافرمانیوں کے سبب) ہم انھیں سختیوں اور تکلیفوں میں پکڑتے رہے تاکہ عاجزی کریں، تو جب ان پر ہمارا عذاب آتا رہا

لہ کلام مجید میں ہے : وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ - اور ہم تو یہ چاہتے تھے کہ جن لوگوں کو سرزمین مصر میں کمزور سمجھا گیا ان پر اپنی عنایات مبذول فرمائیں، ان کو امامت کا منصب جلیل عطا کریں، ان کو زمین کا وارث بنائیں اور زمین پر ان کا تسلّط ہو" (مترجم) ۲ہ "حُجَّةُ اللّٰهِ الْبَالِغَة" حصہ اوّل مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی، مترجمہ مولانا عبدالرحیم مرحوم سابق پروفیسر عربی دینیات و ناظم مکتبہ علوم مشرقیہ اسلامیہ کالج پشاور، مطبوعہ قومی کتب خانہ لاہور، صفحہ ۵۰،۴۹

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ط حَتّٰىٓ اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ○ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ط وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

(انعام ۴۲ تا ۴۴)

کیوں نہیں عاجزی کرتے رہے مگر ان کے دل تو سخت ہو گئے تھے اور جو کام وہ کرتے تھے شیطان انکو انکی نظروں میں) آراستہ کر دکھاتا تھا، پھر جب انھوں نے اس نصیحت کو جو ان کو کی گئی تھی فراموش کر دیا تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب ان چیزوں سے جو ان کو دی گئی تھیں خوب خوش ہو گئے تو ہم نے ان کو ناگہاں پکڑ لیا اور وہ اس وقت مایوس ہو کر رہ گئے غرض ظالم لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی اور سب تعریف خدائے رب العلمین ہی کو (سزاوار) ہے[1]

انبیاء کا طریق موعظت و استدلال اس تبلیغ و تعلیم کے لیے انبیاء علیہم السلام نے جو طریق موعظت و استدلال اختیار کیا وہ بھی قابل غور ہے، انبیاء کے مخاطب عوام و خواص، جاہل و عالم ہر طبقے ہوتے ہیں لیکن چونکہ ہر زمانہ اور ہر معاشرہ میں اول الذکر کی تعداد ہمیشہ بہت زیادہ ہوا کرتی ہے اس لیے انبیاء علیہم السلام ان ہی کی ذہنی سطح پر اتر کر ان سے خطاب فرماتے ہیں چونکہ مقصود اصلی حق کا دل میں اتار دینا اور قلب میں اس کا یقین پیدا کر دینا ہے، علمی و لفظی بحث و تکرار سے صرف زبانوں کو خاموش کر دینا نہیں ہے، یہی وجہ ہے انبیاء کرام کی مقدس زبانوں سے جو الفاظ ادا ہوتے ہیں وہ فلسفیوں اور منطقیوں کی دلیلوں کی طرح صرف ذہن میں کاوش و خلجان پیدا نہیں کرتے بلکہ قلب کی گہرائیوں میں اتر کر دلوں کو یقین و ثبات بخشتے ہیں ان میں فلسفیانہ الجھنیں اور منطقیانہ کاوشیں نہیں ہوتیں، ان میں لفظی بحثیں اور علمی موشگافیاں نہیں پائی جاتیں مگر ان میں مضطرب روحوں کا سکون اور ناآسودہ زندگیوں کا قرار ضرور پایا جاتا ہے، وہ ذہن کو سراغ راہ کی الجھنوں اور این و آں کی کشمکشوں میں ڈالنے کی بجائے مخاطب کو یکایک صراط مستقیم دکھا کر منزل مقصود تک پہنچا دیتے ہیں، اس لیے ان کے مواعظ و دلائل میں فلسفیانہ

---

[1] اس سلسلہ میں سورۂ ابراہیم کی آیات ۹ تا ۱۷ قابل مراجعت ہیں جہاں یہی حقیقت کچھ زیادہ تفصیل کیساتھ بیان ہوئی ہے

مباحث و لوازم تلاش کرنے کی بجائے جیسا کہ ہمارے اکثر مفسرین و شارحین نے کیا ہے نتیجہ و اثر کو ڈھونڈنا چاہیے۔

انبیاء کا دستور العمل یہاں انبیاء علیہم السلام کی رشد و ہدایت اور دعوت و تبلیغ کے اس دستور العمل پر بھی نظر ڈال لینا چاہیے جس کی قرآن عظیم نے جگہ جگہ وضاحت کی ہے اور وہ یہ ہے کہ مخاطب کے تمرد و طغیان اور سرکشی و گمراہی پر سختی و درشتی سے کام لینا نہیں چاہیے، یہ دعاۃ و مبلغین کا اٹل دستور العمل ہے جس کے بغیر کامیابی ممکن نہیں، اس کی اہمیت کا اندازہ صرف امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ جیسے جلیل القدر پیغمبر فرعون جیسے باغی و سرکش انسان کی طرف بھیجے جاتے ہیں مگر اس حکم کیساتھ

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ○ (طٰہٰ ۴۴)	اور اس سے نرمی سے بات کرنا، شاید وہ غور کرے یا ڈر جائے۔

حتیٰ کہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی، جن کے اخلاق حمیدہ، نیک خوئی اور نرم مزاجی کی تعریف میں خود قرآن کریم رطب اللسان ہے یہی دستور العمل تعلیم فرمایا جاتا ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (نحل، ۱۲۵)	(اے پیغمبر) لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو۔

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مخالفین و معاندین کی بڑی سے بڑی گستاخی و سرکشی پر اور سخت سے سخت اشتعال انگیز مواقع پر بھی انبیاء علیہم السلام کی نرم گفتاری و خوش اسلوبی میں کبھی ذرا سا بھی فرق پیدا نہیں ہوا اور بالآخر یہی ان کی عظیم الشان کامیابیوں کا سبب بنا، یہاں اس اصول کو واضح کرنے کیلیے صرف ایک مثال کافی ہو گی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت حق پر بگڑ کر آزر بولا:

اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ○ (مریم ۴۶)	ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے برگشتہ ہے؟ اگر تو باز نہ آئے گا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا، اور تو ہمیشہ کے لیے مجھ سے دور ہو جا،

اس پر حضرت ابراہیم کو غصہ نہیں آیا، ناراض نہیں ہوئے، جواب میں کوئی سخت و درشت الفاظ استعمال نہیں کیے بلکہ ارشاد فرمایا تو یہ فرمایا:

سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ۝ (مریم ۴۷)	تجھ پر سلامتی ہو، میں تیرے لیے اپنے پروردگار سے بخشش طلب کروں گا، بیشک وہ مجھ پر نہایت مہربان ہے۔

کاش ہمارے دعاۃ و مبلغین بھی اس اصول حقہ کو یاد رکھ سکتے۔

تبلیغ و توکیل پھر پیغمبر کی شخصیت کے سلسلہ میں ایک اور بات کا سمجھ لینا بھی ضروری ہے جس کی وضاحت سورۂ یونسؑ کی اس آیت میں ملتی ہے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ؕ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝ (یونس ۱۰۸)	(اے نبی، کہہ دو کہ لوگو، پروردگار کے یہاں سے تمہارے پاس حق آچکا ہے، تو جو کوئی ہدایت حاصل کرتا ہے تو ہدایت سے اپنے ہی حق میں بھلائی کرتا ہے اور جو گمراہی اختیار کرتا ہے تو گمراہی سے اپنا ہی نقصان کرتا ہے، اور میں تمہارا وکیل نہیں ہوں۔

پیغمبر کا کام تبلیغ و تذکیر ہے، توکیل و اجبار نہیں، اس کی راہ صلح و آشتی اور امن و سلامتی کی راہ ہے جبر و تشدد کی راہ نہیں، وہ ہادی و مخبر و پیغامبر بن کر آتا ہے، حاکم و جابر بن کر نہیں آتا، اس کا کام حق کو پہنچا دینا، خدا کے پیغام کو کھول کر بیان کر دینا، نیک عمل کی جزاء کی بشارت دینا اور بداعمالیوں کے نتائج سے ڈرانا ہے اس کا کام دوسروں کو زبردستی اس امر پر مجبور کرنا نہیں ہے کہ ان کو اس کا بتایا ہوا راستہ بہر صورت اختیار کرنا ہی پڑے گا، وہ ترغیب دیتا ہے مجبور نہیں کرتا، اس کا اعلان یہ ہوتا ہے کہ حق و صداقت کی تبلیغ اور اصلاح کی کوشش ہر شخص کا حق بلکہ فرض ہے، مگر اپنی بات کو بجبر منوانے کا حق کسی کو نہیں۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قف (البقرہ ۲۵۶)	دین میں زبردستی نہیں ہے۔

وہ کہتا ہے اگر تم اچھے عمل کرو گے تو اس سے تمھاری ہی ذات کو فائدہ پہنچے گا اور اگر برے عمل کرو گے تو اس کا وبال بھی تم ہی بھگتو گے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (زلزال ۷، ۸)	تو جس نے ذرّہ بھر نیکی کی ہو گی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرّہ بھر برائی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا۔

اس لیے اگر تم میرے راستہ کو پسند کرو تو اسے قبول کر لو، ورنہ میرے لیے میرا راستہ ہے اور تمھارے لیے تمھارا راستہ۔

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝ (کافرون ۶)	تمھارے لیے تمھاری راہ اور میرے لیے میری

اگر پیغمبر کا کام صرف تبلیغ و تذکیر ہے، جبر و اکراہ نہیں تو اور کسی کو یہ حق کیسے پہنچ سکتا ہے، اگر اتنی سی حقیقت جو قرآن نے اس قدر واضح اور صاف طور پر بیان کر دی تھی، سمجھ لی جاتی تو وہ خون ریزی اور فتنہ آشامی جو صدیوں مذہب اور فرقہ بندی کے نام پر ہوتی رہی ہے، نہ ہوتی!

طلب معجزہ اور انسانی ذہن کی گمراہی انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ و تعلیم کے سلسلہ میں انسانی ذہن کی ایک گمراہی یہ بھی رہی ہے کہ جہاں کہیں اور جب کبھی کوئی نبی ظاہر ہوا اور اس نے اپنی قوم کو راہ حق کی طرف پکارا اور سچائی کی دعوت دی تو اس کی صداقت کے ثبوت میں اس سے معجزہ طلب کیا گیا، کسی خرق عادت کی نمود چاہی گئی، کسی اچنبھے کی خواہش کی گئی، نبی ایک روحانی طبیب بن کر آتا ہے اس کی ساری ذات ہی یکسر معجزہ و خرق عادت اور چنبھا ہے، اس کی صداقت کی جانچ کا فطری اور عقلی طریقہ تو یہ تھا کہ اس کا بتایا ہوا علاج اور پرہیز کر کے دیکھا جاتا کہ اس سے مرض کا دفعیہ ہوتا ہے یا نہیں مگر انسان کے ذہن نے یہ سیدھا سادا راستہ کبھی اختیار نہیں کیا، پیغمبر نے کہا میں خدا کا بندہ اور اس کا فرستادہ ہوں کہ تمھیں اس کی طرف بلاؤں تو انھوں نے حیرت سے کہا، اچھا تو زمین سے ایک نہر تو بہا دو، یا کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ تو اگا دو، پیغمبر نے کہا میں تمھیں تاریکیوں سے نکال کر روشنیوں میں لے جانے کے لیے بھیجا گیا ہوں، انھوں نے کہا، تو پہلے ذرا یہ گھر تو سونے کا بنا دو یا آسمان کا ایک ٹکڑا

تو ہم پر لا گراؤ، پیغمبر نے کہا میں تمھارے دلوں کی زنگ کو دھو کر انھیں جلا دینے اور انھیں مصفا اور منور بنا دینے کے لیے آیا ہوں، انھوں نے کہا ذرا سیڑھی لگا کر آسمان پر تو چڑھ جاؤ، ایک لکھی لکھائی کتاب تو وہاں سے لے آؤ خدا اور فرشتوں کو تو ہمارے سامنے لا کھڑا کر دو، تب ہم تمھاری بات کو باور کریں گے،

خیال کن تو کجائی تو ما کجا حافظ

سورہ بنی اسرائیل میں ہے :

وَقَالُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنبُوعًا ۝ أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا ۝ أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا ۝ أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّن زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ ۚ وَلَن نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرَؤُهُ ۗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا ۝

(سورہ بنی اسرائیل ۹۰ تا ۹۳)

اور کہنے لگے کہ ہم تم پر ایمان نہیں لائینگے جب تک عجیب وغریب باتیں نہ کر دکھاؤ یعنی یا تو ہمارے لیے زمین میں سے چشمہ جاری کر دو، یا تمھارا کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو اور اس کے بیچ میں نہریں بہا نکالو، یا جیسا تم کہا کرتے ہو ہم پر آسمان کے ٹکڑے لا گراؤ، یا خدا اور فرشتوں کو (ہمارے) سامنے لے آؤ، یا تمھارا سونے کا گھر ہو، یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور ہم تمھارے چڑھنے کو بھی نہیں مانیں گے جب تک کہ کوئی کتاب نہ لاؤ جسے ہم پڑھ بھی لیں (اے پیغمبر) کہدو کہ میرا پروردگار پاک ہے، میں تو صرف ایک پیغام پہنچا دینے والا انسان ہوں۔

گویا اگر ایک آدمی کا دعویٰ ہے کہ وہ سیاسیات کا ماہر ہے تو اس کے قول کی صداقت کا ثبوت یہ قرار دیا جائے کہ وہ پہلے ایک گھڑی تو بنا کر دکھائے، اگر کوئی کہے میں علم تاریخ میں دستگاہ کامل رکھتا ہوں تو کہا جائے اچھا اگر تم سچے ہو تو بغیر کسی چیز کی مدد کے ذرا ہوا میں اڑ کر تو دکھاؤ۔

انبیاء علیہم السلام کے معجزات کی نوعیت انبیاء علیہم السلام کو جو مختلف معجزات و نشانات عطا

فرمائے گئے اگر ان کو بہ نظر غائر دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ جس قوم کی جو امتیازی قومی اور ملکی خصوصیات رہی ہیں اور جس وقت جو علوم اپنی ترقی کے اوج کمال پر پہنچے ہیں، اس قوم اور اس وقت کے پیغمبر کو بھی اسی کے مناسب حال معجزات عطا فرمائے گئے کہ تعرض و تکذیب کرنے والے عاجز و درماندہ ہو کر یہ سمجھنے پر مجبور ہو جائیں کہ اس میں انسانی ہاتھ سے بالاتر کوئی اور ہاتھ کارفرما ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں علم نجوم اور علم کیمیا کا زور تھا اور وہ آگ کو سورج کا مظہر سمجھ کر پوجتے تھے۔ آگ کی خاصیت گرمی پیدا کرنا اور جلانا ہے، یہی خاصیت حضرت ابراہیمؑ کے لیے بدل دی گئی اور آپ کو معجزہ یہ عطا فرمایا گیا کہ دہکتی ہوئی آگ آپ پر سلامتی اور ٹھنڈک بن گئی، گویا بتانا یہ مقصود تھا کہ تم جس کو دیوتا اور دیوتا کا مظہر سمجھ کر پوجتے ہو ان کو تو اپنی خاصیتوں اور صفتوں کو قائم رکھنے تک کا اختیار نہیں، وہ تو خود کسی کے حکم کے پابند اور کسی کے اشارے کے محتاج ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں علم سحر اپنے ارتقاء کے بام کمال پر پہنچا ہوا تھا، چنانچہ آپ کو عصاء و ید بیضاء اور دوسرے اسی قسم کے معجزات عطاء کیے گئے جن کو دیکھ کر وقت کے سب سے بڑے اور باکمال ساحر بھی بے اختیار پکار اٹھے:

اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ رَبِّ مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ ○ (اعراف ۱۲۱ و ۱۲۲، اور شعراء ۴۷ و ۴۸)	ہم ایمان لائے پروردگار عالم پر، موسیٰؑ اور ہارونؑ کے پروردگار پر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یونانی اطباء و حکماء کی علمی تحقیقات کی بنا پر علم طب اور علم طبعیات (PHYSICS) معراج کمال پر پہنچے ہوئے تھے، چنانچہ آپ کو اسی کے مناسب حال معجزات دیے گئے جن کی مدد سے آپ نابینا کو بینا، مبروص و بیمار کو تندرست اور مردہ کو زندہ کر دیا کرتے تھے اور یہاں پہنچ کر وقت کے عظیم ترین اطباء و حکماء بھی بجز اپنی حیرانی و درماندگی و عجز کے اور کسی بات کا اظہار نہ کر سکتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اہل عرب کو اپنی زباندانی پر اس قدر ناز تھا کہ وہ عرب کے علاوہ باقی تمام دنیا کو عجم (گونگا) کہا کرتے تھے چنانچہ آپ کو قرآن کریم ایسی زبان میں عطا

کیا گیا کہ باوجود اس چیلنج کے فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (بقرہ ۲۳) "لے آؤ ایک سورت اس جیسی" جو آغاز اسلام سے اس وقت تک کھلا ہوا ہے اور قیامت تک کھلا رہے گا، اس کی ایک آیت کا بھی کبھی جواب ممکن نہ ہو سکا اور معاندین اور مخالفین کو بالآخر یہی کہتے بن پڑا کہ اِنَّہٗ لَا کَلَامَ الْبَشَرْ یقیناً یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہو سکتا۔

ایمان بالغیب اور ایمان بالمشاہدہ | یہاں یہ بات سمجھ لینا ضروری ہے کہ ایمان خدا کے نزدیک صرف اسی وقت تک مقبول ہے جب تک وہ ایمان بالغیب ہے۔ معجزات کے اظہار کے بعد اگر لوگ ایمان نہ لائیں تو نزول عذاب لازم ہو جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ گو خدا تعالیٰ ہر قسم کے معجزہ کے اظہار پر قادر ہے مگر ہر طالب معجزہ پر اس معجزہ کا اظہار نہیں فرماتا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب معجزات کی بہت زیادہ فرمایش ہوئی تو وحی الٰہی نے جواب دیا :

وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا (انعام)	اور اگر یہ ہر قسم کے نشان بھی دیکھ لیں تب بھی (ضد اور تعصب کی بنا پر) ایمان لانے والے نہیں۔

ایسی صورت میں اگر معجزات عند الطلب ظاہر فرما دیے جاتے اور معاندین (کفار) ایمان نہ لاتے تو نزول عذاب لازم ہو جاتا اور رحمت الٰہی کو یہ گوارا نہ تھا کہ جب تک اس کا محبوب اس دنیا میں تشریف فرما ہے اس دوران میں کوئی عذاب نازل کیا جائے۔ چنانچہ اظہار معجزات میں تاخیر بھی اس کی رحمت ہوئی۔

پھر نزول عذاب کے بعد اور اس عذاب کو دیکھ کر جو ایمان لایا جائے وہ عند اللہ قابل قبول نہیں، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ	پس جب ان کے پیغمبر ان کے پاس کھلی نشانیاں لیکر آئے تو جو علم ان کے پاس تھا اس پر اترانے لگے اور جس چیز سے تمسخر کیا کرتے تھے اس نے ان کو آ گھیرا، پھر جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا

وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ○ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ○

(مومن ۸۳ تا ۸۵)

تو کہنے لگے کہ ہم خدائے واحد پر ایمان لائے اور جس چیز کو اس کے ساتھ شریک بناتے تھے اس کو چھوڑ دیا، لیکن جب وہ ہمارا عذاب دیکھ چکے (تو) ان کے ایمان نے ان کو کچھ بھی فائدہ نہ دیا (یہ) اللہ کی سنت (ہے) جو اس کے بندوں (کے بارے) میں چلی آتی ہے اور وہاں کافر گھاٹے میں پڑ گئے۔

انبیاء کا توکل علی اللہ | انبیاء علیہم السلام اور مومنین صالحین کی دنیا اور آخرت میں نصرت و مدد کا وعدہ کیا گیا ہے:

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ○

(مومن - ۵۱)

ہم اپنے پیغمبروں کی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اُن کی دنیا کی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے (یعنی قیامت کو بھی)

یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی سیرت پاک میں ہمیں پیغمبرانہ استقامت اور توکل علی اللہ کی ایسی حیرت انگیز مثالیں ملتی ہیں جو انتہائی بصیرت افروز اور جرأت آموز ہیں، ایک طرف مال و دولت اور عزت وجاہ کا غرور ہے ساز و سامان پر تکیہ ہے، حمایت کرنے والوں اور عزیزوں کی تعداد و کثرت پر بھروسہ ہے اور دوسری طرف بظاہر ایک بے یار و مددگار فرد واحد ہے جس کا بھروسہ صرف اللہ کی ذات پر ہے، لیکن جب یہ اعتماد کامل ہو جاتا ہے تو بظاہر ایک بے سہارا اور بے سروسامان تنہا انسان بڑی سے بڑی جابر و قاہر قوم اور طاقت کو چیلنج دے دیتا ہے اور اس کے دل میں ذرّہ برابر بھی گھبراہٹ پیدا نہیں ہوتی۔

حضرت نوح ؑ کی قوم انھیں طرح طرح کی دھمکیاں دیتی ہے اور بالآخر سنگسار کرنے کو کہتی ہے اللہ کا رسول جواب دیتا ہے:

يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ

اے قوم اگر تم کو میرا تم میں رہنا اور خدا کی آیتوں سے نصیحت کرنا ناگوار ہو تو میں خدا پر بھروسہ رکھتا ہوں

فَاجْمِعُوْآ اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْآ اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ○ (یونس - ۷۱)	تم اپنے شریکوں کے ساتھ مل کر ایک کام (جو میرے بارے میں چاہو) مقرر کر لو اور وہ تمھاری تمام جماعت سے پوشیدہ نہ رہے پھر وہ کام میرے حق میں کر گذرو اور مجھے مہلت نہ دو۔

ھود علیہ السلام کی جبار و متکبر قوم جب غصہ سے بپھر کر آپ کو ڈرانے اور دھمکانے لگی اور آپ سے مطالبہ کیا کہ اگر خیریت چاہتے ہیں تو قوم کے معبودوں کی طرف لوٹ آئیں، تو آپ نے ارشاد فرمایا :

اِنِّیْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ○ اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّكُمْ ط (ھود ۵۴ تا ۵۶)	میں خدا کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ جن کو تم (خدا کا) شریک بناتے ہو میں ان سے بیزار ہوں (یعنی جن کو تم) خدا کے سوا (پوجتے ہو) تو تم سب مل کر میرے بارے میں (جو) تدبیر (کرنی چاہو) کر لو اور مجھے مہلت نہ دو، میں خدا پر بھروسہ رکھتا ہوں جو میرا اور تمھارا سب کا پروردگار ہے

حضرت ابراہیمؑ نمرود کی طاقتور اور سرکش قوم کو مخاطب کر کے اعلان فرماتے ہیں :

اَفَرَءَیْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ○ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ○ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ○ (شعراء ۷۵، ۷۶)	کیا تم نے دیکھا کہ جن کو تم پوجتے رہے ہو، تم بھی اور تمھارے اگلے باپ دادا بھی وہ (سب) میرے دشمن مگر (خدائے) رب العالمین۔

اور

وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْئًا ط (انعام - ۸۱)	اور میں ڈرتا نہیں ہوں ان چیزوں سے جن کو تم اس کا شریک ٹھہراتے ہو۔

اہل مدین نے جب حضرت شعیبؑ سے مطالبہ کیا کہ فوراً ان کے مذہب پر لوٹ آئیں ورنہ ان کو شہر بدر کر دیا جائے گا تو آپ نے فرمایا :

اَوَ لَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ○ (اعراف-۸۸)	خواہ ہم (تمہارے دین سے) بیزار ہی ہوں (تب بھی)

اور یہ کہ:

وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ (اعراف ۸۹)	ہمیں شایاں نہیں کہ ہم اس میں لوٹ جائیں

اور یہ کھلا ہوا اعلان اس لیے ہے کہ:

عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ (اعراف ۸۹)	ہمارا (تو) خدا ہی پر بھروسہ ہے۔

اسی طرح جب فرعون اپنی طاقت اور حکومت کے نشہ میں غیض وغضب سے مشتعل ہو کر بولا کہ مجھے چھوڑ دو کہ موسیٰؑ کو قتل کر ڈالوں، تو اللہ کے رسول نے بڑے سکون اور استقامت سے جواب دیا:

اِنِّىْ عُذْتُ بِرَبِّىْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ○ (مومن - ۲۷)	میں ہر متکبر سے جو حساب کے دن (یعنی قیامت) پر ایمان نہیں رکھتا اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ لے چکا ہوں۔

اور جب بحر قلزم کو عبور کرتے وقت فرعون مع اپنے لشکر جرار کے تعاقب کرتا ہوا بالکل سامنے آگیا اور بنی اسرائیل خوف اور مایوسی سے چیخ اٹھے کہ اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ○ (شعراء-۶۱) "ہم تو پکڑ لیے گئے"

اس وقت بھی حضرت موسیٰؑ نے اسی سکون وثبات سے فرمایا:

كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِىَ رَبِّىْ سَيَهْدِيْنِ ○ (شعراء ۶۲)	ہرگز نہیں، میرا پروردگار میرے ساتھ ہے وہ مجھے راستہ دکھائے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قوم کو مخاطب کر کے اعلان فرماتے ہیں تاکہ کسی شخص کو کسی قسم کا اشتباہ والتباس باقی نہ رہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِىْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِىْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ	اے لوگو! اگر تم کو میرے دین میں کسی طرح کا شک ہو تو (تو سن رکھو کہ) جن کی تم خدا کے سوا

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰكُمْ ج

(یونس ۱۰۴)

عبادت کرتے ہو میں ان کی عبادت نہیں کرتا بلکہ میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری روحیں قبض کر لیتا ہے۔

اور

یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۙ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۙ

(الکافرون ۱و۲)

اے کافرو! جن (بتوں) کو تم پوجتے ہو ان کو میں نہیں پوجتا۔

حضور اقدس ؐ مکہ سے ہجرت فرما کر حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی معیت میں مدینہ کو روانہ ہوئے ہیں اور راہ میں غار ثور میں تشریف فرما ہیں کہ کفار قریش تعاقب کرتے ہوئے غار کے کنارے تک آجاتے ہیں۔ حضرت ابوبکر رض، حضور اکرم ؐ کی محبت میں اس خیال اور غم سے بے قرار ہو جاتے ہیں کہ اب کیا ہوگا؟ حضور سرور کائنات ؐ یہ کیفیت دیکھتے ہیں تو بہ کمال سکون و طمانیت ارشاد ہوتا ہے:

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ج

(توبہ، ۴۰)

غم نہ کرو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے!

"گمانوں کے لشکر، یقین کا ثبات" اس سلسلہ میں ایک اور بہت بڑی حقیقت کو قرآن نے واضح کیا ہے جس کو سمجھ لینا بھی ضروری ہے، جب کبھی اور جہاں کہیں بھی پیغمبر کی دعوت علم و یقین کی تردید و تکذیب کی لوگوں نے کوشش کی، صرف تخمین و ظن اور شک و گمان کی بنا پر کی چونکہ اس کے علاوہ ان کے پاس تردید و تکذیب حق کی اور کوئی وجہ موجود نہ تھی، پیغمبر جس علم کی خبر دیتا ہے وہ ہمارے محسوسات کی سرحد سے وراء ہے اور اس لیے انسانی علم و ادراک وہاں عاجز و قاصر ہے — —

— — — — اس بارے میں علم و یقین کی صرف ایک ہی راہ ہے اور وہ ہے وحی الٰہی، پیغمبر علم و عرفان کی ان ہی بلندیوں پر پہنچ کر اور وحی الٰہی سے یقین و بصیرت حاصل کر کے لوگوں کو دعوت حق دیتا ہے مگر لوگ اس عالم کے متعلق اپنے عدم علم سے پیدا ہونے والے شکوک و اوہام کی بناء پر

تخمین و ظن کا حربہ استعمال کر کے اس کی تکذیب کی کوشش کرتے ہیں، بقول مولانا ابوالکلام آزاد:

"اب سوال یہ ہے کہ تمھیں کس طرف جانا چاہیے اس کی طرف جو زیادہ سے زیادہ یہ جانتا ہے کہ کچھ نہیں جانتا یا اس کی طرف جس کی پکار کی پہلی بات ہی یہ ہے کہ میرے پاس سرتاسر دلیل یقین ہے؟ فَهَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ؟ (کیا اندھا اور صاحب بصیرت برابر ہیں؟)"[1]

گمان، یقین کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس لیے بالآخر یقین اپنی جگہ قائم رہتا ہے اور گمان مٹ جایا کرتے ہیں۔

جَاۗءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ○

حق آگیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل مٹ جانے والا ہے۔

(بنی اسرائیل ۸۱)

یہی وہ حقیقت ہے جس کو جگہ جگہ قرآن نے واضح کیا ہے، قوم کے شک و گمان کے جواب میں حضرت نوحؑ نے فرمایا:

يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ۭ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ○

اے قوم، دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل (روشن) رکھتا ہوں اور اس نے مجھے اپنی رحمت بخشی ہو جس کو تمھاری آنکھ سے مخفی رکھا گیا تو کیا اس کے لیے ہم تمھیں مجبور کر سکتے ہیں اور تم ہو کہ اس سے ناخوش ہو رہے ہو،

(ھود ۲۸)

حضرت ھودؑ نے فرمایا:

اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ڮ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ○

علم تو خدا ہی کے پاس ہے اور میں تو جو (احکام) دے کر بھیجا گیا ہوں وہ تمھیں پہنچا رہا ہوں مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ نادانی میں پھنس رہے ہو۔

(احقاف ۲۳)

[1] ترجمان القرآن، جلد اول صفحہ ۴۲۷

حضرت صالحؑ نے فرمایا :

یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ کُنْتُ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰنِیْ مِنْہُ رَحْمَۃً فَمَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰہِ اِنْ عَصَیْتُہٗ فَمَا تَزِیْدُوْنَنِیْ غَیْرَ تَخْسِیْرٍ ○ (ھود ۶۳)	اے قوم، بھلا دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے کھلی دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے یہاں سے (نبوت کی) نعمت بخشی ہو تو اگر میں خدا کی نافرمانی کروں اس کے سامنے میری کون مدد کریگا؟ تم تو (کفر کی باتوں سے) میرا نقصان کرتے ہو۔

حضرت ابراہیمؑ نے آذر سے فرمایا :

یٰٓاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یَاْتِکَ فَاتَّبِعْنِیْٓ اَھْدِکَ صِرَاطًا سَوِیًّا ○ (مریم ۴۳)	ابا، مجھے ایسا علم ملا ہے جو آپ کو نہیں ملا، تو میرا اتباع کیجیے میں آپ کو سیدھی راہ پر چلا دوں گا۔

اور پھر قوم کو مخاطب کر کے فرمایا :

اَلَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَھُوَ یَھْدِیْنِ ○ (شعراء ۷۹)	جس نے مجھے پیدا کیا، وہی مجھے راستہ دکھاتا ہے۔

حضرت شعیبؑ نے اہل مدین سے فرمایا :

یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ کُنْتُ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَرَزَقَنِیْ مِنْہُ رِزْقًا حَسَنًا ط وَمَآ اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَکُمْ اِلٰی مَآ اَنْھٰکُمْ عَنْہُ ط اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ط وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہِ ط عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ ○	اے قوم دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل روشن پر ہوں اور اس نے اپنے یہاں سے مجھے نیک روزی دی ہو (تو کیا میں اس کے خلاف کرونگا؟) اور میں نہیں چاہتا کہ جس امر سے تمہیں روکوں خود اس کو کرنے لگوں، میں تو جہاں تک مجھ سے ہو سکے تمہاری اصلاح چاہتا ہوں اور (اس بارے میں) مجھے توفیق

کاملنا خدا ہی کے (فضل) سے ہے میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ (ھود ۸۸)

حضرت موسیٰؑ نے بھی فرعون سے سب سے پہلی بات یہی کہی تھی کہ:

يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ حَقِيْقٌ عَلٰۤى اَنْ لَّاۤ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ

اے فرعون میں رب العالمین کا پیغمبر ہوں مجھ پر واجب ہے کہ خدا کی طرف سے جو کچھ کہوں سچ کہوں میں تیرے پاس پروردگار کی طرف سے روشن (دلیلیں) لے کر آیا ہوں۔

(اعراف ۱۰۴، ۱۰۵)

حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا:

اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ (آل عمران ۴۹)

میں تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے روشن نشانی لے کر آیا ہوں۔

خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کفار و معاندین جو تکذیب کرتے تھے اس کی وجہ یہ بیان کی گئی

اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ (انعام ۱۴۸)

اصل یہ ہے کہ تم پیروی نہیں کرتے مگر محض گمان کی اور تم (اپنی باتوں میں) اس کے سوا کچھ نہیں کہ بے سمجھے بوجھے باتیں بناتے ہو۔

اور

اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ○ (بقرہ ۷۸)

اور وہ صرف ظن سے کام لیتے ہیں۔

اور آپ کو یہی ارشاد فرمانے کا حکم ہوا،

قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ (انعام ۵۷)

تم کہو، بلاشبہ میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی اور حجت پر ہوں (یعنی اس نے حقیقت اور یقین کی راہ مجھے دکھا دی ہے) اور تم نے اسے جھٹلایا ہے۔

اور بالآخر آپ نے واضح طور پر اعلان فرمادیا:

قَدْ جَآءَکُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّکُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا ۭ وَمَآ اَنَا عَلَیْکُمْ بِحَفِیْظٍ ○ (انعام ۱۰۴)	تمہارے پاس، پروردگار کی طرف سے (روشن) دلیلیں پہنچ چکی ہیں تو جس نے (انکو آنکھ کھول کر) دیکھا اُس نے اپنا بھلا کیا اور جو اندھا بنا رہا اُس نے اپنے حق میں بُرا کیا اور میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں۔

بشریتِ انبیاء قوموں کی ایک قدیم گمراہی یہ بھی رہی ہے کہ مخالفین و موافقین دونوں نے بشریت انبیاء کے معاملہ میں ٹھوکر کھائی ہے اور حق سے دُور جا پڑے ہیں، مخالفین کا تو یہ خیال رہا کہ ایک انسان جو ہماری طرح کا آدمی ہے، کھاتا پیتا ہے، چلتا پھرتا ہے سوتا جاگتا ہے، خدا کا نبی اور رسول کیسے ہوسکتا ہے اس میں آخر کیا اختصاص ہے جس کی بنا پر اس کا یہ دعویٰ قابل قبول ہو اس مقصد کے لیے تو فرشتوں کو آنا چاہیے تھا یا خود خدا آتا، سورۂ بنی اسرائیل میں ہے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓی اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ○ (بنی اسرائیل ۹۴)	اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آگئی تو ان کو ایمان لانے سے کوئی چیز مانع نہ ہوئی مگر یہ کہنے لگے کہ کیا خدا نے آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے؟

اور موافقین، جوشِ عقیدت یا پھر ضعیف الاعتقادی کی بنا پر اس قدر آگے بڑھے کہ اپنے ہادی اور پیغمبر کو یا تو ہندوؤں کی طرح خدا یا خدا کا اوتار بنا ڈالا، یا پھر یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح اس کو خدا کا ہم پلہ اس کا بیٹا اور اس کا شریک سمجھ بیٹھے، یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ خدا کا ہر سچا نبی اور پیغمبر اس معاملہ کو واضح کرتا ہوا آیا تاکہ اس غلط فہمی کا ابطال اور اس گمراہی کا تدارک ہوسکے،

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:

وَلَآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ	اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب جانتا

مَلَکٌ ۝ (ھود - ۳۱)
ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں،

بلکہ

وَلٰکِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (اعراف ۶۱)
بلکہ میں (تو صرف) پروردگار عالم کا پیغمبر ہوں۔

حضرت ھود علیہ السلام نے فرمایا:

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَکُمْ ذِکْرٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْکُمْ لِیُنْذِرَکُمْ ط (اعراف ۶۹)
کیا تم کو اس بات سے تعجب ہوا ہے کہ تم میں سے ایک شخص کے ہاتھ تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھارے پاس نصیحت آئی تاکہ وہ تمھیں ڈرائے؟

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا:

اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۝ۙ (شعراء ۱۴۳)
میں تو (صرف) تمھارا امانت دار پیغمبر ہوں۔

حضرت عیسٰی مسیحؑ نے پیدا ہوتے ہی گہوارہ میں سے فرمایا:

اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ ط قف اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۝ۙ (مریم ۳۰)
میں خدا کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا:

اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ (کہف ۱۱۰)
میں تمھاری طرح کا ایک بشر ہوں (مگر) مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے

اور

ھَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل ۹۲)
میں تو صرف ایک پیغام پہنچانے والا انسان ہوں۔

اور

لَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ ؕ (انعام - ۵۰)	میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ (یہ کہ) میں غیب جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو اسی حکم پر چلتا ہوں جو (بذریعہ) وحی میرے پاس آتا ہے۔

اور یہی وہ امتیازی نقطہ ہے جو عام انسانوں کی بشریت اور انبیاء کی بشریت میں فرق مراتب پیدا کرتا ہے بلاشبہ جہاں تک نوع کا تعلق ہے، نبی خدا، یا فرشتہ نہیں ہوتا بشر ہی ہوتا ہے مگر ایسا بشر جو یقیناً اَحْسَنِ تَقْوِيْم ہے، یہی وجہ ہے کہ انبیاء کی بشریت اور عام انسانوں کی بشریت میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے، دنیوی اعتبار سے اس کی ایک ناقص مثال یہ ہے کہ وزیر اعظم اور چپراسی جہاں تک ملازمت کا سوال ہے شاہی ملازم ہیں مگر ہر شخص جانتا ہے کہ ان دونوں کی ملازمت میں کس درجہ فرق ہے، یہی حال انبیاء کا ہے کہ باوجود انسان ہونے کے وہ عام طبقہ انسانی سے بغایت بلند ہوتے ہیں اور ان کی اس رفعت و بلندی کا راز وہی ہے جو قرآن کریم نے ان مختصر سے الفاظ میں مرکوز کر دیا ہے "يُوْحٰۤى اِلَيَّ"

انبیاء کی عصمت آخر میں ایک اور حقیقت کی طرف اشارہ کر دینا بھی ضروری ہے، تمام انبیاء علیہم السلام بنی نوع انسان کے پیشوا تھے، امام تھے، ہادی تھے، رہبر تھے اور زندگی کے لیے اُسوۂ حسنہ تھے۔ سورۂ انبیاء میں اکثر پیغمبروں کے تذکرے کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔

وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ۝ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا (انبیاء ۷۲، ۷۳)	ان میں سے ہر ایک کو ہم نے صالح بنایا اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا کہ ہمارے حکم سے لوگوں کو راہ دکھاتے تھے

سورۂ ممتحنہ میں حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں ہے :

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْۤ	تمہارے لیے اچھا نمونہ ہے ابراہیمؑ کی

اِبْرَاهِیْمَ (ممتحنہ، ۴)	(زندگی) میں

سورۂ احزاب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب ۲۱)	تمہارے لیے عمدہ نمونہ ہے خدا کے رسول (کی ذات) میں

یہ سب خدا کے مخلص بندے تھے:

كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ (انعام ۸۶)	یہ سب صالح تھے

اور صالحین کے متعلق دوسری جگہ تصریح ہے کہ شیطان کو قدرت نہیں کہ ان کو بہکا سکے۔

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ○ (بنی اسرائیل ۶۵)	اور جو میرے مخلص بندے ہیں ان پر تیرا کچھ زور نہیں

اس لیے تمام انبیاء کی عصمت مسلمانوں کے نزدیک مسلّم ہے ایک مسلمان کے لیے خاتم الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی طرح تمام سابق انبیاء اور کتب پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ط كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ قف (بقرہ ۲۸۵)	اور اہل ایمان بھی (ایمان لائے) ہر کوئی، خدا پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا،

وہ کسی نبی میں فرق نہیں کرتا، اس کے تو ایمان کی صدا ہی یہ ہے کہ

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ قف (بقرہ ۲۸۵)	ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے[1]

بنی اسرائیل میں چونکہ ایک پیش گوئی کرنے والے کے علاوہ نبی کا اور کوئی واضح تصور موجود نہیں تھا،

[1] اس حقیقت کا قرآن نے جگہ جگہ اعادہ فرمایا ہے اس سلسلہ میں آیت مندرجہ صدر کے علاوہ سورۂ بقرہ کی آیات ۱۱۵، ۹۸، ۱۳۶، اور ۱۷۷، سورۂ آل عمران کی آیت ۸۴، سورۂ نساء کی آیت ۳۶، اور ۱۵۰، سورۂ مائدہ کی آیت ۵۹، اور سورۂ عنکبوت کی آیت ۴۶ خاص طور پر قابل مراجعت ہیں۔

اس لیے محرفین توراۃ نے اپنے بڑے بڑے جلیل القدر اور اولوالعزم پیغمبروں پر ایسے شرمناک اتہام اور رکیک الزام لگائے ہیں جو عصمت انبیاء کے سراسر منافی ہیں، اس قسم کی اکثر گمراہ کن باتیں ہمارے سادہ لوح قصہ گویوں نے اُڑا لیں اور نادانی میں انھیں زیب داستان بنا ڈالا، وہ بھول گئے کہ یہ مقدس ہستیاں زندگی کی اس اندھیری رات کی بدر و ہلال ہیں جنھوں نے زیست کی ظلمتوں کو نور سے جگمگا دیا، جو قندیل ربانی بن کر چمکے اور دلوں اور روحوں کو ضیا و تابانی بخش گئے، وہ بھول گئے کہ اس رہگزار حیات میں یہ وہ نقش راہ اور سنگ میل ہیں جو زمانہ کی آندھیوں سے بھی دھندلے نہ پڑ سکے اور آج بھی بھولے بھٹکوں کو منزل کا سُراغ دیتے ہیں، وہ بھول گئے کہ یہ وہ منتخب روزگار ہستیاں ہیں جن کے متعلق خدا خود فرماتا ہے:

اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ط (حج: ۷۵)	خدا فرشتوں میں سے اپنے پیغمبر چن کر پسند کرتا ہے اور انسانوں میں سے بھی

وہ بھول گئے ان ہی چنی ہوئی پسندیدہ ہستیوں کی بارگاہ، وہ بارگاہِ ادب ہے کہ

نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ اینجا

انھوں نے کام کی عظمت واہمیت و نزاکت کا اندازہ نہیں کیا، اس سلسلہ میں جس احتیاط، صحت اور تحقیق کی ضرورت تھی، وہ نہیں برتی، انھوں نے نہیں سوچا کہ یہ وہ مقام ہے جہاں بے خیالی اور بے احتیاطی سے ایک غلط لفظ ادا ہو جانے پر،

ہم بسوزم، ہم بسوزد مستمع

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (والصّٰفّٰت ۱۸۰ تا ۱۸۲)	جو کچھ یہ بیان کرتے ہیں تمھارا پروردگار جو صاحب عزت ہے (اس سے) پاک ہے اور پیغمبروں پر سلام ہو سب طرح کی تعریف خدائے رب العالمین کو سزاوار ہے۔

جمیل

انبیائے قرآن

جلد اوّل

(حضرت آدمؑ سے حضرت یوسفؑ تک)
(از ابتداء تا ۱۸۱۷ سنہ قبل مسیح)

مؤلفہ

محمد جمیل احمد ایم اے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً (البقرۃ)

" زمین پر (اللہ کا) نائب "

حضرت آدم علیہ السلام ADAM

آفرینشِ آدم تخلیقِ آدم سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انسان کے رہنے سہنے اور کھانے پینے کا سامان پیدا کیا، پھر آدم کا مادہ تخلیق فرمایا، پھر اس مادہ کو ایسا دلکش نقشہ اور حسین و جمیل صورت عطا کی جو کسی دوسری مخلوق کو عطا نہ کی گئی تھی، پھر اس تصویرِ خاکی کو وہ رُوح اور حقیقت مرحمت ہوئی جس کی بدولت آدم علیہ السلام کا وجود تمام افرادِ انسانی کے وجود پر اجمالاً مشتمل تھا۔

قرآن مجید سورۂ الاعراف میں حضرت آدم کا ذکر اس طرح شروع ہوتا ہے وَلَقَدۡ خَلَقۡنٰکُمۡ ثُمَّ صَوَّرۡنٰکُمۡ (الاعراف رکوع ۲) " پھر ہم نے تم کو پیدا کیا، پھر تمہاری صورتیں بنائیں "

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ مادہ آخر کیا تھا جس سے آدم کو تخلیق فرمایا گیا؟ توراۃ کا بیان ہے کہ

" اور خداوند خدا نے زمین کی مٹی سے انسان کو بنایا اور اس کے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا تو انسان جیتی جان ہوا " (توراۃ ۔ کتاب پیدائش باب ۲ ۔ ۷)

قرآن کہتا ہے وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ۝ (الحجر رکوع ۲) " اور بنایا ہم نے آدمی کو کھنکھناتے، سنے ہوئے گارے سے "

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ (سورۂ رحمٰن رکوع ۱) "بنایا آدمی کو کھنکھناتی مٹی سے جیسے ٹھیکرا۔

اول الذکر آیت کے تحت مولانا شبیر احمد عثمانی تحریر فرماتے ہیں :

"آدمی کی پیدائش کے متعلق یہاں دو لفظ فرمائے "صلصال" (بجنے والی کھنکھناتی مٹی جو آگ میں پکنے سے اس حالت کو پہنچتی ہے (اسی کو دوسری جگہ "کالفخّار" فرمایا) اور "حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ" (سڑا ہوا گارا جس سے بو آتی ہو) خیال یہ ہوتا ہے کہ اول سنے ہوئے گارے سے آدم کا پتلا تیار کیا۔ پھر جب خشک ہو کر اور پک کر کھن کھن بجنے لگا تب مختلف تصورات کے بعد اس درجہ پر پہنچا کہ انسانی روح پھونکی جائے .... حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں مٹی پانی میں تر کی اور خمیر اٹھایا کہ کھن کھن بولنے لگی۔ وہی بدن ہوا انسان کا، اس کی خاصیتیں سختی اور بوجھ اس میں رہ گئیں۔ اسی طرح گرم ہوا کی خاصیت (حدت و خفت) جن کی پیدائش میں رہی۔ راغب اصفہانی نے ایک طویل مضمون کے ضمن میں متنبہ کیا ہے کہ "حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ" اور "طین لازب" وغیرہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ مٹی اور پانی کو ملا کر ہوا سے خشک کیا اور "فخّار" کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ کسی درجہ میں آگ سے پکایا گیا۔ یہ ہی ناری جز آدمی کی شیطنت کا منشاء ہے ...." (فوائد ترجمہ قرآن مجید شیخ الہند صفحہ ۳۴۱)

ابوداؤد اور ترمذی میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو ایک مٹھی خاک سے جو تمام زمین سے لی گئی تھی بنایا ہے، اسی واسطے ان کی نسل میں طرح طرح کے لوگ ہیں گورے، کالے، سانولے، بدمزاج، سخت خو، نرم مزاج، نیک بخت وغیرہ

جب آدم کا پتلہ تیار ہو کر اس قابل ہو گیا کہ اس پر روح انسانی فائز کی جا سکے تو اللہ تعالیٰ نے اس میں روح پھونکی اور وہ زندہ اور جاندار ہو گیا (نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ)

پھر حضرت آدم سے توالد و تناسل کا سلسلہ جاری ہوا۔

نیابتِ الٰہی کا منصب اور فرشتوں کا اظہار تعجب

قرآن کریم میں ہے :

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ج وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ط (البقرۃ رکوع ۴) "اور (وہ وقت یاد کرنے کے لائق ہے) جب تمھارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔ انھوں نے کہا کیا تو اس میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے اور کشت و خون کرتا پھرے اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں۔"

ہمارے مفسرین بتاتے ہیں کہ زمین پر تخلیق آدم سے پہلے صرف جنات رہتے تھے انھوں نے طرح طرح کے فساد کیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ایک گروہ کو ان کی تنبیہ کے لیے زمین پر بھیجا۔ اب آدم کی تخلیق کا حال سن کر فرشتوں نے اسی قیاس پر یہ بات کہی تھی کہ جنات کی طرح بنی آدم بھی زمین میں فساد پھیلائیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یہ بات جتلادی تھی کہ بنی آدم جو زمین پر پیدا کیے جاتے ہیں وہ زمین میں فساد پھیلائیں گے۔ بہرحال فرشتوں کا یہ سوال، وہ قیاس کی بنا پر ہو، علم کی بنا پر ہو یا قیافہ کی بنا پر، بطور استفادہ تھا، اعتراض نہیں تھا۔

اس کا اجمالی جواب بارگاہِ ایزدی سے یہ صادر ہوا:

قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (البقرۃ رکوع ۴)	فرمایا، بے شک مجھ کو معلوم ہے جو تم نہیں جانتے۔

حضرت آدمؑ کی فضیلتِ علمی کا اظہار اور ملائکہ کو حکمِ سجود

اب چونکہ حضرت آدمؑ کی خلافت و نیابت فضیلت کی کچھ حکمتیں ملائکہ پر ظاہر کرنا مقصود تھیں اس لیے

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (البقرہ رکوع ۴)	اور اللہ نے آدمؑ کو سب چیزوں کے نام سکھلا دیے۔

یعنی تمام دنیوی علوم وفنون کے ممکنات اور تمام اشیاء کی حقیقت و خاصیت ان کے دل میں بلاواسطہ کلام الٰہی القاء فرما دیے کیونکہ اس کمال علمی کے بغیر خلافت اور دنیا پر حکومت ممکن نہ تھی۔ اس کے بعد ملائکہ کو اس حکمت پر مطلع کرنے کی غرض سے ان سے امور مذکورہ کی بابت سوال کیا گیا کہ اگر تم اپنی بات میں کہ تم بطور احسن کار خلافت انجام دے سکتے ہو سچے ہو تو ان اشیاء کے نام اور احوال بیان کرو لیکن انھوں نے اپنے عجز و قصور کا اعتراف کیا اور عرض کیا:

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ○ (البقرہ ۳۲)

"تو پاک ہے۔ جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے اس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ بیشک تو ہی اصل حکمت کو جاننے والا ہے۔"

اس کے بعد حضرت آدم سے تمام اشیائے عالم کی نسبت سوال ہوا اور انھوں نے فی الفور سب امور ملائکہ کے سامنے بیان کر دیے۔ ارشاد ہوا:

اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ○ (البقرہ ۳۳) "کیوں میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی (سب) پوشیدہ باتیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو پوشیدہ کرتے ہو مجھ کو (سب) معلوم ہے۔

یہ تھا فرشتوں کے سوال کا بارگاہ ایزدی کی طرف سے تفصیلی جواب

اس سلسلہ میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب لکھتے ہیں:

"اس سے علم کی فضیلت عبادت پر ثابت ہوئی۔ دیکھیے عبادت میں ملائکہ اس قدر بڑھے ہوئے ہیں کہ معصوم مگر علم میں چونکہ انسان سے کم ہیں اس لیے مرتبہ خلافت انسان ہی کو عطا ہوا اور ملائکہ نے بھی اس کو تسلیم کر لیا اور ہونا بھی یوں ہی چاہیے کیونکہ عبادت تو خاصہ مخلوقات ہے خدا کی صفت نہیں، البتہ علم خدائے تعالیٰ کی صفت اعلیٰ ہے اس لیے قابل خلافت بھی ہوئے کیونکہ ہر خلیفہ میں اپنے مستخلف عنہ کا کمال ہونا ضروری ہے۔"[۱]

---

[۱] ابو داؤد و ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ یعنی عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر۔

حدیث سے بھی عبادت پر علم کی فضیلت ثابت ہے :

آدم کی اس فضیلت کے اظہار و اثبات کے بعد فرشتوں کو حکم ہوا کہ خلیفۃ اللہ کو تعظیمی سجدہ بجا لائیں اور تمام ملائکہ نے فی الفور تعمیل حکم کی

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا (البقرۃ ع ۴) اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو وہ سب سجدے میں گر پڑے۔

ابلیس کا انکار و اخراج صرف ایک ابلیس تھا جس نے حکم الٰہی سے سرتابی کی جراءت کی اور آدم کو سجدہ نہیں کیا۔ ارشاد باری ہوا۔

مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ط (الاعراف ع ۲-آیت ۱۲) "جب میں نے تجھ کو حکم دیا تو کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے باز رکھا؟"

ابلیس نے جواب دیا :

اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ج (الاعراف ۱۲) "میں اس سے افضل ہوں"

کیونکہ،

خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ○ (الاعراف ۱۲) "مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے بنایا ہے"۔

ابلیس نے غرور و تکبر کی بنا پر عدول حکمی کی، اس کی نظر آدم کی مادی ساخت پر گئی لیکن نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ کے راز تک نہ پہنچ سکی- آخر اس اباء و استکبار کی بنا پر مردود و مقہور بارگاہ قرار دیا گیا اور جس آگ سے پیدا ہونے پر اس نے فخر کیا تھا وہی اس کی ابدی ہلاکت قرار دی گئی حکم ہوا

فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ (الاعراف ۱۳)

"تو اتر جا یہاں سے، تجھے شایاں نہیں کہ یہاں تکبر کرے پس نکل جا، تو ذلیل ہے"۔

ہمارے مفسرین نے مٹی کو آگ سے افضل ثابت کرنے میں بڑی طویل بحثیں کی ہیں اور بتایا ہے کہ ابلیس نے مادی عنصری لحاظ سے جو اپنی تفضیل کا دعویٰ کیا وہ غلط تھا چنانچہ حافظ شمس الدین ابن القیم

نے بدائع الفوائد میں پندرہ وجوہ سے مٹی کا آگ سے افضل ہونا ثابت کیا ہے لیکن ہمارے نزدیک یہاں مٹی یا آگ کی تفضیل کا سوال نہیں تھا اس لیے کہ تفضیلت تو اسی کی ہے جس کو خدا بخشے، یہاں تو سوال تھا آدم کی اس فضیلت کا جو نفخت فیہ من روحی کی بنا پر ان کو عطا ہوئی تھی اور اس سے بھی بڑھ کر اس حکم الٰہی کا جو سجود آدم کے لیے صادر ہوا تھا۔ ابلیس نے اس حکم الٰہی سے سرتابی کی تھی اور تکبر و غرور کی بنا پر کی تھی جس کی سزا میں وہ ہمیشہ کیلیے رجیم ولعین اور مردود و مقہور قرار پایا۔

مردودِ بارگاہ ہونے پر ابلیس کا آدم سے اعلانِ انتقام

قرآن مجید میں ہے کہ ابلیس نے اس کے بعد بارگاہِ ایزدی میں گذارش کی کہ

اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ (الاعراف ۱۴) "مجھے اس دن تک مہلت عطا فرمایا جس دن لوگ (قبروں سے) اٹھائے جائیں گے"۔

باوجود اس قہر و غضب کے جو اس کی سرکشی کی بنا پر ابھی ابھی اس پر نازل ہوا تھا اس کی استدعا مقبول ہوئی اور ارشاد ہوا :

اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ (الاعراف ۱۵) "تجھ کو مہلت دی جاتی ہے"۔

ابلیس نے جو آدم کی بدولت اس درجہ کو پہنچا تھا اب اس سے دشمنی کرنے اور انتقام لینے کا اعلان کیا اور کہا :

فَبِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِیْمَ ۙ ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَیْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآىِٕلِهِمْ ؕ وَ لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِیْنَ ۔ (الاعراف ۱۶ و ۱۷)

مجھے تو تو نے ملعون کیا ہی ہے، میں بھی تیرے سیدھے راستے پر (ان کو گمراہ کرنے کیلیے) بیٹھوں گا، پھر ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے (غرض ہر طرف سے) آؤں گا، اور تو ان میں سے اکثر کو شکرگذار نہیں پائے گا[1]

---

[1] اس وقت یہ ابلیس لعین کا تخمینہ تھا جو بالآخر صحیح نکلا وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَیْهِمْ اِبْلِیْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (السبا - ۲۰) اور ابلیس نے ان کے بارے میں اپنا خیال سچ کر دکھایا کہ مومنوں کی ایک جماعت کے سوا وہ اس کے پیچھے چل پڑے

رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ○ (الحجر ۳۹، ۴۰)

اے رب جیسا تو نے مجھے راستہ سے الگ کیا ہے میں بھی زمین میں لوگوں کے لیے (گناہوں کو) آراستہ کر کے دکھاؤں گا اور سب کو بہکاؤں گا سوائے تیرے مخلص بندوں کے۔

ارشاد ہوا :

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ (الاعراف ۱۸)

فرمایا، نکل جا یہاں سے پاجی، مردود، جو لوگ ان میں سے تیری پیروی کریں گے میں (ان کو اور تجھ کو جہنم میں ڈال کر) تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔

ابلیس کو مہلت کیوں عطا ہوئی؟

یہاں سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ بالآخر اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس امر کی اجازت ہی کیوں دی۔ اس کا جواب مولانا شبیر احمد عثمانی نے بڑی خوبی سے دیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں :

"جب حکمت الٰہیہ مقتضی ہوئی کہ حق تعالیٰ اپنی صفات کمالیہ و شہنشاہانہ عظمت و جبروت کا مظاہرہ کرے تو اس نے عالم کو پیدا فرمایا۔ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا[1] (الطلاق۔ رکوع ۲) یعنی زمین و آسمان کی تخلیق اور ان کے کل نظم و نسق سے مقصود یہ ہے کہ خدا کی قدرت کاملہ اور علم محیط وغیرہ صفات کی معرفت لوگوں کو حاصل ہو اسی معرفت الٰہیہ کو آیت وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ میں بعض سلف کی تفسیر کے موافق عبادت سے تعبیر فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ تخلیق عالم سے یہ غرض بوجہ اتم جب ہی پوری ہو سکتی ہے کہ مخلوقات میں اس کی ہر قسم کی صفات و کمالات کا اظہار ہو اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ عالم میں مطیع و وفادار اور باغی و مجرم ہر قسم کی مخلوق موجود

---

[1] خدا ہی تو ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور ویسی ہی زمینیں۔ ان میں (خدا کے) حکم اترتے رہتے ہیں تاکہ تم لوگ جان لو کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ خدا اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے"۔

ہو نیز اعداء اللہ کو پوری زور آزمائی اور ان کے پیدائشی اختیار و قوت کے تمام وسائل استعمال کرنے کی آخری حد تک مہلت و آزادی دی جائے۔ پھر انجام کار حکومت الٰہیہ کا لشکر غالب ہو، دشمن اپنے کیفر کردار کو پہنچیں اور بعد امتحان آخری کامیابی دوستوں کے ہاتھ رہے۔ اس کے بدون کل صفات کمالیہ کے ظاہر ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ پس خیر و شر اور منبع خیر و شر کا پیدا کرنا اسی حکمت سے ہے کہ جو غرض تخلیق عالم کی ہے یعنی "صفات کمالیہ کا مظاہرہ" وہ بغیر اس کے پوری نہ ہوسکتی تھی۔ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۙ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۭ[1] (ھود۔ رکوع ۱۰) اس لیے ضروری ہوا کہ عدو اکبر ابلیس لعین کو جو منبع شر ہے پوری مہلت دی جائے کہ وہ تا قیام قیامت اپنے قوی و وسائل کو جی کھول کر استعمال کرے لیکن یہ چیز ظاہر ہے کہ براہ راست اس محیط کل اور فعال مطلق کے مقابلہ پر ممکن نہ تھی اس لیے ضروری ہوا کہ خدا کی طرف سے بطور نیابت و خلافت ایک ایسی مخلوق مقابلہ پر لائی جائے جس سے ابلیس لعین کو آزادی کے ساتھ جنگ آزمائی کا موقع مل سکے۔ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا[2] (بنی اسرائیل رکوع ۷) اور پھر جب تک وہ مخلوق حق نیابت اور وظیفہ خلافت ادا کرتی رہے، خالص شاہی فوج (ملائکہ) سے اس کو کمک پہنچائی جائے اور باوجود ضعف و قلت کے اپنے فضل و رحمت سے انجام کار دشمنوں کے مقابلہ میں مظفر و منصور کیا جائے پس خوب سمجھ لو کہ یہ زمین ابلیس اور آدم کا میدان جنگ ہے اور چونکہ پوری طرح جان توڑ مقابلہ اسی وقت ہو سکتا تھا کہ دونوں حریف ایک دوسرے سے خار کھائے ہوئے ہوں اس لیے تکوینًا دو صورتیں ایسی پیش آگئیں جن سے ہر ایک کے دل میں دوسرے کی دشمنی جاگزین ہو جائے۔ ابلیس آدم کو سجدہ نہ کرنے کی بنا پر نیچے گرایا گیا اور آدم علیہ السلام کو ابلیس کی وسوسہ اندازی کی بدولت جنت سے علیحدہ ہونا پڑا۔ ان واقعات سے

---

[1] اور اگر تمھارا پروردگار چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی جماعت کر دیتا، لیکن وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے مگر جن پر تمھارا پروردگار رحم کرے اور اسی لیے اس نے ان کو پیدا کیا ہے۔"

[2] اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کو چڑھا کر لا اور ان کے مال اور اولاد میں شریک ہوتا رہ اور ان سے وعدے کرتا رہ اور شیطان جو وعدے ان سے کرتا ہے سب دھوکا ہے۔"

ہر ایک کے دل میں دُوسرے کی عداوت کی جڑ قائم ہو کر معرکۂ کارزار گرم ہو گیا" (فوائد ترجمہ قرآن مجید شیخ الہند صفحہ ۱۹۶ و ۱۹۷)

ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرما دیا تھا کہ:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِیْنَ (الحجر - ۴۲)	جو میرے (مخلص) بندے ہیں ان پر تجھے کچھ قدرت نہیں (کہ ان کو گناہ میں ڈال سکے) ہاں بدراہوں میں سے جو تیرے پیچھے چل پڑے۔

اور یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ:

اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ (الاعراف ۲۷) "ہم نے شیطانوں کو ان ہی لوگوں کا رفیق بنایا ہے جو ایمان نہیں رکھتے"

مقامِ عبرت پھر کیسی عبرت کا مقام ہے کہ آج اولادِ آدم اپنے رب کی جگہ اسی دشمن ازلی کو اپنا رفیق و خیر خواہ اور مددگار بنا رہی ہے! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّیَّتَهٗٓ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِیْنَ بَدَلًا۔ (الکہف ۵۰)	کیا اب تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں اور (شیطان کی دوستی) ظالموں کے لیے (خدا کی دوستی) کا بُرا بدل ہے۔

ابلیس کون تھا؟ قرآن مجید نے بتایا ہے کہ ابلیس جنات میں سے تھا اور اس کی بغاوت و سرتابی کی وجہ بھی یہی تھی:

كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ (الکہف ۵۰)	"وہ جنات میں سے تھا، سو نکل بھاگا اپنے رب کے حکم سے"

جنّ آگ سے پیدا کیے گئے ہیں:

وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝ (رحمٰن ۱۵)	اور پیدا کیا جنات کو آگ کے شعلے سے"

دوسری جگہ ہے :

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ (الحجر ۲۷)	"اور جنوں کو اس سے پہلے بے دھوئیں کی آگ سے پیدا کیا تھا"

اور ابلیس نے اپنے انکار و استکبار کی وجہ بھی یہی پیش کی تھی کہ

خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝ (الاعراف ۱۲)	"مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے بنایا ہے"

ہمارے مفسرین نے بتایا ہے کہ دنیا میں آفرینش آدم سے ہزاروں سال پہلے جنات متصرف تھے اور آسمان پر بھی ان کی آمد و رفت تھی۔ جب ان کا فساد اور خونریزی بڑھی تو ملائکہ کو ان کی سرکوبی کے لیے بھیجا گیا۔ ابلیس ان میں بہت بڑا عالم اور عابد تھا۔ اس نے جنات کے فساد سے اپنی بے تعلقی کا اظہار کیا اور فرشتوں کی سفارش سے بچ گیا اور کثرت عبادت کی وجہ سے زمرۂ ملائکہ میں شامل ہو گیا مگر برابر خلافت ارض کی طمع میں لگا رہا جب خلافت کے لیے حکم الٰہی آدم کے لیے صادر ہوا تو ابلیس برداشت نہ کر سکا اور نص صریح قاطع کو محض رائے و ہوی سے رد کر دینے کے جرم میں ہمیشہ کے لیے مرتبۂ قرب سے دور کر دیا گیا۔

توراۃ میں حضرت آدم کی پیدائش کے بعد ان کا جنت میں سکونت پذیر ہونا اور سانپ کا حضرت حوا کو پھسلا کر بہکا دینا مذکور ہے مگر خلافت ارضی، سجود آدم اور ابلیس کے انکار و اخراج کے تذکرہ سے توراۃ بالکل خاموش ہے۔

حضرت حوّا قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حوّا، حضرت آدم سے پیدا کی گئیں تاکہ ان کو تسکین و راحت ہو :

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ج (الاعراف ۱۸۹)	"وہ خدا ہی تو ہے جس نے تم کو ایک نفس سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ اس سے راحت حاصل کرے"

صحیح بخاری کتاب الانبیاء میں حضرت ابوہریرۃ رضؓ کی ایک حدیث میں حضور صلعم کا یہ ارشاد ملتا ہے کہ عورت پسلی سے پیدا ہوئی ہے۔

توراۃ کا بیان ہے:

"اور خداوند خدا نے آدم پر گہری نیند بھیجی اور وہ سو گیا اور اس نے اس کی پسلیوں میں سے ایک کو نکال لیا اور اس کی جگہ گوشت بھر دیا اور خداوند خدا اس پسلی سے جو اس نے آدم میں سے نکالی تھی ایک عورت بنا کر آدم کے پاس لایا اور آدم نے کہا کہ یہ تو اب میری ہڈیوں میں سے ہڈی اور میرے گوشت میں سے گوشت ہے اس لیے وہ ناری کہلائیگی کیونکہ وہ نر سے نکالی گئی۔ اس واسطے مرد اپنے ماں باپ کو چھوڑے گا اور اپنی بیوی سے ملا رہے گا اور وہ ایک تن ہوں گے۔" (توراۃ۔ کتاب پیدائش باب ۲ ۲۱ تا ۲۴)

حضرت آدم کا پہلا مسکن اس کے بعد حضرت آدم اور حضرت حوا کو "جنت" میں آباد کر دیا گیا اور ہر چیز کے کھانے پینے کی آزادی دی گئی لیکن صرف ایک درخت تھا جس کے پاس جانے سے منع کر دیا گیا تھا،

ارشاد ہوا:

یٰاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ (الاعراف ۱۹)	اے آدم، تم اور تمھاری بیوی بہشت میں رہو سہو، اور جہاں سے چاہو کھاؤ پیو، مگر اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ گنہ گار ہو جاؤ گے۔

ساتھ ہی ساتھ یہ تنبیہ بھی فرما دی گئی کہ

يٰاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى (طٰهٰ ۱۱۷)	اے آدم! یہ (ابلیس) تمھارا اور تمھاری بیوی کا دشمن ہے، تو کہیں تم دونوں کو بہشت سے نہ نکلوا دے پھر تم تکلیف میں پڑ جاؤ۔

شجر ممنوعہ یہ "شجر ممنوعہ" کونسا تھا؟ اس کے متعلق ہمارے مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں مگر

زیادہ تر اتفاق اس امر پر ہے کہ یہ گیہوں کا درخت تھا لیکن توراۃ بتاتی ہے کہ نہیں، یہ خیر و شر کی تمیز کا درخت تھا۔

"اور خداوند خدا نے آدم کو حکم دیا اور کہا کہ تو باغ کے ہر درخت کا پھل بے روک ٹوک کھا سکتا ہے لیکن نیک و بد کی پہچان کے درخت کا پھل کبھی نہ کھانا کیونکہ جس روز تو نے اس میں سے کھایا تو مرا" (توراۃ۔ کتاب پیدائش باب ۲، ۱۶ و ۱۷)

حضرت آدمؑ کی بہشتی زندگی

یہ جنت کی زندگی کیسی تھی؟ اس کا ذکر بھی قرآن مجید نے کیا ہے۔ کھانا، پینا، پہننا اور رہنے کی جگہ جہاں گرمی اور پانی کا بچاؤ ہو، یہی چیزیں انسانی زندگی کے لیے باعث فکر و الم ہیں، وہ زندگی اس قسم کے افکار و آلام سے پاک تھی، گویا حیات راحت ہی راحت اور سکون ہی سکون تھی، غم حیات اور غم روزگار اس میں نہ تھا،

اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ۝ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ۝ (طٰہٰ ۱۱۸، ۱۱۹)	یہاں تم کو یہ (آسائش) ہے کہ نہ بھوکے رہو نہ ننگے اور یہ کہ نہ پیاسے رہو اور نہ دھوپ کھاؤ۔

یہ جنت کہاں تھی؟

قرآن مجید نے پیدائش آدم کے بعد ان کا جنت میں ٹھہرنے کا ذکر کیا ہے اس جنت کے مقام کے تعین میں ہمارے علماء کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ، ابوالقاسم بلخیؒ، ابن قتیبہؒ اور ابو مسلم اصفہانیؒ کا قول ہے کہ یہ جنت زمین پر ہی تھی۔ دیگر مفسرین نے اسے آسمان پر بتایا ہے۔ ان میں سے بعض کا قول ہے کہ یہ جنت جنت خلد سے الگ تھی، بعض نے اسے جنت خلد ہی بتایا ہے[1]۔ توراۃ سے پہلے نظریہ کی تائید ہوتی ہے۔ توراۃ نے اس کا مقام زمین پر ہی بتایا ہے، توراۃ میں ہے :

"اور خداوند خدا نے مشرق کی طرف عدن میں ایک باغ لگایا اور انسان کو جسے اُس نے بنایا تھا وہاں رکھا" (توراۃ۔ کتاب پیدائش باب ۲، ۸)

توراۃ نے اس جنت کے دریا کی چار شاخوں کے نام بھی لیے ہیں جو یہ ہیں فیسون، جیحون، دجلہ اور فرات (پیدائش باب ۲۔ ۱۰ تا ۱۴)

---

[1] رحمۃ للعالمین جلد دوم صفحہ ۲۹ ملخصاً از ہدایۃ السائل مؤلفہ نواب صدیق حسن خان مرحوم

لیکن لغزش آدم کے بعد ان کے جنت سے نکالے جانے کے تذکرہ میں قرآن نے "ہبوط" کا لفظ استعمال فرمایا ہے (قَالَ اهْبِطُوْا یعنی (خدا نے) فرمایا (تم بہشت سے) اُترجاؤ") اس سے قیاس ہوتا ہے کہ غالباً یہ جنت دنیا میں نہیں عالم بالا ہی میں ہو گی۔

ابلیس کی وسوسہ اندازی

توراۃ میں ہے کہ سانپ نے حضرت حوا کو بہکا اور پھسلا کر شجر ممنوعہ کا پھل کھانے پر تیار کر دیا اور ان کے کہنے سے حضرت آدم نے وہ پھل کھایا۔ توراۃ نے اس سلسلہ میں ابلیس کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے، مگر قرآن نے بتایا ہے کہ یہ وسوسہ اندازی ابلیس نے کی گویا یہ اس انتقامی کارروائی کی ابتدا تھی جس کا وہ پہلے ہی اعلان کر چکا تھا، چنانچہ

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَ قَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ○ وَقَاسَمَهُمَاۤ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ (الاعراف ۲۰، ۲۱)

پس شیطان دونوں کو بہکانے لگا تاکہ ان کے ستر کی چیزیں جو ان سے پوشیدہ تھیں کھول دے اور کہنے لگا کہ تم کو تمھارے پروردگار نے اس درخت سے صرف اس لیے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا زندہ جاوید نہ ہو جاؤ، اور ان سے قسم کھا کر کہا کہ میں تو تمھارا خیر خواہ ہوں"۔

غرض دونوں اس خدا کی قسم کھا کر خیر خواہی جتانے والے دشمن کے فریب میں آ گئے اور تنبیہ الٰہی کو بھول کر اس درخت کا پھل کھا لیا نتیجہ یہ ہوا کہ بہشتی لباس ان کے جسموں سے اتر گیا اور ان کے ستر ان پر کھل گئے اور دونوں جنت کے پتوں سے اپنے جسموں کو ڈھانکنے لگے۔ بہر حال نتیجہ یہ ہوا کہ

وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى (طٰهٰ ۱۲۱)

اور خلاف ورزی کی آدم نے پس وہ راہ سے بھٹک گئے۔

ہبوط آدم اور لغزش کی معافی

فی الفور بارگاہ ایزدی سے ارشاد ہوا:

اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ

کیا میں نے تم کو اس درخت (کے پاس جانے) سے منع نہیں کیا تھا اور جتا نہیں دیا تھا کہ شیطان تمھارا

(الاعراف ۲۲) | صریح دشمن ہے۔

اور اس لغزش کی پاداش میں حکم دیا گیا

وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ (البقرۃ ۳۶ و الاعراف ۲۴)	تب ہم نے حکم دیا کہ (بہشت بریں سے) اُتر جاؤ تم ایک دُوسرے کے دشمن ہو اور تمھارے لیے زمین میں ایک وقت تک ٹھکانا اور معاش ہے۔

توراۃ میں ہے:

"اور آدم سے اس نے کہا چونکہ تو نے اپنی بیوی کی بات مانی اور اس درخت کا پھل کھایا جس کی بابت میں نے تجھے حکم دیا تھا کہ اسے نہ کھانا اس لیے زمین تیرے سبب سے لعنتی ہوئی مشقت کے ساتھ تو اپنی عمر بھر اس کی پیداوار کھائے گا"

(کتاب پیدائش باب ۳ : ۱۷)

توراۃ صرف حضرت آدمؑ کی لغزش اور اس کی پاداش کا ذکر کر کے خاموش ہو گئی ہے۔ توراۃ ان امور پر کوئی روشنی نہیں ڈالتی کہ یہ لغزش حضرت آدم سے کیوں اور کس طرح ہوئی۔ خدا نے ان کا یہ جرم معاف بھی کیا یا نہیں اور خدا کی بارگاہ میں ان کی کوئی فضیلت اور بندگی بھی ہے یا نہیں؟ لیکن قرآن نے ان میں سے ہر ایک سوال کا جواب دیا ہے۔ قرآن نے تصریح کی ہے کہ شیطان نے دھوکا دے کر ان کو اس لغزش کی طرف مائل کیا تھا:

فَدَلَّاهُمَا بِغُرُورٍ (الاعراف ۲۲)	پس دھوکا دے کر ان کو (معصیت کی طرف) کھینچ لیا۔

قرآن نے بتایا کہ پھل کھاتے وقت وہ اللہ کے حکم کو بھول گئے تھے اور اس لیے ان سے یہ لغزش بالارادہ نہیں نادانستہ سرزد ہوئی:

وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ۔ (طٰہٰ ۱۱۵)	اور ہم نے آدم سے عہد لیا تھا۔ مگر وہ بھول گئے۔

اور پھر حضرت آدم مدت دراز تک اپنی لغزش پر ندامت کے آنسو بہاتے رہے اور توبہ و استغفار کرتے رہے تو بالآخر:

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى (طٰهٰ ۱۲۲)	پھر اُن کے پروردگار نے ان کو نوازا، پھر متوجہ ہوا ان پر اور ان کی ہدایت فرمائی

چنانچہ

فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (البقرة ۳۷)	پھر آدم نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات سیکھ لیے پھر متوجہ ہو گیا اللہ اُن پر، بے شک وہی توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔

اور وہ کلمات جن سے حضرت آدم کی توبہ قبول ہوئی یہ تھے:

رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ (الاعراف ۲۳)	اے پروردگار، ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا تو ہم زیاں کار ہو جائیں گے۔

اس پر خطا تو معاف ہو گئی مگر حکم ہبوط جو صادر ہو چکا تھا قائم رہا اور

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (البقرة ۳۸، ۳۹)	ہم نے فرمایا کہ تم سب یہاں سے اُتر جاؤ۔ جب تمھارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو (اُس کی پیروی کرنا) جنھوں نے میری ہدایت کی پیروی کی ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے اور جنھوں نے (اس کو) قبول نہ کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ دوزخ میں جانیوالے ہیں، وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

اور ساتھ ہی ساتھ قرآن نے یہ کہہ کر حضرت آدم کی بزرگی اور برگزیدگی کا بھی اعلان فرما دیا کہ

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ (آل عمران ۳۳)	خدا نے منتخب فرمایا تھا آدم کو

گناہ ابلیس اور گناہ آدم کا امتیازی نقطہ گناہ کا صدور اور حکم الٰہی کی خلاف ورزی کا ارتکاب

ابلیس سے بھی ہوا اور حضرت آدم سے بھی، لیکن ایک اس گناہ کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے مردود و مقہور بارگاہ قرار دیا گیا اور دوسرے کی خطا معاف کی گئی، ان کو ہدایت کی توفیق عطا فرمائی گئی اور انھیں رحمتِ خصوصی سے نوازا گیا اس لیے ضروری ہے کہ یہاں ابلیس اور آدمؑ کے گناہ کا امتیازی پہلو سمجھ لیا جائے۔

گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تکبر نفس کی بنا پر اور ایک خواہش نفس کی بنا پر۔ پہلا گناہ ناقابل معافی ہے لیکن دوسرا گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ ابلیس جس گناہ کا مرتکب ہوا تھا وہ تکبر نفس کی بناء پر تھا۔ وہ ناری الاصل تھا، اپنی اصل کی طرف جھکا اور تکبر و تعلی اور اباء و استکبار کی وجہ سے بالآخر ہمیشہ کے لیے رحمت الٰہی سے محروم ہو گیا۔

اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ (البقرہ ۳۴)	انکار کیا اور تکبر کیا اور کافر ہو گیا۔

اس کے برخلاف حضرت آدم کا گناہ خواہش نفس کی بنا پر صادر ہوا تھا۔ آپ سے جب غلطی سرزد ہوئی تو عنصر خاکی نے خدا کے آگے فروتنی اور خاکساری کی راہ اختیار کی۔ انھوں نے ندامت کے ساتھ اپنے گناہ کا اقرار و اعتراف کیا اور رحمت الٰہی کو پکارا تو اس کی رحمت نے خود بڑھ کر ان کو نوازا۔

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَیْهِ وَ هَدٰی (طٰہٰ ۱۲۲)	پھر نوازا ان کو ان کے رب نے، پھر متوجہ ہوا ان پر اور راہ پر لایا

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو گناہ غرور نفس کی بنا پر ہوتے ہیں وہ قابل معافی نہیں ہوتے اور غالباً یہی نکتہ ہے جس کی بنا پر حدیث میں آیا ہے کہ جس کے دل میں رائی برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا

حضرت آدمؑ کی عمر | توراۃ کی تصریح کے مطابق حضرت آدم نے ۹۳۰ سال کی عمر پائی۔

قد | صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ کی ایک حدیث میں آپ کا قد "ساٹھ ہاتھ" بتایا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نہایت طویل القامت تھے۔

شب معراج میں حضور صلعم سے ملاقات | شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے آسمان پر حضرت آدم سے ملے تھے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ م (المائدہ ۲۷)
اور سُنا دو ان کو صحیح حالات آدم کے دو بیٹوں کے

اولادِ آدم

حضرت آدم علیہ السلام

شیثؑ	ہابیل	قابیل
SETH	ABEL	CAIN

حضرت آدم کی متعدد اولادوں میں تورات میں صرف تین بیٹوں کے نام مذکور ہیں (۱) قابیل یا تورات کی زبان میں قائن (Cain) (۲) ہابیل یا تورات کے الفاظ میں ہابل (Abel) اور (۳) شیث یا تورات کے تلفظ میں سیت (Selhe)

قابیل و ہابیل دنیا میں پہلا خونِ ناحق

ان میں سے پہلے دو بیٹوں قابیل و ہابیل کا واقعہ تورات میں کتاب پیدائش باب ۴ میں اور قرآن مجید میں سورہ مائدہ کے پانچویں رکوع میں مذکور ہے۔ تورات کے بیان کا خلاصہ یہ ہے :

" قائن کا پیشہ زراعت اور ہابل کا چوپانی تھا۔ دونوں نے بارگاہِ الٰہی میں نذر گذرانی۔ قائن اپنے کھیت کے کچھ پھل لایا اور ہابل اپنی بکریوں کے کچھ پہلوٹھے بچے اور ان کی چربی۔ ہابل کی نذر مقبول ہوئی اور قائن کی نامقبول۔ اس پر قائن نہایت

غضب ناک ہوا اور اس نے اپنے بھائی ہابل کو قتل کر ڈالا۔ بارگاہِ ایزدی سے ارشاد ہوا کہ اب تو زمین کی طرف سے لعنتی ہوا، اب زمین سے تیری محنت کا پورا پھل تجھے نہیں ملے گا اور زمین پر تو خانہ خراب اور آوارہ رہے گا۔ اس پر قائن نے خدا سے فریاد کی اور خطرہ ظاہر کیا کہ جو کوئی مجھے دیکھے گا مار ڈالے گا۔ حکم ہوا کہ نہیں، جو قائن کو قتل کرے گا اس سے سات گنا بدلہ لیا جائے گا، اور قائن کے لیے ایک نشان مقرر کر دیا گیا کہ کوئی اسے پا کر مار نہ ڈالے (خلاصہ کتاب پیدائش باب ۴)

توراۃ کا یہ بیان ان تمام مقاصد جلیلہ سے عاری ہے جن کے تحت قرآن نے اس واقعہ کا تذکرہ کیا ہے، اس سے نہ خونِ ناحق کی حرمت نمایاں ہوتی ہے، نہ قابیل کے اس شدید ترین جرم کے عواقب پیشِ نظر ہوتے ہیں اور نہ ہابیل کے زہد و تقویٰ اور کردار کی بلندی کا کوئی واضح نقشہ ہماری نظر کے سامنے آتا ہے بلکہ اس بیان کے آخری حصہ سے گمان ہوتا ہے کہ قابیل کا یہ جرم خدا کے نزدیک کوئی بڑا جرم نہیں تھا اور نہ صرف وہ معاف کر دیا گیا بلکہ تائیدِ ایزدی بھی اس کے شامل ہوئی۔

مگر قرآن جب اسی واقعہ کا تذکرہ کرتا ہے تو اس واقعہ کے ایک ایک پہلو کو روشن اور نمایاں کرتا جاتا ہے جس سے اس جرم کی شدت اور اس کے عواقب و نتائج اور ہابیل کے کردار و تقویٰ کی بلندیاں پوری طرح واضح ہو جاتی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ تذکیر و تنذیر کا مقصد بطورِ احسن پورا ہو جاتا ہے

قابیل و ہابیل کی نذر قرآن مجید نے قابیل و ہابیل کا تذکرہ ان دونوں کی نذر کے واقعہ سے شروع کیا ہے:

إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ ۭ (مائدہ - ۲۷)	جب دونوں نے (خدا کی جناب میں) کچھ نیازیں چڑھائیں تو ایک کی نیاز تو مقبول ہو گئی اور دوسرے کی مقبول نہ ہوئی۔

ہمارے مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت حوا کے بطن سے دو توام بچے پیدا ہوا کرتے تھے ایک لڑکا، ایک لڑکی۔ چونکہ ضرورت لاحق تھی اس لیے ایک بطن کے لڑکے کی شادی دوسرے بطن کی لڑکی سے کر دی جاتی تھی۔ اتفاق یہ ہوا کہ قابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی وہ بہت خوبصورت

تھی اور ہابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی وہ خوب صورت نہ تھی اس لیے قابیل چاہتا تھا کہ اس کی شادی اسی لڑکی سے ہو جو اس کے ساتھ پیدا ہوئی ہے۔ آخر حضرت آدم کے اشارے سے دونوں نے خدا کے لیے کچھ نذر کی کہ جس کی نذر مقبول ہو جائے لڑکی اس کو دے دی جائے۔

معلوم نہیں ہمارے مفسرین نے یہ واقعہ کس سند پر اختیار کیا ہے، اس کا تذکرہ نہ قرآن میں ہے، نہ توراۃ میں اور نہ صحیح بخاری میں۔

قابیل کے رشک و حسد اور ہابیل کے تقویٰ اور بلند کرداری کا مظاہرہ

بہر حال نذر کا سبب کچھ بھی ہو، ہابیل کی نذر مقبول ہوئی اور قابیل کی نامقبول۔ قابیل یہ دیکھ کر آتش حسد میں جل گیا اور بجائے اس کے کہ مقبولیت کے وسائل اختیار کرتا غضب ناک ہو کر اپنے بھائی سے بولا:

لَاَقْتُلَنَّكَ ط (المائدہ ۲۷)	میں تجھے قتل کر دوں گا۔

ہابیل نے جواب دیا

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ (مائدہ ۲۷)	اللہ پرہیزگاروں ہی سے (نیاز) قبول کرتا ہے۔

یعنی خدا کی بارگاہ میں مقبولیت کا اصول یہ ہے، یہاں ریا اور زبردستی سے کام نہیں چلتا یہاں تو صرف تقویٰ اور پرہیزگاری کام آتے ہیں، میری نذر بھی اسی اصول کے ماتحت مقبول ہوئی ہے اس لیے اگر میری نذر کی مقبولیت تمھارے غصہ کا سبب ہے تو غصہ کی بجائے تقویٰ اختیار کرو، تمھاری بھی نذر مقبول ہو جائے گی۔

ہابیل نے مزید کہا:

لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ج (مائدہ ۔ ۲۸)	اور اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے مجھ پر ہاتھ چلائے گا (تب بھی) میں تجھے قتل کرنے کے لیے تجھ پر ہاتھ نہیں چلاؤں گا۔

چونکہ

إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ (مائدۂ ۲۸)	میں تو خدائے رب العلمین سے ڈرتا ہوں

اور ہابیل نے آخر میں اس کے جرم کے عواقب و نتائج سے بھی اس کو متنبہ کر دیا:

إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوْٓءَ بِإِثْمِيْ وَإِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ أَصْحٰبِ النَّارِ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ (مائدہ ۲۹)	میں چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ میں بھی ماخوذ ہو اور اپنے گناہ میں بھی، پھر تو دوزخ والوں میں ہو جائے اور ظالموں کی یہی سزا ہے

لیکن ظالم اور بدبخت انسان پر نصیحت کا اثر نہیں ہوا کرتا اور قابیل پر بھی نہیں ہوا شاید ابتداء میں قابیل کو کچھ جھجک ہو جیسے کہ گناہ اور معاصی کی ابتداء میں ہوا کرتی ہے مگر رفتہ رفتہ نفس امارہ نے ارتکاب جرم کے اس خیال کو پختہ کر دیا:

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ أَخِيْهِ (مائدہ ۳۰)	پھر راضی کیا اس کے نفس نے اپنے بھائی کے خون پر

اور بالآخر اپنے برگزیدہ بھائی کے خون ناحق میں اس نے اپنے ہاتھ رنگین کر ہی لیے۔

فَقَتَلَهٗ (مائدہ ۳۰)	پھر اس کو مار ڈالا

جس کے نتیجہ میں

فَأَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ	پس وہ ہو گیا نقصان اٹھانے والوں میں

لاش کی تدفین اور قابیل کی بعد از وقت ندامت

چونکہ اس سے پہلے دنیا میں کوئی انسان مرا نہ تھا اس لیے قابیل کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ بھائی کی لاش کا کیا کرے؟ بالآخر

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ أَخِيْهِ (مائدہ ۳۱)	پھر خدا نے ایک کوا بھیجا جو زمین کریدنے لگا تاکہ اسے دکھائے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کیونکہ چھپائے

کوے کی خصوصیت ہے کہ دوسرے کوے کی لاش کو کھلا دیکھے تو بہت شور مچاتا ہے
یہ دیکھ کر قابیل کی سمجھ میں آیا کہ زمین کھود کر لاش دفن کر دوں اور ساتھ ہی ساتھ
افسوس بھی ہوا کہ غیظ و غضب اور وحشت و حماقت میں اس درجہ گر گیا کہ کوے جیسے جانور
کے بھی برابر نہیں رہا۔

قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْاَةَ اَخِيْ ج مائدہ ۳۱	کہنے لگا، افسوس مجھ سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اس کوے کے برابر ہوتا کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا۔

اور غالباً حق تعالیٰ نے ایک ادنیٰ جانور کے ذریعہ اسے تنبیہ بھی اسی لیے فرمائی کہ
اپنے جرم و جہالت پر شرمائے نفسیات معصیت کا یہ ایک دقیق نکتہ ہے کہ معصیت کا ارتکاب
جوش و ہیجان میں اضطراری طور پر ہو جاتا ہے پھر رفتہ رفتہ جب جذبات سکون پذیر ہوتے
ہیں تو اس فعل پر افسوس اور ندامت محسوس ہوتی ہے، چنانچہ قابیل بھی بعد میں نادم ہوا۔

فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ (مائدہ ۳۱)	پھر وہ پشیمان ہوا

پشیمانی اور ندامت وہ نافع ہے جو معذرت گناہ اور فکر تدارک کے لیے ہو قابیل
کا پچھتانا اپنے جرم پر اور طلب مغفرت کے لیے نہیں تھا بلکہ اپنی بدحالی پر تھا۔
یہ خونِ ناحق خدا کے نزدیک اتنا بڑا اور شدید جرم تھا کہ

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ج كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ط وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ط	اسی سبب سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ حکم نازل کیا کہ جو شخص کسی کو (ناحق) قتل کرے گا (یعنی) بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا دی جائے اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا، اور جو اس کی زندگانی کا موجب ہوا تو گویا

(مائدہ ۳۲) — تمام لوگوں کی زندگی کا موجب ہوا۔

صحیح بخاری کتاب الانبیاء میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جو شخص ناحق قتل کیا جاتا ہے اس کے خون کا ایک حصہ آدم کے پہلے بیٹے کے ذمہ ہوتا ہے کیونکہ اسی نے قتل کرنے کا طریقہ نکالا۔"

قابیل کا مسکن | توراۃ میں ہے کہ اس جرم کے ارتکاب کے بعد "قائن خداوند کے حضور سے نکل گیا اور عدن کے مشرق کی طرف نود کے علاقہ میں جا بسا۔" (پیدائش باب ۴ - ۱۶)

آل قابیل | توراۃ نے قابیل سے چلنے والی نسل کے چھ سلسلوں کے نام لیے ہیں جو یہ ہیں:

قابیل (CAIN)
حنوک (ENOCH)
عیرو (IRAD)
محویا ایل (MEHUJAEL)
متوسا ایل (METHUSAEL)
لمک (LAMECH)

(زوجہ لمک) (۱) عدہ (ADAH)
- یابل (JABEL) (خیمہ نشینوں کا جد امجد)
- یوبل (JUBAL) (نغمہ نوازوں کا جد اعلیٰ)

(زوجہ لمک) (۲) ضلہ (ZILLAH)
- توبلقائن (TUBAL-CAIN) (لوہے اور پیتل کے تیز اسلحہ کا موجد)
- نعمہ (NAAMAH) (دختر)
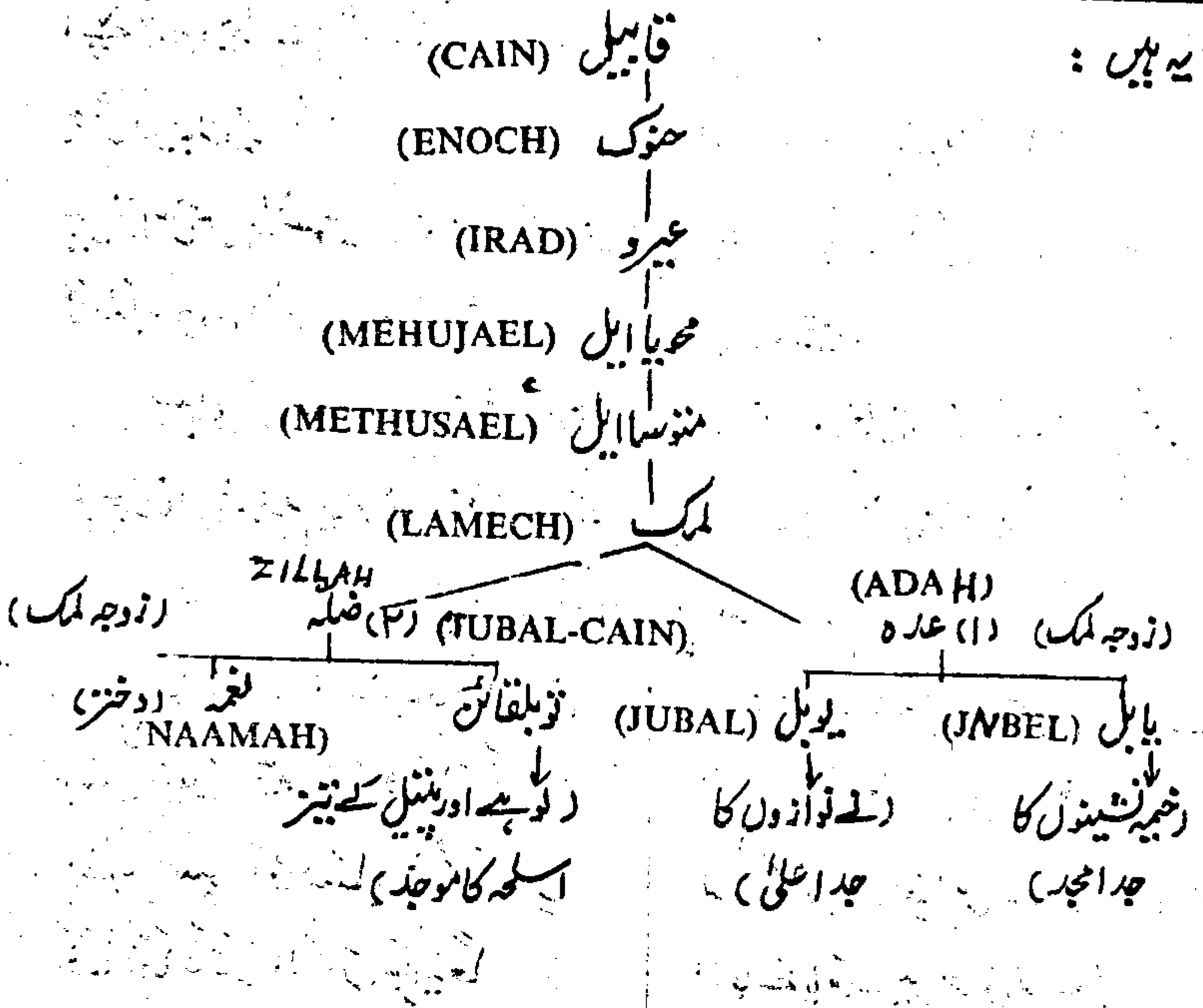
شیث ؑ | حضرت آدم کے تیسرے بیٹے کا نام شیث یا سیت (SETH) تھا۔

یہ پیغمبر تھے اور توراۃ (کتاب پیدائش باب ۴ ۔ ۱ تا ۲۳) کی تصریح کے مطابق ہابیل کی شہادت کے بعد پیدا ہوئے۔ اس وقت حضرت آدم کی عمر ۱۳۰ سال کی تھی۔ آپ حضرت آدم علیہ السلام ہی کی صورت و شکل کے تھے۔ آپ نے ۹۱۲ سال کی عمر پائی۔

(توراۃ۔ کتاب پیدائش باب ۵، ۳ تا ۷)

اس تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ کی وفات کے وقت آپ ۸۰۰ سال کے ہو چکے ہوں گے۔ تمام پیغمبروں کا ظہور آپ ہی کی نسل سے ہوا۔ علم کلام کے مشہور عالم علامہ شہرستانی رح نے آپ کا لقب اغثاذیمون بتایا ہے۔ علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ آپ ہی حضرت ادریس علیہ السلام کے معلم و اُستاد ہیں ❖

إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا (سورۂ مریم ۵۶)

بے شک وہ نہایت سچے نبی تھے

حضرت ادریس علیہ السلام ENOCH

حضرت ادریس علیہ السلام کا زمانہ

آپ کے زمانے اور نام و نسب کے متعلق مورخین سخت مضطرب البیان ہیں۔ قرآن کریم تو اپنے مقصد، رشد و ہدایت کے پیش نظر تاریخی مباحث سے ہٹ کر صرف آپ کی نبوت، آپ کی علو مرتبت اور آپ کی صفات عالیہ کا ذکر کرتا ہے، اسی طرح احادیث صحیحہ سے بھی آپ کے حالات پر مزید روشنی نہیں پڑتی۔ صحیح بخاری کتاب الانبیاء میں امام بخاری رح فرماتے ہیں :

"حضرت ابن مسعود رض اور حضرت ابن عباس رض کے متعلق روایت ہے کہ ہر دو حضرات کے نزدیک الیاس ع اور ادریس ع ایک ہی شخص کا نام ہے۔"

مگر واضح رہے کہ یہ روایت مرفوع نہیں ہے یعنی اس کا سلسلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ملتا۔ اس لیے اس کا مطلب یہ ہے کہ ابن مسعود رض اور حضرت ابن عباس رض کا ذاتی خیال اور رجحان یہ تھا کہ الیاس ع اور ادریس ع ایک ہی شخصیت کا نام ہے۔ یہ رسول خدا صلعم کا فرمان اور زبان وحی ترجمان کا ارشاد نہیں ہے۔

خود امام بخاری رح کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا زمانہ حضرت نوح ع اور حضرت ھود ع کے درمیان کا زمانہ ہے۔ چنانچہ امام بخاری رح صحیح بخاری کتاب الانبیاء میں حضرت ادریس ع کا ذکر حضرت نوح ع کے بعد اور حضرت ھود ع سے پہلے کرتے ہیں۔

مگر علماء کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ حضرت ادریسؑ، آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیانی زمانے میں گذرے ہیں اور توراۃ کا بیان بھی اسی قول کی تائید کرتا ہے۔

آپ کا نام آپ کا نام یونانی میں طرشیس، عبرانی میں حنوک، قدیم عربی میں اخنوعؑ اور قرآن کریم کی زبان میں ادریسؑ ہے۔ مورخین آپ کے قدیم ناموں کے ساتھ ساتھ لقب "ادرین" سوم بھی بتاتے ہیں۔

سلسلۂ نسب آپ حضرت آدمؑ کی چھٹی پشت میں ہیں۔ آپ کے سلسلہ نسب سے متعلق توراۃ کی پیش کردہ تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے:

نمبر شمار	نام	مولود مذکور کی پیدائش کے وقت عمر	کل عمر
۱	حضرت آدم علیہ السلام (ADAM)	۱۳۰ سال	۹۳۰ سال
۲	حضرت شیث علیہ السلام (SETH)	۱۵۰ "	۹۱۲ "
۳	انوش (ENOS)	۹۰ "	۹۰۵ "
۴	قینان (CAINAN)	۷۰ "	۹۱۰ "
۵	محلل ایل (MAHALAHLEEL)	۶۵ "	۸۹۵ "
۶	یارد (JARED)	۱۶۲ "	۹۶۲ "
۷	حنوک (ENOCH) حضرت ادریس علیہ السلام		۳۶۵ "

(توراۃ۔ کتاب پیدائش باب ۵، ۴)

حضرت ادریسؑ کا مقام کار حضرت ادریسؑ کے وطن کے متعلق بھی مورخین میں اختلاف ہے۔ ایک طبقہ کا خیال ہے کہ آپ مصر کے علاقہ منف میں پیدا ہوئے، اس کے برخلاف دوسرے طبقہ کا خیال ہے کہ بابل کا قدیم ملک آپ کا مولد ہے اور وہیں آپ نے نشو و نما

پائی۔ بعض مورخین جو اسی دوسرے خیال کے حامی ہیں بابل کے اس حصہ کو آپ کی جائے پیدائش بتاتے ہیں جس کو موجودہ زمانہ میں کوفہ کہتے ہیں۔

قرائن سے دوسرے طبقہ کا خیال ہی راجح معلوم ہوتا ہے چونکہ دجلہ اور فرات کا یہ دوآبہ (جس کو بابل کہتے ہیں) ہی انسانی آبادی اور تہذیب و تمدن کا سب سے پہلا مرکز ہے۔

مختصر حالات کہا جاتا ہے کہ دنیا میں علم نجوم، علم ریاضی، فن کتابت، کپڑا سینا، ناپ تول کے آلات اور فن اسلحہ سازی اول اول آپ نے شروع کیا[1]۔ مفسر ابن جریر طبریؒ نے اپنی تفسیر میں ہلال بن یساف کی سند سے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے استفسار پر کعب احبارؓ نے بیان کیا (جس کا خلاصہ یہ ہے کہ) حضرت ادریسؑ چوتھے آسمان پر اٹھا لیے گئے اور وہیں ان کی روح قبض ہوئی، شب معراج میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چوتھے آسمان پر حضرت ادریسؑ سے ملاقات کی تھی۔ صحیح بخاری میں حضرت مالک بن صعصعہؓ سے معراج کی جو حدیث مروی ہے اس میں ہے:

"حضرت مالک بن صعصعہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے شب اسراء کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا .... اس کے بعد جبریلؑ مجھ کو چوتھے آسمان تک چڑھا کر لے گئے اور دروازہ کھلوانا چاہا، دریافت کیا گیا، کون ہے؟ جواب ملا، جبریلؑ، دریافت کیا گیا، تمہارے ساتھ اور کون ہے؟ جبریلؑ نے کہا، محمدؐ۔ دریافت کیا گیا، تم کو ان کے لینے کیلیے

---

[1] بک آف جبلی (Book of Jubilee) جو یونانی بائبل کا ایک حصہ ہے۔ اس میں یہ تصریح ہے۔

آپ پہلے شخص ہیں جنھوں نے سائنس اور علم اور فن کتابت اور نجوم کا آغاز کیا، فرشتے تین سو برس تک آپ کے ساتھ رہے اور کائنات کی تمام اشیاء کا علم آپ کو سکھایا۔

"He was the first to introduce science and learning, the art of writing and astronomy. The angels remained with him for three hundred years and gave him knowledge of all the things in this Universe".

(Chapter IV)

بھیجا گیا تھا؟ جبریلؑ نے کہا، ہاں، آواز آئی، مرحبا، بہت اچھا آنے والا آیا، دروازہ کھلا میں اوپر پہنچا، وہاں حضرت ادریسؑ کو دیکھا، جبریلؑ نے کہا، یہ ادریسؑ ہیں، ان کو سلام کرو، میں نے سلام کیا، انھوں نے سلام کا جواب دے کر کہا، اچھے نبی اور اچھے بھائی! خوش آمدید۔ پھر جبریلؑ مجھ کو پانچویں آسمان تک چڑھا کر لے گئے ...."

مورخین نے حضرت ادریسؑ کے حالات کے سلسلہ میں سخت رطب ویابس اور افسانہ طرازی سے کام لیا ہے اور مفسرین نے بہت سی اسرائیلیات نقل کی ہیں، ابن کثیرؒ نے ان پر سخت نکتہ چینی اور تنقید کی ہے، ان بے سند تفصیلات کا درجہ ظن و تخمین سے زیادہ نہیں اس لیے ہم ان کو نظر انداز کرتے ہیں۔

حضرت ادریسؑ کا تذکرہ توراۃ میں توراۃ میں آپ کا نہایت مختصر تذکرہ ہے جس سے آپ کی نبوت، جلالتِ شان اور عظمت کا بھی اندازہ لگانا مشکل ہے، کتاب پیدائش میں ہے:

"اور یارد ایک سو باسٹھ برس کا تھا جب اس سے حنوک (حضرت ادریسؑ) پیدا ہوا، اور حنوک کی پیدائش کے بعد یارد آٹھ سو برس جیتا رہا اور اس سے بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں، اور یارد کی کل عمر نو سو باسٹھ برس کی ہوئی، تب وہ مرا۔

اور حنوک پینسٹھ برس کا تھا جب اس سے متوسلح پیدا ہوا، اور متوسلح کی پیدائش کے بعد حنوک تین سو برس تک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور اس سے بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں اور حنوک کی کل عمر تین سو پینسٹھ برس کی ہوئی اور حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور وہ غائب ہو گیا، کیونکہ خدا نے اسے اٹھا لیا"[1]

توراۃ کے اس بیان سے حضرت ادریسؑ کے حالات کے سلسلہ میں حسب ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے

۱۔ حضرت ادریسؑ کے والد کا نام یارد تھا، یارد کی کل عمر ۹۶۲ سال ہوئی

۲۔ یارد ۱۶۲ سال کے تھے تو حضرت ادریس علیہ السلام تولد ہوئے

---

[1] توراۃ، کتاب پیدائش باب ۵، ۱۸ تا ۲۴

۳۔ حضرت ادریسؑ کے اور بھائی بہن بھی تھے مگر نسل انسانی کا سلسلہ آپ ہی سے چلا۔ (چونکہ توراۃ کے بیان کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام آپ ہی کے بیٹے متوسلح کے پوتے ہیں)

۴۔ جب حضرت ادریس کی عمر ۶۵ سال کی ہوئی تو متوسلح تولد ہوئے جو حضرت نوحؑ کے دادا ہیں متوسلح کے علاوہ آپ کے اور بیٹے اور بیٹیاں بھی ہوئیں جن کے نام اور تعداد معلوم نہیں ہے

۵۔ حضرت ادریس علیہ السلام کی ساری زندگی یاد الٰہی اور عبادت گذاری میں بسر ہوئی۔ ("خدا کے ساتھ چلنے" کا یہی مطلب ہے)

۶۔ آپ ۳۶۵ سال کے تھے کہ آپ کو معہ جسد خاکی آسمان پر اٹھالیا گیا۔ توراۃ کے ان الفاظ سے کہ "وہ غائب ہو گیا کیونکہ خدا نے اسے اٹھالیا" رفع مع جسد ہی کا مفہوم نکلتا ہے چونکہ اگر یہ رفع صرف روحانی تھا تو آپ کا جسم "غائب" نہیں ہو سکتا تھا۔

حضرت ادریسؑ اور قرآن کریم

قرآن کریم میں آپ کا ذکر صرف دو سورتوں میں آیا ہے، سورۂ مریم (آیات ۵۶ و ۵۷) اور سورۂ انبیاء (آیات ۸۵ و ۸۶)

سورۂ انبیا کی آیات میں تو دوسرے انبیاء کرام کے ساتھ آپ کا نام آیا ہے اور ان کے صبر و رضا کی تحسین فرمائی گئی ہے ان پر اللہ کی رحمتوں کے نزول کا ذکر ہے اور ان کی پاکیزگی اور پرہیزگاری اور سیرت باصفا کی توصیف ہے اور سورہ مریم کی آیات میں آپ کی صفات عالیہ کا بیان ہے جن سے توراۃ کے صفحات خاموش ہیں۔ ان دو سورتوں میں آپ کی جو تعریف و توصیف آئی ہے ایک پورا صحیفہ بھی مشکل سے اس کا متحمل ہو سکتا تھا ان میں آپ کی شان نبوت و صدیقیت کا بھی اظہار ہے آپ کی علو مرتبت (یا بقول بعض رفع الی السما) کا بھی ذکر ہے اور آپ پر خدا تعالیٰ کے انعامات و احسانات کا بھی تذکرہ ہے

سورۂ انبیا کی آیت یہ ہے:

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَاَدْخَلْنٰهُمْ	اور اسمٰعیلؑ اور ادریسؑ اور ذوالکفلؑ یہ سب صبر کرنے والے تھے اور ہم نے ان کو اپنی رحمت

فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (الانبیاء ۸۵، ۸۶)	میں داخل کیا، بلاشبہ وہ نیکوکار تھے۔

اور سورۂ مریم میں ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ز اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝	اور کتاب میں ادریسؑ کا ذکر کرو، بلاشبہ وہ نہایت سچے نبی تھے اور ہم نے اٹھا لیا تھا ان کو ایک اونچے مقام پر۔

"وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝" مفسرین نے اس کے معنی دو طرح بیان کیے ہیں۔

(۱) یعنی قرب و عرفان کے بہت بلند مقام اور اونچی جگہ پر پہنچایا۔

(۲) حضرت عیسیٰ مسیحؑ کی طرح زندہ آسمان پر اٹھا لیا،

ہمارا رجحان دوسرے معنی کی طرف ہے۔ توراۃ اور حضرت کعب احبارؓ کے بیان سے بھی جو اوپر گذر چکا ہے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ قرب و عرفان کے اعتبار سے تو ہر پیغمبر کا مقام بہت بلند ہوتا ہے۔ اور جمہور کے نزدیک تو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقام قرب و عرفان یقیناً حضرت ادریس علیہ السلام سے بلند نہ تھا مگر ان میں سے کسی کے لیے بھی "وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝" کی تعبیر استعمال نہیں فرمائی گئی اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ ان الفاظ کا مطلب صرف مقام قرب و عرفان کی بلندی ہی نہیں۔ (چونکہ یہ مقام تو صرف "نَبِيًّا" کہہ دینے سے واضح ہو گیا تھا) بلکہ آسمان پر اٹھا لیا جانا ہے)

صحیفۂ ادریسؑ کہا جاتا ہے کہ حضرت ادریسؑ صاحب کتاب تھے اور آپ کی شریعت نہایت جامع تھی۔ کم از کم تیسری صدی عیسوی تک یہ خیال نہایت راسخ تھا،

موجودہ توراۃ میں صحیفۂ ادریسؑ کا کوئی ذکر نہیں ہے لیکن عصر حاضر میں بابل میں جو اثری کنشافات ہوئے ہیں ان میں کچھ حجری الواح برآمد ہوئی ہیں، ان پر جو کتبات ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ادریسؑ کے نام سے بھی ایک کتاب تھی، کہا جاتا ہے کہ صحیفۂ ادریسؑ اصلاً عبرانی (HEBREW)

زبان میں تھی، عبرانی سے وہ حبشی زبان میں منتقل ہوئی اور اسی زبان میں یہ کتاب پائی گئی ہے اور اس کے ترجمے ہو گئے ہیں۔

آپ کی ایک اور کتاب "اسرار ادریسؑ" (Secrets of ENOCH) کے نام سے "سلاؤنک" slavonic زبان میں برآمد ہوئی ہے۔ موجودہ زمانہ کے یہودی اور عیسائی علماء ان کتابوں کو ناقابل اعتماد تسلیم کرتے ہیں اور بعد کی تصنیف بتاتے ہیں مگر مسیحیت کے ابتدائی دور میں ان کو مستند خیال کیا جاتا تھا" انسائیکلوپیڈیا بیلیکا (dialica Encyclopaedia) میں ہے:

"With the earlier fathers and apologists it had the weight of a canonical book but towards the close of the third and the beginning of the fourth centuries it began to be discredited and finally it fell under the ban of the Church."

(Article Enoch)

ابتدائی دور کے پادریوں اور علماء کے نزدیک اس کی حیثیت ایک شرعی کتاب کی تھی لیکن تیسری صدی مسیحی کے اواخر اور چوتھی صدی کے اوائل میں اس کی قدر گھٹنے لگی اور بالآخر کلیسا نے اس کو ممنوع قرار دے دیا۔

(مقالہ ادریسؑ)

سَلٰمٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ (والصّٰفّٰت)

(سلام ہے نوح پر سارے جہان والوں میں)

حضرت نوح علیہ السّلام NOAH

(سنہ ۳۸۳۲ ق م تا سنہ ۲۸۸۲ ق م)

سلسلۂ نسب توراۃ کے بیان کے مطابق آپ حضرت آدمؑ کی دسویں پشت میں ہیں۔ حضرت ادریس علیہ السلام سے حضرت نوح علیہ السلام تک سلسلۂ نسب معہ تصریحات عمر مندرجہ توراۃ درج ذیل ہے۔ اس سے اوپر کا سلسلہ پہلے دیا جا چکا ہے:

نمبر شمار	نام	انگریزی نام	مولود مذکور کی پیدائش کے وقت عمر	کل عمر	حوالہ
۱	حضرت ادریس (حنوک)	ENOCH	۶۵ سال	۳۶۵ سال	توراۃ کتاب پیدائش باب ۵
۲	متو سلح	METHUSELAH	۱۸۷ 〃	۹۶۹ 〃	〃
۳	لمک	LAMECH	۵۰۲ 〃	۷۷۷ 〃	〃
۴	حضرت نوح علیہ السلام	NOAH		۹۵۰ 〃	〃

عمر حضرت نوح علیہ السلام کی عمر مندرجہ توراۃ ۹۵۰ سال کی تصدیق قرآن بھی کرتا ہے سورۂ عنکبوت میں ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ فَلَبِثَ فِیْہِمْ اَلْفَ

سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا" اور ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ ان میں پچاس برس کم ہزار برس رہے"۔

مقام آپ کا مسکن دجلہ و فرات کا دوآبہ یعنی موجودہ عراق تھا۔ پہلے زمانہ میں اس کو کالڈیا (Chaldea) کلدانیہ اور بابل بھی کہتے تھے۔ یہ دوآبہ انسانی تہذیب و تمدن کا سب سے قدیم گہوارہ ہے۔

اوّل المرسل حدیث شریف میں آپ کے لیے "اوّل المرسل" کا لفظ آیا ہے۔ آپ دنیا میں پہلے رسول تھے۔ نبی اور رسول میں فرق یہ ہے کہ نبی ہر صاحب وحی کو کہتے ہیں لیکن رسول کے لیے صاحب وحی ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب شریعت ہونا بھی ضروری ہے۔ حضرت نوحؑ صاحب شریعت نبی تھے اور اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ لکھتے ہیں:

"حضرت آدم کے وقت سے جو وحی شروع ہوئی تو اس وقت بالکل ابتدائی حالت تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام پر اس کی تکمیل ہوگئی، گویا اول حالت محض تعلیمی حالت تھی، حضرت نوحؑ کے زمانہ میں وہ حالت پوری ہوکر اس قابل ہوگئی کہ ان کا امتحان لیا جائے اور فرمانبرداروں کو انعام اور نافرمانوں کو سزا دی جائے چنانچہ انبیائے اولوالعزم کا سلسلہ بھی حضرت نوح علیہ السلام سے ہی شروع ہوا اور وحی الٰہی سے سرتابی کرنے والوں پر بھی اول عذاب حضرت نوحؑ کے وقت سے شروع ہوا"۔

(فوائد ترجمہ قرآن مجید شیخ الہند صفحہ ۱۳۳)

قومِ نوح حضرت نوحؑ کی قوم کے لوگ اپنی طویل العمری، تنومندی اور جباری کے لیے مشہور ہیں۔ توراۃ کا بیان ہے:

"ان دنوں زمین پر جبّار تھے اور بعد میں جب خدا کے بیٹے انسان کی بیٹیوں کے پاس گئے تو ان کے لیے ان سے اولاد ہوئی، یہی قدیم زمانے کے سُورما ہیں جو بڑے

نامور ہوئے" (کتاب پیدائش باب ۶ ۴)

ان کی اخلاقی پستی اور دنائت کا جو نقشہ توراۃ نے کھینچا ہے یہ ہے۔

"اور خداوند نے دیکھا کہ زمین پر انسان کی بدی بہت بڑھ گئی اور اس کے دل کے تصور اور خیال سدا برے ہی ہوتے ہیں" (کتاب پیدائش باب ۶ ۵)

قرآن نے بتایا کہ وہ فاسق و فاجر لوگ تھے:

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ (الذاریات ۴۶)	بے شک وہ فاسق قوم تھی۔

وہ اپنی سرکشی اور کفر و طغیان میں نہایت راسخ، ضدی اور متکبر تھے۔

وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا (نوح ۷)	اور ضد کی اور غرور کیا حد سے بڑھ کر

وہ بڑی بڑی چالیں چلتے تھے:

وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا (نوح ۲۲)	اور وہ بڑی بڑی چالیں چلے

وہ بدکردار تھے:

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ (الانبیاء ۷۷)	بے شک وہ برے لوگ تھے

وہ ظالم اور بے انصاف لوگ تھے:

قَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (ھود ۴۴)	بے انصاف لوگ
وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ (عنکبوت ۱۴)	اور وہ ظالم تھے

اور وہ حق کی طرف سے اندھے تھے:

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ (الاعراف ۶۴)	بے شک وہ اندھے لوگ تھے

قوم نوحؑ کے بُت یہ قوم شرک و بت پرستی میں مبتلا تھی اور ان کے بڑے بڑے دیوتاؤں کے نام وَدّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر تھے۔ حضرت نوحؑ کی تبلیغ کے جواب میں قوم اپنے لوگوں سے کہتی ہے:

وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ	اور کہنے لگے کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور

وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۵ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا (نوح ۲۳)	اور ودّ اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو کبھی ترک نہ کرنا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم نوح میں بتوں کی پوجا اعاظم پرستی سے شروع ہوئی حضرت ابن عباسؓ کے بیان کے مطابق بت پرستی کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ بعض صالحین کا انتقال ہو گیا جن کے نام ودّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر تھے۔ لوگوں نے ان کی تصویریں بنا لیں تاکہ ان کے احوال اور عبادت وغیرہ کی یاد تازہ رہے۔ کچھ مدت کے بعد ان صورتوں کے مجسمے تیار کر لیے حتیٰ کہ کچھ دنوں بعد ان کی پرستش ہونے لگی اور یہ بت ان ہی بزرگوں کے نام سے موسوم کیے گئے بعد میں یہ بت عرب میں بھی آئے۔

علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے "ارض القرآن" جلد دوم میں ان بتوں کے ناموں کی لغوی تحقیق اور عرب میں آنے کے بعد ان کی صورت و ہیئت کی تصریح کی ہے، سطور ذیل میں ہم اسی کا خلاصہ درج کرتے ہیں:

نام	لغوی تحقیق	عرب میں آنے کے بعد صورت و ہیئت	عرب کے پرستار قبائل
۱۔ وَدّ	یہ "وُدّ" سے مشتق ہے جس کے معنی محبت کے ہیں، اس کے مقابل دوسری دیبی "نکرہ" تھی۔ جس کے ناپسندیدگی اور عداوت کے معنی ہیں یہ بھی کتبات میں مذکور ہے۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ وُدّ کی اصل اُدّ ہے یابلی میں آفتاب کو کہتے ہیں	دراز قد مرد کی مورت ایک تہمد لپیٹے ایک چادر اوڑھے، گلے میں تلوار حمائل، کمان لٹکی ہوئی ایک طرف ترکش پڑا ہوا، سامنے نیزہ، اس میں جھنڈا بندھا ہوا، ستارہ مشتری کی تقریباً یہی شکل ہے	قبیلہ کلب
۲۔ سُوَاع	اس لفظ کا مشتق منہ کلام عرب میں نہیں ملتا۔ ممکن ہے "سَوْع" سے مشتق ہو جس کے معنی زمانہ کے ہیں	شکل عورت کی تھی۔ آسمان میں مرۃ سلسلہ ذات الکرسی وغیرہ عورت کی شکلیں ہیں۔	قبیلہ ہذیل

نام	لغوی تحقیق	عرب میں آنے کے بعد صورت و ہیئت	عرب کے پرستار قبائل
۳۔ یَعُوق	"عوق" (روکنا) سے مضارع کا صیغہ ہے، اہل یمن میں یہ بُت پوجا جاتا تھا ان کے یہاں صیغۂ مضارع کو بطور عَلَم استعمال کرنے کا خاص دستور تھا۔ یعوق کے معنی روکنا ہے یعنی مصیبتوں کو روکتا ہے۔	صورت گھوڑے کی تھی۔ ستاروں کی ایک شکل فرس بھی ہے۔ عربوں کے نزدیک تو فرس حقیقۃً ان کے مصائب کا چارہ گر ہے۔	ہمدان و اہل یمن
۴۔ یَغُوث	"غوث" (فریاد کو پہنچنا) اس کا مصدر ہے یہ بھی یعوق کے قاعدہ سے عَلَم ہے یغوث کے معنی فریاد رسی کرنا ہے۔ اس کا نام کتبہ میں بھی ملتا ہے۔	شکل شیر کی تھی۔ ستارہ اسد ہوگا ایک فریاد رس اور مددگار کی صورت شیر سے بہتر کیا خیال کی جا سکتی ہے؟	قبیلہ مراد اور بنی غطیف
۵۔ نَسر	لغوی معنی گدھ کے ہیں، اسی شکل کا ایک مجموعہ کواکب آسمان میں ہے جس کو نسر کہتے ہیں۔ نسر، دیوتا کی حیثیت سے سامی قوموں میں بہت مدت سے پوجا جاتا تھا، اہل بابل کے دیوتاؤں میں ایک "نسروک" تھا۔ اب بابل میں اس دیوتا کا مجسمہ بھی نکلا ہے	ایک پرندہ کی شکل پر تھا۔ بابل میں نسروک کی جو سنگی مورت ملی ہے وہ بالکل گدھ کی شکل ہے	حمیر کے خاندان ذی الکلاع کا معبود تھا

حضرت نوحؑ کی تعلیمات اور قوم کا جواب | اسی سرکش، نافرمان اور باغی قوم کی اصلاح حال کے لیے حضرت نوحؑ مامور فرمائے گئے تھے۔

حضرت نوحؑ نے قوم کو بتایا کہ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری اصلاح کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۙ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ ؀ (الشعراء ۱۰۷، ۱۰۸)	میں تو تمھارا امانت دار پیغمبر ہوں تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔

اور وہ نصیحت جس کے ماننے کے لیے کہا توحید کی تعلیم تھی:

فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ؀ (مومنون ۲۳)	انھوں نے کہا کہ اے قوم خدا ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں، کیا تم ڈرتے نہیں؟
اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ ؕ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ؀ (ھود ۲۶)	خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، مجھے تمھاری نسبت عذاب الیم کا خوف ہے۔

آپ نے ان کو توحید کی دعوت دی اور فرمایا کہ اگر تم ایمان لے آئے تو اللہ تمھارے گناہ بخش دے گا۔

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاتَّقُوْہُ وَاَطِیْعُوْنِ ۙ یَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ وَیُؤَخِّرْکُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ (نوح ۳، ۴)	خدا کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میرا کہا مانو، وہ تمھارے گناہ بخش دے گا اور (موت کے) وقت تک تمھیں مہلت عطا کرے گا۔

ساتھ ہی ساتھ آپ نے اس قانونِ الٰہی سے بھی آگاہ فرما دیا کہ

اِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ ۘ لَوْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ؀ (نوح ۴)	جب خدا کا مقرر کیا ہوا وقت آجاتا ہے تو پھر تاخیر نہیں ہوتی۔ کاش تم جانتے ہوتے

بدبخت قوم نے نصیحت قبول نہ کی اور وہی جواب دیا جو بعد میں آنے والی ہر گمراہ اور سرکش قوم نے اپنے پیغمبر کو دیا، بولے تم تو ہم ہی جیسے انسان ہو پھر تم ہی کو پیغمبری کے لیے کیوں منتخب کیا گیا، کیا خدا کے پاس فرشتے نہ تھے جو وہ نازل کر دیتا۔ تم یقیناً یہ ڈھونگ رچا کر ہم میں عظمت حاصل کرنا چاہتے ہو، کیا خوب! ہم اپنے باپ دادا کے مسلک کو چھوڑ دیں؟ معلوم ہوتا ہے تم دیوانے ہو گئے ہو۔

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌ ۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ (مومنون ۲۴، ۲۵)

یہ تو تم ہی جیسا آدمی ہے، تم پر بڑائی حاصل کرنی چاہتا ہے، اور اگر خدا چاہتا تو فرشتے اتار دیتا ہم نے اپنے اگلے باپ دادوں میں تو یہ بات کبھی نہیں سُنی، اس آدمی کو تو دیوانگی کا عارضہ ہے تو اس کے بارے میں کچھ مدت انتظار کرو۔

تم ہمارے تمام آبائی بتوں سے بغاوت کرتے ہو، تم تو بالکل گمراہ معلوم ہوتے ہو۔

اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (الاعراف ۶۰)

ہم تمھیں صریح گمراہی میں مبتلا دیکھتے ہیں۔

اور یہ چند شخص جو تمھارے پیچھے ہو لیے ہیں نہایت ذلیل اور ادنیٰ درجہ کے لوگ ہیں۔ کیا تمھارا خیال ہے کہ ہم ان کے ساتھ شامل ہو سکتے ہیں۔ ہمیں تو تم جھوٹے معلوم ہوتے ہو۔

وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۢ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ (هود ۲۷)

اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمھارے پیرو وہی لوگ ہوئے ہیں جو ہم میں ادنیٰ درجہ کے ہیں اور وہ بھی رائے ظاہر سے، اور ہم تم میں اپنے اوپر کسی طرح کی فضیلت نہیں دیکھتے بلکہ تمھیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔

حضرت نوحؑ نے قوم کی اس شوخ چشمی اور گستاخی پر بھی انتہائی شفقت اور رافت کا مظاہرہ کیا لیکن ساتھ ہی ساتھ ان کی ایک ایک بات کا نہایت مدلل اور مسکت جواب ارشاد فرمایا آپ نے فرمایا کہ بے شک جیسا امتیاز تم مجھ میں تلاش کر رہے ہو اس کا میں دعویٰ بھی نہیں کرتا۔ بلا شبہ میں ایک بشر ہوں فرشتہ نہیں، نہ خدا نے سب غیب کے خزانے میرے تصرف اور اختیار میں دیدیے ہیں نہ تمام غیب کی باتوں پر مجھے مطلع کر دیا ہے۔

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ

نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس خدا کے

اللّٰہِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَکٌ (ھود ۳۱)

خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔

ہاں مجھ میں اخلاق و تقویٰ، ایمان اور حق پرستی اور نبوت کا امتیاز ضرور موجود ہے لیکن اگر تم اس نورِ الٰہی کو دیکھنے سے قاصر ہو تو میں تمہیں زبردستی اس کے دیکھنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔

یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ کُنْتُ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰنِیْ رَحْمَۃً مِّنْ عِنْدِہٖ فَعُمِّیَتْ عَلَیْکُمْ اَنُلْزِمُکُمُوْھَا وَاَنْتُمْ لَھَا کٰرِھُوْنَ (ھود ۲۸)

اے قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل (روشن) رکھتا ہوں اور اس نے مجھے اپنے یہاں سے رحمت بخشی ہو جس کو تمہاری آنکھ سے مخفی رکھا گیا تو کیا ہم اس کے لیے تمہیں مجبور کر سکتے ہیں اور تم ہو کہ اس سے ناخوش ہو رہے ہو

آخر اس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ خدا نے کسی ایک فرد کو منصب رسالت کے لیے چن لیا۔ تم انسان ہو تمہاری ہدایت کے لیے انسان ہی بھیجے جائیں گے۔ تم فرشتے ہوتے تو ہدایت کے لیے فرشتے آتے۔

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَکُمْ ذِکْرٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْکُمْ لِیُنْذِرَکُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ (الاعراف ۶۳)

کیا تم کو اس بات سے تعجب ہوا ہے کہ تم میں سے ایک شخص کے ہاتھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس نصیحت آئی تاکہ وہ تم کو ڈرائے اور تاکہ تم پرہیزگار بنو اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے

جھوٹ اور گمراہی اور دیوانہ پن کے الزامات کے جواب میں آپ نے فرمایا:

یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَۃٌ وَّلٰکِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ (الاعراف ۶۱)

اے قوم! مجھ میں کسی طرح کی گمراہی نہیں ہے بلکہ میں پروردگارِ عالم کا پیغمبر ہوں۔

خستہ حال مومنین کی جماعت کے متعلق قوم کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ مجھے کیا معلوم ان کا کیا حال ہے اور تمہیں ان کی فکر کیوں ہے۔ ان کے اعمال کا حساب ان

کے پروردگار کے ذمہ ہے وہ اپنی فکر کریں تم اپنی فکر کرو، میں محض ان کے افلاس اور خستہ حالی کی بنا پر ان کو اپنے پاس سے نہیں نکال سکتا۔

(نوحؑ نے) کہا، مجھے کیا معلوم وہ کیا کرتے ہیں، ان کا حساب (اعمال) میرے پروردگار کے ذمہ ہے کاش تم سمجھو۔ اور میں مومنوں کو نکال دینے والا نہیں ہوں۔	قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۚ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ۚ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ (الشعراء ۱۱۲ تا ۱۱۴)

آپ نے فرمایا کہ جس مال و دولت پر تمہیں غرور ہے میں اس کی طمع نہیں رکھتا اور نہ میں کار تبلیغ کا کوئی معاوضہ یا اُجرت طلب کرتا ہوں۔

اور اے قوم! میں اس (نصیحت) کے بدلے تم سے مال و زر کا خواہاں نہیں ہوں، میرا صلہ تو خدا کے ذمہ ہے۔	وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ (ھود ۲۹)

پھر محض اس لیے کہ وہ غریب ہیں ان کو کیونکر نکال دوں۔ اور اگر بفرض محال میں ایسا کروں بھی تو کل اس احکم الحاکمین کی گرفت سے مجھے کون چھڑائے گا۔

اور اے قوم! اگر میں ان کو نکال دوں تو کون چھڑا سکتا ہے مجھ کو اللہ سے۔ بھلا تم غور کیوں نہیں کرتے۔	وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (ھود ۳۰)

قوم نے

کہا کہ دیوانہ ہے اور ڈانٹا	قَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ (القمر ۹)

اور بجائے قدموں پر سر رکھ دینے کے

انھوں نے کہا کہ نوح! اگر تم باز نہ آؤ گے تو سنگسار کر دیئے جاؤ گے۔	قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ (الشعراء ۱۱۶)

حضرت نوحؑ نے نہایت بلیغ پیرایہ میں آیاتِ تکوینیہ سے اثباتِ توحید پر استدلال کیا۔ آپ نے فرمایا:

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ۝ أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۝ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ۝ وَاللّٰهُ أَنْبَتَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا ۝ ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ بِسَاطًا ۝ لِتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۝

(نوح ۱۳ تا ۲۰)

تم کو کیا ہوا ہے کہ خدا کی عظمت کا اعتقاد نہیں رکھتے، حالانکہ اس نے تم کو طرح طرح (کی حالتوں) کا پیدا کیا ہے کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے سات آسمان کیسے اوپر تلے بنائے ہیں اور چاند کو ان میں (زمین کا) نور بنایا ہے اور سورج کو چراغ ٹھہرایا ہے اور خدا ہی نے تم کو زمین سے پیدا کیا ہے پھر اسی میں تم کو لوٹا دیگا۔ اور (اسی سے) تم کو نکال کھڑا کرے گا اور خدا ہی نے زمین کو تمھارے لیے فرش بنایا تاکہ اس کے بڑے بڑے کشادہ راستوں پر چلو پھرو۔

حضرت نوحؑ کی پیغمبرانہ استقامت

قوم کی دھمکیوں کے جواب میں آپ نے پیغمبرانہ عظمت و توکل کا مظاہرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يٰقَوْمِ إِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِي وَتَذْكِيرِي بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُونِ

(یونس ۷۱)

اے قوم! اگر تم کو میرا تم میں رہنا اور خدا کی آیتوں سے نصیحت کرنا ناگوار ہو تو میں تو خدا پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ تم اپنے شریکوں کے ساتھ مل کر ایک کام (جو میرے بارے میں کرنا چاہو) مقرر کر لو اور وہ تمھاری تمام جماعت سے پوشیدہ نہ رہے پھر وہ کام میرے حق میں کر گذرو اور مجھے مہلت نہ دو

قوم کا طلب عذاب اور حضرت نوحؑ کا جواب

لیکن بدبخت قوم کے پاس سوائے اس کے

اور کوئی جواب نہ تھا کہ

قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جَادَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (ھود ۳۲)

انھوں نے کہا کہ نوحؑ تم نے ہم سے جھگڑا تو کیا اور جھگڑا بھی بہت کیا لیکن اگر سچے ہو تو جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو وہ ہم پر لا نازل کرو۔

حضرت نوحؑ کا جواب دنیا کے عام انسانوں سے بہت مختلف اور پیغمبرانہ شان کا حامل تھا آپ نے فرمایا :

اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ (ھود ۳۳)

اس کو تو خدا ہی چاہے گا تو نازل کرے گا اور تم (اس کو کسی طرح) ہرا نہیں سکتے۔

آپ نے مزید فرمایا کہ اصلاح قبول کرنے کی بجائے عذاب کی جلدی کرنا اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ شاید اب تمھارا وقت آ پہنچا ہے اور اب میری ہمدردی بھی تمھارے لیے نافع نہیں ہو سکتی۔

وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ (ھود ۳۴)

اور اگر میں یہ چاہوں کہ تمھاری خیر خواہی کروں اور خدا یہ چاہے کہ تمھیں گمراہ کرے تو میری خیر خواہی تم کو کچھ فائدہ نہیں دے سکتی، وہی تمھارا پروردگار ہے اور تمھیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

حضرت نوحؑ کی صدیوں تک مسلسل مساعیٔ تبلیغ اور قوم کا پیہم معاندانہ ردعمل

حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق حضرت نوحؑ کی بعثت ۴۰ سال کی عمر میں ہوئی۔ توراۃ کی تصریح کے مطابق طوفان سے پہلے حضرت نوح ۵۹۹ سال ایک مہینے اور ۱۷ دن تک اپنی قوم کے ساتھ رہے (کتاب پیدائش باب ۱۱) ان دونوں تصریحوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ۵۵۹ سال ایک مہینے اور ۱۷ دن تک آپ شب و روز دعوت و تبلیغ میں مشغول رہے اور سرًا و علانیۃً انھیں نصیحت کرتے رہے اور سعیٔ اصلاح

میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا مگر نتیجہ یہ ہوا کہ جوں جوں آپ نے قوم کو خدا کی طرف بلایا وہ بدبخت اور زیادہ بھاگے اور جس قدر آپ کی شفقت اور دلسوزی کا اظہار ہوا اسی قدر ان کی نفرت اور بیزاری بڑھتی گئی قرآن حضرت نوحؑ کی زبانی کہتا ہے:

إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ۝ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَاءِي إِلَّا فِرَارًا ۝ وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۝ ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝ ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا ۝ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ۝ (نوح ۵ تا ۱۰)

میں اپنی قوم کو شب و روز بلاتا رہا اور وہ زیادہ گریز کرتے رہے۔ جب جب میں نے ان کو بلایا (کہ توبہ کریں اور) تو ان کو معاف فرمائے تو انھوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور کپڑے اوڑھ لیے اور اڑ گئے اور اکڑ بیٹھے۔ پھر میں ان کو کھلے طور پر بھی بلاتا رہا اور ظاہر اور پوشیدہ ہر طرح سمجھاتا رہا اور کہا کہ اپنے پروردگار سے معافی مانگو کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔

اصلاح اور تبلیغ کی ان مساعی جمیلہ کے باوجود صورت یہ تھی:

وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ (ھود۔ ۴۰)

اور بہت ہی کم لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے تھے

قوم کی صلاحیت اصلاح پذیری کے انقطاع پر وحی الٰہی سے آگاہی

بالآخر آپ کی سعی پیہم، دلسوزی اور قوم کی زبوں حالی پر تاسف کی کیفیت کو دیکھ کر وحی الٰہی نے آپ کو مخاطب کیا اور ارشاد ہوا

وَأُوحِيَ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ

اور نوحؑ کی طرف وحی کی گئی کہ تمہاری قوم میں جو لوگ ایمان لا چکے (ان کے سوا اور کوئی ایمان نہیں لائے گا تو جو کام یہ کر رہے ہیں ان کی وجہ سے غم نہ کھاؤ۔

حضرت نوحؑ کی عذاب کے لیے دعا

بالآخر قوم کی اصلاح سے بالکل مایوس ہو جانے کے بعد اور مسلسل زہرہ گداز مصائب سے تنگدل ہو کر حضرت نوحؑ نے بارگاہ ایزدی میں دعا کی:

اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ (القمر ۱۰)	(پارالہا) میں ان کے مقابلہ میں کمزور ہوں تو (ان سے) بدلہ لے۔
رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ (مومنون ۲۶)	پروردگار! انھوں نے مجھے جھٹلایا ہے تو میری مدد کر۔
وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِیْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا ضَلٰلًا (نوح ۲۴)	(پروردگار) انھوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے تو تُو ان کو اور گمراہ کر دے۔

اور

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا (نوح ۲۶)	پروردگار! کسی کافر کو روے زمین پر بسنا نہ رہنے دے۔

چونکہ ان کی عصیاں کاری اس درجہ پر پہنچ چکی ہے کہ

اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا یَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (نوح ۲۷)	اگر تو ان کو رہنے دے گا تو تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان سے جو اولاد ہو گی وہ بھی بدکار اور ناشکر گذار ہو گی۔

اور پیغمبر کی دعا مقبول ہوئی [1]

[1] توراۃ میں حضرت نوح کا ذکر کتاب پیدائش کے پانچ ابواب (۵ تا ۱۰) میں ہے لیکن اس میں آپ کی تبلیغ و ارشاد اور تعلیمات، اور قوم کے ردعمل کے متعلق کچھ نہیں ملتا نہ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ طوفان میں تباہ ہونیوالوں کا گناہ کیا تھا۔ اس کے متعلق صرف قرآن مجید نے اطلاع دی ہے جیسا کہ اوپر کے اقتباسات اور تصریحات سے ظاہر ہے البتہ جو چیز قرآن میں نہیں ملتی اور توراۃ میں موجود ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کی بداعمالیوں کو دیکھ کر اس امر پر پچھتایا اور غمگین ہوا (نعوذ باللہ) کہ اس نے انسان کو کیوں پیدا کیا اور پھر اس نے کہا کہ میں روے زمین سے انسان کے وجود کو فنا کر دوں گا (پیدائش باب ۶، ۷)

عذاب کی اطلاع، کشتی بنانے کا حکم اور دیگر متعلقہ احکامات

حضرت نوحؑ کو مطلع فرمایا گیا کہ مشیت الٰہی کا فیصلہ یہ ہے کہ عنقریب طوفان آئے گا اور تمام نافرمان اور سرکش لوگ غرق کر دیے جائیں گے۔ ساتھ ہی ساتھ آپ کو کشتی بنانے کا حکم دیا گیا اور یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ اب جبکہ مشیت ایزدی کا فیصلہ صادر ہو چکا اس لیے وہ اللہ کے حضور میں اب کسی کافر کی سفارش اور خیر خواہی نہ کریں، علاوہ ازیں فرمایا گیا کہ جب پانی چڑھنے لگے تو اپنے گھر والوں، مومنوں اور تمام جانوروں کے ایک ایک جوڑے کو ساتھ لے کر خدا کی ثنا و صفت کرتے ہوئے کشتی میں بیٹھیں اور اس کی تعریف کرتے ہوئے کشتی سے اُتریں۔

سورۂ مومنون میں ہے۔

فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ۝

پس ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ ہمارے سامنے اور ہمارے حکم سے ایک کشتی بناؤ، پھر جب ہمارا حکم آپہنچے اور تنور جوش مارنے لگے تو سب (جانوروں) میں سے جوڑا جوڑا، دو دو کشتی میں بٹھا لو اور اپنے گھر والوں کو بھی سوا انکے جن کی نسبت ان میں سے (ہلاک ہونے کا) حکم پہلے (صادر) ہو چکا ہے اور ظالموں کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا، وہ ضرور ڈبو دیے جائینگے اور جب تم اور تمھارے ساتھی کشتی میں بیٹھ جاؤ تو (خدا کا شکر کرنا اور) کہنا کہ سب تعریف خدا ہی کو (سزاوار) ہے جس نے ہم کو ظالموں سے نجات بخشی اور (یہ بھی) کہنا کہ اے پروردگار ہم

(مومنون ۲۷ تا ۲۹)

قوم کا تمسخر اور حضرت نوحؑ کا جواب

کو مبارک جگہ اتارا یو اور تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔
چنانچہ حکم الٰہی کے مطابق حضرت نوحؑ نے کشتی بنانا شروع کی۔ متکبر سرداران قوم جب ادھر سے گذرتے تو آپ کا مذاق اُڑاتے کہ خشک زمین پر پانی سے بچاؤ کی تدبیریں کر رہے ہیں آپ فرماتے آج تم ہمارے اس فعل کو بے عقلی سمجھ کر ہنس رہے ہو اور اپنی سفاہت و جہالت سے بے خبر ہو۔ شاید تمھیں خبر نہیں کہ اب وہ وقت دور نہیں کہ خدا کا عذاب نازل ہو اور ہم تمھاری رسوائی و گمراہی پر ہنسیں۔

وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ قف وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّنْ قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ ط قَالَ اِنْ تَسْخَرُوا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ؕ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ لا مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ۔

(ہود ۳۸، ۳۹)

اور (نوحؑ نے) کشتی بنانی شروع کر دی، اور جب ان کی قوم کے سرداران کے پاس سے گذرتے تو ان سے تمسخر کرتے، وہ کہتے کہ اگر تم ہم سے تمسخر کرتے ہو تو جس طرح تم ہم سے تمسخر کرتے ہو اسی طرح (ایک وقت) ہم بھی تم سے تمسخر کریں گے اور تم کو جلد معلوم ہو جائیگا۔ کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کرے گا۔ اور کس پر ہمیشہ کا عذاب نازل ہوتا ہے۔

کشتی نوحؑ

قرآن مجید نے بتایا ہے کہ یہ کشتی تختوں اور میخوں سے بنی تھی:

وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّ دُسُرٍ

(القمر ۱۳)

اور ہم نے سوار کر دیا ان کو ایک تختوں اور میخوں والی (کشتی) پر

توراۃ نے بتایا ہے کہ یہ تختے "گوپھر" کی لکڑی کے تھے:

"تو گوپھر کی لکڑی کی ایک کشتی اپنے لیے بنا۔" (پیدائش باب ۶، ۱۴)

توراۃ کے بیان کے مطابق اس کشتی کی لمبائی تین سو ہاتھ، چوڑائی پچاس ہاتھ اور اونچائی

ُتیس ہاتھ تھی۔ اس میں اُوپر نیچے تین درجے تھے جن میں کمرے بنے تھے اور ان کے اندر و باہر رال لگا ہوا تھا۔ (کتاب پیدائش باب ۶ ۱۵ و ۱۶)[۱]

نزولِ عذاب کا آغاز

بالآخر اطلاع پیشین کے مطابق نزولِ عذاب کا آغاز ہوا۔ اور "تنور" سے پانی اُبلنے لگا:

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ (ھود ۴۰)

یہاں تک کہ ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور جوش مارنے لگا۔

تنور کے معنی میں اختلاف

"تنور" کے معنی میں ہمارے مفسرین نے اختلاف کیا ہے معنی کے اس اختلاف کو بیان کرتے ہوئے مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

"بعض مطلق روٹی پکانے کا تنور مراد لیتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ ایک تنور حضرت حوا سے منتقل ہوتے ہوتے حضرت نوح علیہ السلام تک پہنچا تھا، وہ ان کے گھر میں طوفان کا نشان ٹھہرایا گیا تھا کہ جب اس سے پانی اُبلنے لگے تو کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ بعض کے نزدیک "تنور" کوئی خاص چشمہ کوفہ یا "جزیرہ" میں تھا بعض نے دعویٰ کیا ہے کہ "تنور" صبح کے اُجالے اور روشنی کو کہا ہے، یعنی صبح کی روشنی خوب چمکنے لگے۔ ابو حیان کہتے ہیں کہ "فَارَ التَّنُّوْرُ" ممکن ہے "ظہور عذاب"

---

[۱] حال ہی میں مغربی ماہر آثار قدیمہ فرڈینینڈ نوارا (Ferdenand Navrra) نے جو ترکی میں کوہ ارارات کا دورہ کر کے لوٹا ہے، دعویٰ کیا ہے کہ اس نے ارارات کے پہاڑ پر خاص اس مقام کا معائنہ کیا جہاں حسب بیان توراۃ کشتی نوح ٹھہری تھی، وہاں سے وہ اس کشتی کی لکڑی کا ایک ٹکڑا بھی لایا ہے، جو اس کشتی کے ماڈل اور طوفانِ نوح کی کچھ دوسری اثری شہادتوں کے ساتھ پیرس کے قدیمی شاہی محل (Palais Rovale) میں ۱۶۔ اکتوبر ۱۹۵۶ء سے بغرض نمائش پیش کیا گیا ہے۔

(بحوالہ روزنامہ ملتان مورخہ ۱۴۔ اکتوبر ۱۹۵۶ء)

اور"شدت ہول" سے کنایہ ہو جیسے "حَمِیَ الْوَطِیْس" شدت حرب سے کنایہ ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ "تنور" کے معنی "وجہ ارض" (سطح زمین) کے ہیں .... حافظ ابن کثیر یہ ہی تفسیر لکھنے کے بعد فرماتے ہیں وَھٰذَا قَوْلُ جمہور السلف وعلماء الخلف۔ واللہ اعلم"

(فوائد ترجمہ قرآن مجید شیخ الہند ص۲۹۲)

حسب الارشاد حضرت نوحؑ اپنے اہل وعیال، مومنین کی مختصر جماعت اور جانوروں کے جوڑوں کو لے کر کشتی میں سوار ہو گئے اور

قَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (ھود ۴۱)	کہا خدا کا نام لے کر اس میں سوار ہو جاؤ (کہ اسی کے ہاتھ میں) اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے، بے شک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔

صرف حضرت نوحؑ کا نافرمان بیٹا "یام" کشتی میں نہیں بیٹھا۔

طوفانِ نوح آخر کار طوفان پوری تیزی کے ساتھ آ گیا۔ قرآن مجید میں ہے کہ آسمان کے دہانے کھل گئے اور زمین کے چشمے جاری ہو گئے:

فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَاۗءِ بِمَاۗءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَاۗءُ عَلٰٓي اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝ (القمر ۱۱، ۱۲)	پس ہم نے زور کے مینہ سے آسمان کے دہانے کھول دیے اور زمین میں چشمے جاری کر دیے تو پانی ایک کام کے لیے جو مقدر ہو چکا تھا جمع ہو گیا

توراۃ کا بیان بھی ٹھیک اس کے قریب قریب ہے:

"نوح کی عمر کا چھ سواں سال تھا کہ اس کے دوسرے مہینے کی ٹھیک سترھویں تاریخ کو بڑے سمندر کے سب سوتے پھوٹ نکلے اور آسمان کی سب کھڑکیاں کھل گئیں"

(پیدائش باب ۱۱)

توراۃ میں ہے کہ مسلسل چالیس دن اور چالیس رات پانی برسا (پیدائش باب ۷) اور

پانچ مہینے تک پانی برابر چڑھتا رہا۔ (پیدائش باب ۲۴)

طوفان کی شدت اور تیزی کا تذکرہ قرآن اس طرح کرتا ہے۔

وَهِيَ تَجْرِي بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ؕ (ھود ۴۲)	اور وہ (کشتی) ان کو لے کر (طوفان کی) لہروں میں چلنے لگی (لہریں کیا تھیں گویا پہاڑ تھے)

توراۃ کا بیان ہے کہ

"پانی زمین پر چڑھتا ہی گیا اور بہت بڑھا اور کشتی پانی کے اوپر تیرتی رہی، اور پانی زمین پر بہت ہی زیادہ چڑھا اور سب اونچے پہاڑ جو دنیا میں ہیں چھپ گئے پانی ان سے پندرہ ہاتھ اور اوپر چڑھا اور پہاڑ ڈوب گئے"

(پیدائش باب ۱۸ و ۱۹)[۱]

حضرت نوحؑ کے نافرمان بیٹے کی غرقابی کا واقعہ

نافرمان بیٹے "یام" کی غرقابی کا تذکرہ صرف قرآن نے کیا ہے۔ توراۃ یہاں بالکل خاموش ہے

حضرت نوحؑ کا ایک بیٹا "یام"، نافرمان اور سرکش تھا اور کافروں کی صحبت میں رہتا تھا۔ وہ کشتی میں سوار نہیں ہوا اور اس کو ایک معمولی سیلاب سمجھا۔ جب پانی بڑھنا شروع ہوا تو حضرت نوحؑ نے جو اس طوفان کی ہولناکی سے پوری طرح واقف تھے اس کو آواز دی:

وَهِيَ تَجْرِي بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۚ وَنَادَىٰ نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ	اور وہ لے جا رہی تھی ان کو لہروں میں جیسے پہاڑ اس وقت پکارا نوحؑ نے اپنے بیٹے کو جو الگ تھا

---

[۱] ۱۹۲۹ء میں جب انگریز اور امریکی ماہرین آثار قدیمہ کی زیر نگرانی خلیج فارس کے قریب اُر (Ur) کے قدیم شہر کی کھدائی ہو رہی تھی تو کافی گہرائی پر ایک خاص قسم کی مٹی کی دس فٹ موٹی ایک تہہ پائی گئی جس کا معائنہ کرنے کے بعد ان مشہور ماہرین اور سائنسدانوں نے اعلان کیا "ہم نے طوفان نوح کے نشانات پا لیے ہیں We have found the Flood". قرب و جوار کی زمین کے سائنٹفک امتحانوں سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ مٹی کی یہ تہہ ایک زبردست طوفان کی باقیماندہ تلچھٹ (Residue) ہے جو تقریباً ۴۰۰۰ سال قبل مسیح میں آیا ہوگا۔ جنوبی میسوپوٹامیا کے دریا کی وادیوں میں ہر جگہ ایسی ہی مٹی کی تہیں پائی گئی ہیں۔

يٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ (ھود ۴۲)

(اور کہا) کہ بیٹا ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں میں شامل نہ ہو۔

وہ اپنے جہل اور حماقت سے اس غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ یہ دنیا کے عام سیلابوں کی طرح کوئی سیلاب ہے اور میں کسی پہاڑی پر چڑھ کر پناہ لے لوں گا۔ بولا:

سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ (ھود ۴۳)

میں کسی پہاڑ سے جا لگوں گا اور وہ مجھے پانی سے بچا لے گا۔

حضرت نوحؑ نے ارشاد فرمایا کہ بدبخت کس خیال خام میں ہے، یہ معمولی سیلاب نہیں عذاب الٰہی کا طوفان ہے۔ آج اس کی رحمت کے سوا اور کس میں قدرت ہے کہ بچا سکے۔

قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ (ھود ۴۳)

(نوحؑ نے) کہا کہ آج خدا کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں (اور نہ کوئی بچ سکتا ہے) مگر جس پر خدا رحم کرے۔

یہ گفتگو ابھی ہو ہی رہی تھی کہ عذاب الٰہی کی موجیں اٹھیں اور ہمیشہ کے لیے اس کو خاموش کر گئیں

وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ (ھود ۴۳)

اور دونوں کے درمیان لہر آ حائل ہوئی اور وہ ڈوب کر رہ گیا۔

طوفان کا تھمنا اور کشتی کا ٹھہرنا

بالآخر جب سب کافر کیفر کردار کو پہنچ گئے تو طوفان کو تھم جانے کا حکم ہوا:

وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ (ھود ۴۴)

اور حکم دیا گیا کہ اے زمین اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان تھم جا۔ تو پانی خشک ہو گیا اور کام تمام کر دیا گیا اور کشتی کوہ جودی پر جا کر ٹھہر گئی اور کہہ دیا گیا کہ بے انصافوں پر لعنت (ہو)

توراۃ میں ہے:

"اور سمندر کے سوتے اور آسمان کے دریچے بند کیے گئے اور آسمان سے جو بارش ہو رہی تھی تھم گئی اور پانی زمین پر سے گھٹتے گھٹتے ایک سو پچاس دن کے بعد کم ہوا اور ساتویں مہینے کی سترھویں تاریخ کو کشتی اراراط کے پہاڑوں پر ٹک گئی۔ اور پانی میں دسویں مہینے کی پہلی تاریخ کو پہاڑوں کی چوٹیاں نظر آئیں۔"

(کتاب پیدائش باب ۲ تا ۵)

توراۃ کا بیان ہے کہ اس کے چالیس دن کے بعد حضرت نوحؑ نے کشتی کی کھڑکی کھول کر ایک کوے اور ایک کبوتری کو اڑا دیا۔ چونکہ ہنوز تمام سطح زمین پر پانی تھا اس لیے کبوتری لوٹ آئی۔ سات دن کے بعد حضرت نوحؑ نے پھر اس کو اڑا دیا اور وہ شام کو زیتون کی ایک پتی چونچ میں لے کر واپس آئی۔ اس کے سات دن بعد پھر اس کو اڑایا اور پھر وہ واپس نہ لوٹی۔ (پیدائش باب ۷ تا ۱۲) اس کے بعد توراۃ میں ہے:

"اور چھ سو برس کے پہلے مہینہ کی پہلی تاریخ کو یوں ہوا کہ زمین پر سے پانی سوکھ گیا اور نوحؑ نے کشتی کی چھت کھولی اور دیکھا کہ زمین کی سطح سوکھ گئی ہے اور دوسرے مہینے کی ستائیسویں تاریخ کو زمین بالکل سوکھ گئی۔"

(پیدائش باب ۱۳ و ۱۴)

تاریخ عالم اور اساطیر اقوام کے مذکورہ چند عالمگیر طوفان

تاریخ عالم اور اساطیر اقوام کے مطالعہ سے اس قسم کے متعدد عالمگیر طوفانوں کا پتہ چلتا ہے جو بالکل طوفان نوح سے مشابہ ہیں کیا عجب ہے کہ یہ سب اسی عظیم الشان طوفان کے مختلف اذکار ہوں جس کی خبر حضرت نوح علیہ السلام کے سلسلہ میں وحی الٰہی نے دی ہے:

۱۔ اس ذیل میں سب سے پہلا طوفان وہ تھا جس کو "طوفان عام جیولوجی" کہتے ہیں جو آغاز آفرینش میں زمینی بخارات کے التہاب کی بنا پر آیا اور تمام روئے زمین پر چھا گیا۔

سائنس کی تحقیقات کی روشنی میں اس طوفان کی عمومیت ناقابل انکار ہے۔

۲۔ انسانی آبادی کے بعد سب سے پہلا اور بڑا طوفان وہ ہے جس کا تذکرہ اساطیر ہند میں ملتا ہے' اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وشنو دیوتا نے اپنے ایک پجاری "منو" کو گمراہوں کی ہلاکت کے لیے ایک طوفان عام کی آمد کی اطلاع دی اور "منو" کو حکم دیا کہ ایک کشتی تیار کرے اور طوفان آنے پر اس میں سات رشیوں' ان کی عورتوں اور تمام حیوانات کے ایک ایک جوڑے کو بٹھا لے۔ سات دن بعد یہ طوفان آیا۔ اور تمام زمین غرق آب ہو گئی۔

۳۔ تیسرا طوفان وہ ہے جو قدیم کلدانی روایتوں کے مطابق بادشاہ "ذی زونترہ دس" کے عہد میں بابل میں آیا، اس کو "خردنس" (زحل) دیوتا نے اس طوفان کی اطلاع دی تھی اور اپنے اہل وعیال کے لیے ایک کشتی بنانے کا حکم دیا تھا۔ پانی کم ہوا تو بادشاہ نے دو چڑے اڑا دیے پہلی مرتبہ چڑا واپس آ گیا' دوسری مرتبہ پنجوں میں کیچڑ اور چونچ میں گھاس تھی۔ تیسری مرتبہ اڑایا گیا تو واپس نہ آیا' کشتی ایک پہاڑ پر رک گئی۔ وہیں اہل کشتی اترے اور ایک قربان گاہ تعمیر کی۔

۴۔ چوتھا طوفان "ہیرا بولیس" کا ہے جس کا ذکر "لوسیانوس" نے کیا ہے۔ اس میں "دیکالیون" کو کشتی بنانے کا حکم ملا تھا۔ طوفان سے صرف اس کے اہل وعیال بچے باقی ساری آبادی غرق ہو گئی' کشتی "ہیرابولیس" جا کر ٹھہری اور وہاں "دیکالیون" نے ایک ہیکل تعمیر کیا۔

۵۔ پانچواں طوفان جزیرۂ "ساموتراس" کا ہے مشہور یونانی مؤرخ ڈیوڈورس کی رائے میں بحیرہ مارمورا اسی طوفان سے نکلا۔

۶۔ چھٹا طوفان وہ ہے جو "دیکالیون" کے عہد میں تھسلی میں ۱۶۰۰ ق م میں آیا اور ملک کو بہا لے گیا (بروایت ہیروڈوٹس)

۷۔ ساتواں طوفان وہ ہے جو بروایت ''آگیٹنس'' یونان قدیم کے علاقہ ''بولیسی'' میں ''اوجیج'' بادشاہ کے عہد میں ۹۰۰ء ق م میں بحیرہ کوپالیس میں سیلاب آنے کی وجہ سے آیا تھا۔

قیام طوفان کا زمانہ پہلے گذر چکا ہے کہ توراۃ کے بیان کے مطابق جب حضرت نوحؑ کی عمر ۵۹۹ سال ایک مہینے اور ۱۷ دن کی تھی تو طوفان آنا شروع ہوا۔ کہ جب آپ کی عمر ۶۰۰ سال ایک مہینہ اور ۲۷ دن تھی تو زمین خشک ہوئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع سے آخر تک اس طوفان کا کل زمانہ ایک سال اور دس دن تھا

''ارارات'' اور ''جودی'' کشتی ٹھہرنے کا مقام توراۃ نے ارارات بتایا ہے اور قرآن مجید نے اس کا نام جودی لیا ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کہتے ہیں:

''حضرت نوحؑ کا ظہور اس سرزمین میں ہوا تھا جو دجلہ اور فرات کی وادیوں میں واقع ہے۔ دجلہ اور فرات، آرمینیا کے پہاڑوں سے نکلی ہیں اور بہت دور الگ الگ بہہ کر عراق زیریں میں باہم مل گئی ہیں اور پھر خلیج فارس میں سمندر سے ہمکنار ہوتی ہیں۔ آرمینیا کے یہ پہاڑ ''ارارات'' کے علاقہ میں واقع ہیں۔ اسی لیے توراۃ میں انہیں ''ارارات کا پہاڑ'' کہا گیا ہے۔ لیکن قرآن نے خاص اس پہاڑ کا خاص ذکر کیا ہے جس پر کشتی ٹھہری تھی۔ وہ ''جودی'' تھا۔

''زمانہ حال کے بعض شارحین توراۃ کے خیال میں ''جودی'' اس سلسلۂ کوہ کا نام ہے جس نے ارارات اور جارجیا کے سلسلہ ہائے کوہ کو ملا دیا ہے، وہ کہتے ہیں سکندر کے زمانہ کی یونانی تحریرات سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ کم از کم یہ واقعہ تاریخی ہے کہ آٹھویں صدی مسیحی تک وہاں ایک معبد موجود تھا اور لوگوں نے اس کا نام ''کشتی کا معبد'' رکھ دیا تھا۔

(ترجمان القرآن جلد دوم صفحہ ۲۹۲-۲۹۳)

کافروں کی سزا

یہ سرکش قوم اپنی نافرمانی کی بنا پر ڈوب کر مری اور مرنے کے بعد نذرِ دوزخ کر دی گئی۔

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ۬ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ۝ (نوح ۲۵)

وہ اپنے گناہوں کے سبب غرقاب کر دیے گئے پھر آگ میں ڈال دیے گئے تو انھوں نے خدا کے سوا کسی کو اپنا مددگار نہ پایا۔

بیٹے کے لیے حضرت نوحؑ کی فریاد اور اس کا جواب

طوفان جب تھم گیا اور تمام کافر غرقاب ہو چکے تو حضرت نوحؑ کو پھر اپنے بیٹے "یام" کا خیال آیا چونکہ کشتی میں سوار کرنے کے حکم میں وَاَهْلَكَ (اور تیرے گھر والے۔ ھود ۴۰) بھی ارشاد فرمایا گیا تھا اور حضرت نوحؑ کا خیال تھا کہ بیٹا ہونے کی حیثیت سے گھر والوں میں تو اس کا شمار ہے ہی۔ اس لیے محبتِ پدری کے جوش میں بارگاہِ الٰہی میں فریاد کی:

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ (ھود - ۴۵)

اور نوحؑ نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا کہ پروردگار میرا بیٹا بھی میرے گھر والوں میں ہے (تو اس کو بھی نجات دے) تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بہتر حاکم ہے۔

بارگاہِ ایزدی سے پیغمبر کی اس فریاد کا جو جواب ملا وہ قابلِ غور ہی نہیں عبرت حاصل کرنے کی چیز ہے۔ ارشاد ہوا:

قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۖ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ (ھود ۴۶)

فرمایا اے نوحؑ وہ تیرے گھر والوں میں نہیں ہے وہ بدافعال ہے تو جو تجھ کو معلوم نہیں اس کے بارے میں مجھ سے سوال مت کر۔ میں تجھ کو نصیحت کرتا ہوں (تاکہ) تو جاہلوں میں نہ ہو جائے۔

پیغمبرانہ سعادت کس کو کہتے ہیں، یہ حضرت نوح کے الفاظ سے واضح ہے۔ آپ نے عرض کیا۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیٓ اَعُوۡذُ بِکَ اَنۡ اَسۡـَٔلَکَ مَا لَیۡسَ لِیۡ بِہٖ عِلۡمٌ ؕ وَ اِلَّا تَغۡفِرۡ لِیۡ وَ تَرۡحَمۡنِیۡۤ اَکُنۡ مِّنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ○ (ھود۔ ۴۷)

کہا، پروردگار میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ ایسی چیز کا تجھ سے سوال کروں جس کی حقیقت مجھے معلوم نہیں اور اگر تو مجھے نہیں بخشے گا اور مجھ پر رحم نہیں کرے گا تو میں تباہ ہو جاؤں گا۔

حضرت نوحؑ کی بیوی

توراۃ نے اس عذاب الیم اور مصیبت عظمیٰ سے بچنے والوں کی فہرست میں حضرت نوحؑ کی بیوی کا نام بھی لیا اور طوفان کے بعد کشتی سے اُترنے والوں کے سلسلہ میں بھی ان کا ذکر کیا ہے، طوفان کی آمد کے ذکر سے بعد توراۃ میں ہے:

"تب نوحؑ اور اس کے بیٹے اور اس کی بیوی اور اس کے بیٹوں کی بیویاں اس کے ساتھ طوفان کے پانی سے بچنے کیلئے کشتی میں گئے" (کتاب پیدائش باب ۷)

پھر طوفان تھم جانے اور پانی خشک ہو جانے کے بعد کشتی سے اُترنے کے ذکر میں ہے:

"تب خدا نے نوحؑ سے کہا کہ کشتی سے باہر نکل آ۔ تو اور تیرے ساتھ تیری بیوی تیرے بیٹے اور تیرے بیٹوں کی بیویاں" (پیدائش باب ۱۵ اور ۱۶)

گویا، توراۃ کے بیان کے مطابق حضرت نوحؑ کی بیوی مومنہ اور نجات پانے والوں میں تھیں مگر قرآن مجید نے تصریح کی ہے کہ نہیں۔ حضرت نوحؑ کی بیوی (حضرت لوطؑ کی بیوی کی طرح) کافرہ تھی۔ وہ طوفان میں غرق ہو گئی اور پھر دوسرے کافروں کے ساتھ نذر آتش کر دیگئی۔ سورۂ تحریم میں ارشاد ہوتا ہے:

ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوا امۡرَاَتَ نُوۡحٍ وَّ امۡرَاَتَ لُوۡطٍ ؕ کَانَتَا تَحۡتَ عَبۡدَیۡنِ مِنۡ عِبَادِنَا صَالِحَیۡنِ

خدا نے کافروں کے لیے نوحؑ کی بیوی اور لوطؑ کی بیوی کی مثال بیان فرمائی ہے۔ دونوں ہمارے دو نیک بندوں کے گھر میں تھیں اور دونوں نے

فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّ قِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ (التحریم ۔۔ ۱۰)	ان کی خیانت کی تو وہ خدا کے مقابلہ میں ان عورتوں کے کچھ بھی کام نہ آئے اور ان کو حکم دیا گیا کہ اور داخل ہونے والوں کے ساتھ تم بھی دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔

کشتی سے اُترنا اور حضرت نوحؑ کی دعا بالآخر حضرت نوح کو کشتی سے نیچے اُتر آنے کا حکم ہوا :

قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ط (ھود ۔ ۴۸)	حکم ہوا کہ نوح ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ (جو) تم پر اور تمھارے ساتھ کی جماعتوں پر (نازل کی گئی ہیں) اُتر آؤ۔

اور حضرت نوح خدا کا شکر ادا کرکے اس کی ثناء وصفت کہتے ہوے باہر تشریف لائے اور بارگاہِ ایزدی میں دعا کی :

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ط وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ۔ ○ (نوح ۔۔ ۲۸)	اے پروردگار مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور جو ایمان لاکر میرے گھر میں آئے ان کو اور تمام ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو معاف فرما، اور ظالم لوگوں کے لیے اور زیادہ تباہی بڑھا

طوفان حضرت نوحؑ کا انتقام لینے کے لیے آیا قوم کی غباوت وجہالت اور طغیان و سرکشی سے تنگ آکر حضرت نوحؑ نے خدا کے غضب کو پکارا تھا اور اپنا انتقام لینے کے لیے پکارا تھا :

اِنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ (القمر ۔ ۱۰)	(رب العزت) میں کمزور ہوں تو بدلا لے۔

چنانچہ عذاب الٰہی نازل ہوا اور پیغمبر کا بدلہ لینے کے لیے نازل ہوا۔

جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ○ (القمر ۔ ۱۴)	انتقام لینے کے لیے اس شخص کی طرف جسکی قدر نہ جانی تھی

عموم اور عدم عموم طوفان کی بحث | توراۃ عموم طوفان کی تائید کرتی ہے۔ کتاب پیدائش کے چھٹے اور ساتویں باب میں متعدد مقامات پر اس کی تصریحات ملتی ہیں مثلاً:-

"اور خداوند نے کہا میں انسان کو جسے میں نے پیدا کیا روئے زمین سے مٹا ڈالوں گا" (باب ۶ ، ۷)

دوسری جگہ ہے

"اور خدا نے نوح سے کہا کہ تمام بشر کا خاتمہ میرے سامنے آپہنچا ہے کیونکہ ان کے سبب زمین ظلم سے بھر گئی" (باب ۶ ، ۱۳)

تیسرے مقام پر ہے

"اور ہر جاندار شے کو جسے میں نے بنایا زمین پر سے مٹا ڈالوں گا" (باب ۷ ، ۴)

چوتھی جگہ تصریح ہے

"ہر جاندار شے جو روئے زمین پر تھی مر مٹی، کیا انسان، کیا حیوان، کیا رینگنے والے جاندار، کیا ہوا کا پرندہ، یہ سب کے سب زمین پر سے مر مٹے۔ فقط ایک نوح بچا، یا وہ جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے" (باب ۷ ، ۲۳)

ہمارے علماء میں اس امر پر اختلاف ہے کہ یہ طوفان ساری دنیا میں آیا یا صرف قوم نوحؑ پر اور کسی ایک طبقۂ ارض پر نازل ہوا۔ یہ صحیح ہے کہ توراۃ کی طرح قرآن مجید نے اس امر کی واضح طور پر تصریح نہیں کی کہ دنیا کا ہر انسان اور جاندار ہلاک ہو گیا۔ در اصل قرآن مجید سے دونوں نظریوں کی تائید میں اشارے تلاش کیے جا سکتے ہیں

مثال کے طور پر ہم ان دونوں نظریوں کے سلسلہ میں الگ الگ قرآن مجید سے کچھ اشارے پیش کرتے ہیں۔ عموم طوفان کی تائید میں قرآن کے یہ مقامات پیش کیے جا سکتے ہیں۔

(۱) طلب عذاب کے سلسلہ میں حضرت نوحؑ نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی تھی کہ

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ (نوح - ۲۶)

میرے پروردگار کسی کافر کا گھر زمین پر نہ چھوڑ۔

۲۔ حضرت نوحؑ اور ان کے ہم جلیس سفینہ بچا لیے گئے اور باقی لوگ غرق کر دیے گئے" باقی لوگوں" سے مراد ساری دنیا کے باقی لوگ بھی ہو سکتے ہیں اور قوم کے باقی لوگ بھی۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ۝ (الشعراء ۱۱۹ و ۱۲۰)

پس ہم نے ان کو اور جو ان کے ساتھ بھری ہوئی کشتی میں اسوار) تھے ان کو بچا لیا۔ پھر اس کے بعد باقی لوگوں کو ڈبو دیا۔

۳۔ تنہا اولاد نوحؑ کو دنیا میں باقی رہنے والا بنایا گیا اور دوسروں کو ڈبو دیا گیا۔ یہاں بھی "دوسروں" سے باقی تمام دنیا بھی مراد ہو سکتی ہے اور باقی تمام قوم بھی۔ لیکن صرف اولاد نوحؑ کو باقی رہنے والا بتانے سے قیاس ہوتا ہے کہ غالباً "دوسروں" سے مراد باقی تمام دنیا ہی ہو۔

وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِى الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝ (والصّٰفّٰت ۷۶ تا ۸۲)

اور ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بڑی مصیبت سے نجات دی اور ان کی اولاد کو ایسا کیا کہ وہی باقی رہ گئے، اور پیچھے آنے والوں میں ان کا (ذکر جمیل) باقی چھوڑ دیا۔ سارے جہان والوں میں نوحؑ پر سلام ہو۔ نیکو کاروں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں، بیشک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔ پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا۔

چنانچہ اکثر و بیشتر علماء کا اتفاق ہے کہ آج تمام دنیا کے باشندے حضرت نوحؑ کے تین بیٹوں، سام، حام اور یافث کی اولاد سے ہیں۔ جامع ترمذی کی بعض احادیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے علاوہ ازیں اکثر محققین یورپ کے اقوال و دلائل بھی عموم طوفان کی تائید میں ہیں۔

علماء کے دوسرے طبقہ کا خیال ہے کہ عذاب الٰہی سارے اہل زمین پر نہیں، صرف قوم نوحؑ پر

ہی نازل ہوا تھا، اس سلسلہ میں قرآن کے حسب ذیل مقامات پیش کیے جا سکتے ہیں :۔

(۱) قوم نوح اپنے کفر کے سبب حق کی طرف سے اندھی ہو گئی تھی۔ یہ ہلاک کر دی گئی۔

وَاَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ کَانُوْا قَوْمًا عَمِیْنَ (الاعراف ۶۴)	اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا، انھیں غرق کر دیا کچھ شک نہیں کہ وہ اندھی قوم تھی۔

(۲) دوسری اقوام کی ہلاکت کے سلسلہ میں ارشاد ہوتا ہے :

وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ کَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ۝ (الذاریات ۴۶)	اور اس سے پہلے (ہم) قوم نوحؑ کو (ہلاک کر چکے تھے) بیشک وہ نافرمان لوگ تھے۔

(۳) ظالم اور سرکش لوگ ہی غرق ہوئے :۔

فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ (العنکبوت ۱۴)	پھر ان کو طوفان نے آپکڑا، اور وہ ظالم تھے۔

جس طرح اور قوموں پہ عذاب نازل ہوئے اسی طرح قوم نوحؑ بھی ہلاک ہوئی :۔

کَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ۝ وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ الْاَیْکَةِ ؕ اُولٰٓئِکَ الْاَحْزَابُ ۝ اِنْ کُلٌّ اِلَّا کَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ۝ (صٓ - ۱۲ تا ۱۴)	ان سے پہلے نوحؑ کی قوم اور عاد اور میخوں والا فرعون (اور اس کی قوم کے لوگ) بھی جھٹلا چکے ہیں اور ثمود اور لوط کی قوم اور بن کے رہنے والے بھی، یہی وہ گروہ ہیں (ان) سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو میرا عذاب آ واقع ہوا۔

مولانا ابوالکلام آزاد اس سلسلہ میں علماء کے اسی طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں جو عدم عموم طوفان کے نظریہ کے قائل ہیں۔ مولانا اس سلسلہ میں کہتے ہیں۔

" قرآن نے جس طرح دوسری قوموں کے عذاب کا ذکر کیا ہے اسی طرح قوم نوح کے عذاب کا بھی ذکر کیا ہے اور اگر دوسری قوموں کا عذاب صرف انہی قوموں کے لیے تھا تو کوئی وجہ نہیں کہ قوم نوح کا عذاب یعنی طوفان عالمگیر تصور کیا جائے۔ لیکن چونکہ

توراۃ کی کتاب پیدائش میں اس طرح کی تصریحات موجود ہیں کہ طوفان عام تھا اور یہودیوں اور عیسائیوں کا ایسا ہی اعتقاد رہا ہے اس لیے مسلمانوں میں بھی یہ خیال پھیل گیا اور اس طرح کی تفسیر کی جانے لگی جو طوفان کے عموم پر مبنی تھی۔ بہرحال دو باتیں یاد رکھنی چاہئیں ایک یہ کہ قرآن میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جس سے طوفان نوح عام ثابت ہوتا ہو، دوسری یہ کہ توراۃ کے بقیہ اجزاء کے بارے میں کچھ ہی کہا جائے لیکن موجودہ زمانہ میں علم و تحقیق کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہے کہ کتاب پیدائش لائق اعتماد نہیں خصوصاً اس کا ابتدائی حصہ" (ترجمان القرآن۔ جلد دوم صفحہ ۲۱۸)

ہمارے نزدیک ان دونوں نظریوں کی تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ ممکن ہے حضرت نوحؑ کے زمانے میں دنیا کے دوسرے حصوں میں ابھی انسانی آبادی شروع نہ ہوئی ہو اور نسل انسانی ہنوز آپ ہی کے علاقہ میں محدود ہو۔ اور وہ تمام علاقہ غرق آب ہو جانے کی وجہ سے ساری انسانی آبادی جو اس وقت تھی تباہ ہو گئی ہو، واللہ اعلم۔

طوفان نوحؑ کی تاریخ مولانا عبدالماجد دریا بادی فرماتے ہیں:۔

"توریت کے نسخہ سبعینہ[1] (Septuagint Version) کا جو ترجمہ عبرانی سے یونانی میں کوئی تین سو سال قبل مسیح ہوا تھا اس کے حوالہ سے مشہور ماہر اثریات سر چارلس مارسٹن لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کی پیدائش ۱۰۷۲ طوفانی میں ہوئی تھی، اور حضرت ابراہیمؑ کی ولادت کی تاریخ سنہ قبل ولادت مسیحؑ کے حساب سے معلوم ہے (۲۱۶۰ ق م) اس حساب سے طوفان کی تاریخ تقریباً ۳۲۳۲ ق م قرار پائی ہے .... بعض اور تخمینے اور روایتیں ۲۴۰۰ ق م سے متعلق بھی ہیں" (مسائل و قصص صفحہ ۱۰۷)

حضرت نوحؑ کے بقیہ حالات مذکورہ توراۃ توراۃ میں ہے کہ کشتی سے اترنے کے بعد حضرت نوح نے ایک عبادت خانہ اور قربان گاہ تعمیر کی اور جو جانور ان کے ساتھ تھے ان میں سے کچھ کی قربانی کی، (پیدائش باب ۲۰) اس کے

[1] اس ترجمہ میں بہتر یا بہتر علماء و ماہرین شریک تھے

بعد آپ کاشتکاری کرنے لگے (پیدائش باب ۹۔ ۲۰) طوفان کے بعد ساڑھے تین سو سال حیات رہے، بالآخر ۹۵۰ سال کی عمر میں آپ نے وفات پائی (پیدائش باب ۹۔ ۲۸ و ۲۹)

قرآن مجید نے آپ کے اوصاف و صفات کا تذکرہ کرنے کے علاوہ جن کا ذکر اوپر کی آیات میں آچکا ہے آپ کو "شکر گزار بندے" کے معزز لقب سے یاد فرمایا ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوتا ہے :

اِنَّہٗ کَانَ عَبۡدًا شَکُوۡرًا (بنی اسرائیل ۳)	بیشک وہ (ہمارے) شکرگزار بندے تھے۔

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ (والصّٰفّٰت)

اور ہم نے (نوح کی) اولاد کو باقی رہنے والا بنایا

آلِ نوح

حضرت نوح کے بیٹے

حضرت نوح علیہ السلام

سام SHEM	حام HAM	یافث JAPETH	یام
(اقوام ایشیا)	(اقوام افریقہ)	(اقوام یورپ و امریکہ)	(جو طوفان میں غرق ہوا)

اقوامِ ایشیا

سام SHEM کی اولاد

سام کی پانچ اولادیں تھیں۔ ان کے نام یہ ہیں (۱) عیلام (ELAM) (۲) اسور (ASSHUR) (۳) ارفکسد (ARPHAXAD) (۴) لود (LUD) (۵) ارام (ARAM) (توراۃ پیدائش ۱۰: ۲۲)

ان میں سے دو بیٹوں کے سلسلے توراۃ میں ملتے ہیں ارام اور ارفکسد

ارام بن سام بن نوح کی اولاد ارام کے چار بیٹوں کے نام توراۃ میں مذکور ہیں :

(۱) عوض (UZ) (۲) حول (HUL) (۳) جتر (GETHER)

اور (۴) مس (MASH) (توراۃ - پیدائش ۱۰ : ۲۳).

ارفکسد بن سام بن نوح کی اولاد ارفکسد کے ایک بیٹے سلح (SALAH) کا نام توراۃ میں ملتا ہے جو حضرت ھود علیہ السلام کے والد تھے۔ ان کی عمروں کی تصریحات جو توراۃ میں ملتی ہیں یہ ہیں :

نمبر شمار	نام	انگریزی نام	مولود کی پیدائش کے وقت عمر	کل عمر	حوالہ
۱	حضرت نوح	NOAH	۵۰۲ سال	۹۵۰ سال	
۱	سام بن نوح	SHEM	۱۰۰ "	۶۰۰ "	توراۃ پیدائش ۱۱ : ۱۲
۲	ارفکسد	(ARPHAXAD)	۳۵ "	۴۶۵ "	" " ۱۱ : ۱۳
۳	سلح	SALAH	ء	۴۳۳ "	" " ۱۱ : ۱۴

اقوام افریقہ

حام بن نوح کی اولاد

حام کے چار اولادیں ہوئیں - (۱) کوش (CUSH) (۲) مصر (MIZRAIM) (۳) فوط (PHUT) اور کنعان (CANAAN) (توراۃ - پیدائش ۱۰ : ۷

ان میں فوط کے علاوہ باقی تینوں کے سلسلے بھی توراۃ میں مذکور ہیں :

کوش بن حام بن نوح کی اولاد : کوش کے حسب ذیل چھ بیٹے تھے :

(۱) سبا (SHEBA) (۲) حویلہ (HALIVAH) (۳) سبتہ (SABATH)

(۴) رعماہ (RAAMAH) (۵) سبتیکہ (SABTECHAH) اور (۶) نمرود (NIMROD)

(توراۃ پیدائش باب ۱۰)

مصر بن حام بن نوح کی اولاد : مصر کے سات لڑکے تھے۔ نام یہ ہیں :

(۱) لودی (LUDIM) (۲) عنامی (ANAMIM) (۳) لہابی (LEBAHIM)

(۴) نفتوحی NEPHTUHIM (۵) فترُوسی PATHRUSIM (۶) کسلوحی (CASLUHIM)

(۷) کفتوری (CAPHTORIM) (توراۃ پیدائش ۱۰ : ۱۴

کنعان بن حام بن نوح کی اولاد : کنعان کے گیارہ لڑکے ہوئے :

(۱) صیدا (SIDOR) (۲) حِت (HETH) (۳) یبوسی (JEBUSITE)

(۴) اموری (AMORITE) (۵) جرجاسی (GIRGASITE) (۶) حوّی (HIVITE)

(۷) عرقی (ARKITE) (۸) سینی (SIMITE) (۹) اروادی (ARVADITE)

(۱۰) صماری (ZAMARITE) اور (۱۱) حماتی (HAMATHITE)

(توراۃ، کتاب پیدائش باب ۱۵)

اقوام یورپ و امریکہ

یافث بن نوح کی اولاد

یافث کے سات بیٹے تھے :

(۱) جمر (GOMER) (۲) ماجوج (MAGOG) (۳) مادی (MADAI)

(۴) یاوان (JAVAN) (۵) توبل (TUBAL) (۶) مسک (MESHECH)
(۷) تیراس (TIBRAS) (توراۃ - پیدائش ۱۰-۲)

ان میں سے صرف جمر اور یاوان کے سلسلے توراۃ میں ملتے ہیں :

جمر بن یافث بن نوحؑ کی اولاد : جمر کے تین بیٹے تھے :

(۱) اشکناز (ASHKENAZ) (۲) ریفت RIPHATH) (۳) تجرمہ (TOGARMAH)

(توراۃ پیدائش ۱۰ : ۴)

یاوان بن یافث بن نوح کی اولاد : یاوان کی چار اولادیں تھیں۔ نام یہ ہیں :

(۱) الیسہ (ELISHAH) (۲) ترسیس (TARSHIS) (۳) کتی (KITTIM)

(۴) ددوانی (DODANIM) (توراۃ - پیدائش ۱۰ : ۵)

اولاد نوحؑ کے متعلق توراۃ اور قرآن کی تصریحات

توراۃ کا بیان ہے کہ

"نوحؑ کے بیٹوں کے خاندان ان کے گروہوں اور نسلوں کے اعتبار سے یہی ہیں۔ اور طوفان کے بعد جو قومیں زمین پر جابجا منقسم ہوئیں وہ ان ہی میں سے تھیں"

(کتاب پیدائش باب ۱۰ : ۳۲)

قرآن مجید میں ہے۔

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبٰقِيْنَ ـ (صافات ۷۷) | اور ہم نے (نوحؑ) کی اولاد کو باقی رہنے والا بنایا۔

ایک جگہ حضرت ابراہیمؑ کو حضرت نوحؑ کے گروہ سے بتایا گیا ہے اور دوسری جگہ بنی اسرائیل کو جن کی ابتدا حضرت ابراہیمؑ کے پوتے حضرت یعقوبؑ سے ہوتی ہے ان لوگوں کی اولاد فرمایا گیا ہے جو حضرت نوحؑ کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تھے:۔

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ (صافات ۸۳) | اور انھی کے پیروؤں میں ابراہیم تھے۔

بنی اسرائیل سے خطاب ہوتا ہے:۔

ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ ط (سورۂ بنی اسرائیل ۳)	اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح ؑ کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا۔

شہر بابل کی تعمیر اور اقوام کا انشعاب

قرآن مجید کا بیان ہے کہ ابتداء میں سب لوگ ایک گروہ تھے۔ ان میں اختلاف اور انتشار بعد کو پیدا ہوا:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً ۱۱ (البقرہ ۲۱۳)	(پہلے) سب لوگ ایک ہی امت تھے۔

توراۃ میں ہے:

"اور خداوند نے کہا، دیکھو یہ سب لوگ ایک ہیں اور ان سبھوں کی ایک ہی زبان ہے۔" (پیدائش باب ۱۱: ۶)

توراۃ کا بیان ہے کہ "یہ لوگ جو سب ایک تھے" اولاد نوح اور اولاد نوح ؑ کے خاندان ہی تھے۔ یہ لوگ سفر کرتے کرتے ملک سنعار کے ایک میدان میں پہنچے اور انتشار سے بچنے کے لیے انھوں نے ایک شہر اور ایک بلند برج پتھر کی بجائے اینٹ اور چونے سے تعمیر کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو وہاں سے تمام روے زمین پر منتشر و پراگندہ کر دیا۔ (پیدائش باب ۱۱: ۱ تا ۸) اس کے بعد توراۃ میں ہے۔

"اس لیے اس کا نام بابل ہوا، کیونکہ خداوند نے وہاں ساری زمین کی زبان میں اختلاف ڈالا اور وہاں سے خداوند نے ان کو تمام روے زمین پر پراگندہ کیا" (پیدائش باب ۱۱: ۹)

حضرت نوح ؑ کے بیٹوں میں زمین کی تقسیم

اس سلسلہ میں توراۃ خاموش ہے۔ طبری کا بیان ہے کہ حضرت نوح ؑ کشتی سے دوبارہ زمین پر تشریف لائے تو آپ نے زمین کے تین حصے کر کے اپنے تینوں بیٹوں میں تقسیم کر دیے۔ (۱) سام کو زمین کا وسطی حصہ دیا جس میں ملک شام اور دریاے نیل و فرات و دجلہ

وسیحون وجیحون وغیرہ کے اطراف وجوانب تھے۔ (۲) حام کو دریائے نیل کے مغرب کا حصّہ دیا اور (۳) یافث کو دریائے فیشون اور اس کے اطراف وجوانب کا حصہ دیا۔ اس طرح ملک عرب و ایران و روم کے باشندے سام کی اور دریائے نیل کے مغرب وغیرہ کے باشندے حام کی اور ترکی اور یورپ کے باشندے یافث کی اولاد ہیں (تاریخ طبری جلد اول صفحہ ۹۸، صفحہ ۱۰۲ وغیرہ)

اس تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ غالباً ایشیا والے سام کی اولاد۔ افریقہ والے حام کی اولاد اور یورپ و امریکہ کے لوگ یافث کی اولاد ہیں۔ لیکن ان امور کی تحقیق میں علمار کا اختلاف ہے۔

اختلاف السنہ | توراۃ کا بیان ہے کہ تعمیر بابل سے پہلے

"تمام زمین پر ایک ہی زبان اور ایک ہی بولی تھی" (پیدائش باب ۱۱: ۱)

اور تعمیر بابل کے بعد جب لوگ زمین پر ادھر ادھر منتشر ہوئے تو ان کی زبانیں بھی مختلف ہو گئیں۔

عام روایت کے مطابق مختلف ملکوں میں پھیل کر سام کی اولاد کی ۱۸ زبانیں، حام کی اولاد کی ۱۸ زبانیں اور یافث کی اولاد کی ۳۶ زبانیں بن گئیں [۱]

السنۂ سامیہ | اس سلسلہ میں مولانا حافظ محمد اسلم جیراجپوری لکھتے ہیں:

"ملک شام اور عرب میں بسنے والی قومیں حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی اولاد ہیں اس لیے ان کی زبانیں سامی کہی جاتی ہیں کیونکہ یہ لوگ مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے تھے اس وجہ سے ان کے لب و لہجہ بھی باہم مختلف ہو گئے اور قبیلہ اور مقام کی خصوصیت کے لحاظ سے سامی زبان کی کئی قسمیں ہو گئیں اور ان کے مختلف نام رکھے گئے۔ مثلاً عرب میں جو لوگ رہتے تھے ان کی زبان عربی اور سوریا (سیریا) یعنی شام والوں کی زبان سریانی کہلائی۔ بنی عابر کی زبان عبرانی اور ارم کی اولاد کی زبان نے آرامی کا لقب پایا۔ اسی

---

[۱] طبری جلد اول صفحہ ۱۰۵۔

طرح نبطی[1] قبیلے کی زبان نبطی اور کلدانیوں[2] کی کلدانی مشہور ہوئی" (تاریخ الامت حصہ اول ص ۳۲)

اس سلسلہ میں علامہ سید سلیمان ندوی کا بیان علمی حیثیت سے نہایت وقیع ہے اور تحقیقی اعتبار سے بڑا وزن رکھتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں :

" ملک عرب کی زبان بھی شجرۂ السنہ سامیہ کی ایک شاخ ہے۔ وہ تمام قطعۂ زمین جو بنو سام کی آبادی کہلاتی ہے حبش سے لیکر یمن، نجد اور حجاز کو طے کرتے ہوئے بابل اور شام کے کناروں پر جاکر ختم ہوتی ہے۔ عرب اس کے بیچ میں ہے ...... حبش کوئی مستقل آبادی نہیں بلکہ وہ یمن کا ایک ٹکڑا ہے اس بنا پر جغرافی حیثیت سے سامی زبانیں تین مرکزوں پر منقسم ہوتی ہیں، عربی، بابلی اور شامی۔ ان میں ہر ایک کی متعدد شاخیں ہیں :

(الف) عربی) (۱) آرامی (۲) ثمودی (۳) مدیانی (۴) نبطی (۵) عدیانی (۶) سبائی ۔ (۷) حمیری (۸) حبشی وغیرہ

(ب) بابلی (۱) آرامی (۲) کلدانی (۳) سریانی

(ج) شامی (۱) آرامی (۲) فینیقی (۳) عبرانی (۴) نذمری

" جس زمانہ میں یہ تمام قومیں صرف ایک خاندان یا قبیلہ تھا، ظاہر ہے کہ انکی کوئی مشترک زبان ہوگی جس کا نام ہم سامی رکھتے ہیں بسیکڑوں ہزاروں برس کے بعد جب یہ ایک خاندان سیکڑوں قبائل اور یہ قبائل مختلف قوموں میں منقسم ہوگئے تو ...... ضروریات کے اختلاف سے بنو سام کی مادری زبان چند بچوں کی ماں بن گئی ۔

---

[1] حضرت اسمٰعیلؑ کے بڑے بیٹے کا نام نبایوت (یا نبایوط) تھا۔ جس کو عرب نابط (یا ثابت) بھی کہتے ہیں۔ آپ کی نسل سے جو قبیلہ چلا وہ نبطی کہلاتا ہے۔ "ج"

[2] کلدانیہ یا "کالڈیہ" پہلے بابل یا میسوپوٹامیہ یعنی موجودہ عراق کا نام تھا۔ "ج"

"......... بنو سام کا اصل مسکن عرب تھا، اس لیے اصل سامی زبان کا جو کچھ بھی نام ہو لیکن جغرافی حیثیت سے اس کا نام عربی ہی ہو گا .... سامی قبائل میں سب سے پہلا نامور اور ممتاز قبیلہ بنو آرم پیدا ہوا جس کا سراغ عرب، عراق (بابل) اور شام میں ہر جگہ ملتا ہے۔ اس لیے عربی زبان کی پہلی شاخ آرامی ہو گی .... (چنانچہ) آل سام کی قدیم ترین زبان کو ملکی حیثیت سے عربی اور قومی حیثیت سے آرامی کہنا چاہیے"

(ارض القرآن جلد دوم صفحہ ۱۳۲ و ۱۳۳)

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا
(سورۂ ھود و الاعراف)
اور قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ھودؑ کو بھیجا

حضرت ھود علیہ السلام EBER

اور

قوم عاد

سلسلۂ نسب | حضرت نوحؑ سے حضرت ھودؑ تک سلسلہ نسب یہ ہے :

حضرت نوح علیہ السلام NOAH
↓
سام SHEM
↓
ارفکسد ARPHAXAD
↓
سلح SALAH
↓
عبیر (حضرت ھود علیہ السّلام) EBER

توراۃ کے بیان کے مطابق آپ حضرت آدمؑ سے چودھویں پُشت اور حضرت نوحؑ سے پانچویں پشت میں ہیں۔

عمر | توراۃ میں ہے کہ جب آپ پیدا ہوئے تو آپ کے والد سلح کی عمر ۳۰ سال کی تھی۔ آپ کی کل عمر ۴۶۴ سال کی ہوئی (توراۃ ۔ پیدائش ۱۱ : ۱۵)

حضرت ھودؑ اور توراۃ | حضرت ھود کی نبوت کی اطلاع اور ان کے مواعظ حسنہ اور تبلیغ و

ارشاد اوران کی قوم (قوم عاد) کی نافرمانی و سرکشی اور بالآخر تباہی کی تفصیل قرآن مجید نے دی ہے۔
توراۃ اس باب میں بالکل خاموش ہے۔

آپ کا مسکن قرآن مجید نے آپ کا اور قوم عاد کا مسکن سرزمین احقاف بتایا ہے۔ سورۂ الاحقاف میں ارشاد ہوتا ہے۔ وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ إِذْ أَنذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ (اور (قوم) عاد کے بھائی (ھُود) کو یاد کرو، جب انھوں نے اپنی قوم کو (سرزمین) احقاف میں ہدایت کی)

علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم ارض القرآن میں "بِلَادِ اَحْقَاف" کے تحت لکھتے ہیں :-

"یمامہ، عمان، بحرین، حضرموت اور مغربی یمن کے بیچ میں جو صحرائے اعظم "الدہنا" یا "ربع خالی" کے نام سے واقع ہے گو وہ آبادی کے قابل نہیں، لیکن اس کے اطراف میں کہیں کہیں آبادی کے لایق تھوڑی تھوڑی زمین ہے۔ خصوصاً اس حصہ میں جو حضرموت سے نجران تک پھیلا ہوا ہے گو اس وقت وہ بھی آباد نہیں تاہم عہد قدیم میں اسی حضرموت اور نجران کے درمیانی حصہ میں "عاد ارم" کا مشہور قبیلہ آباد تھا جس کو خدا نے اس کی نافرمانی کی پاداش میں نیست و نابود کر دیا۔"

حضرت ہود قوم عاد کی طرف مبعوث ہوئے سورہ اعراف اور سورہ ہود میں ہے :

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ط (اعراف ۶۵، ھود ۵۰)	اور قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ھودؑ کو بھیجا۔

اس سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں اول یہ کہ حضرت ھودؑ قوم عاد کی طرف مبعوث ہوئے اور دوسرے یہ کہ خود آپ کا تعلق بھی اسی قوم سے تھا۔ اس لحاظ سے آپ ان کے قومی اور وطنی بھائی تھے

قوم عاد جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے قوم عاد (جس کو عاد اولیٰ بھی کہتے ہیں) جنوبی مشرقی عرب میں سواحل خلیج فارس سے حدود عراق اور جنوب و مغرب میں حضرموت تک پھیلی ہوئی تھی۔ علامہ سید سلیمان ندوی کی تحقیق کے مطابق ان کے عروج کا زمانہ ۲۲۰۰ ق م سے ۱۷۰۰ ق م

بسمہ ہے (ارض القرآن جلد اوّل) ان کی زبان عربی آرامی تھی اور مذہباً یہ لوگ بُت پرست اور ستارہ پرست تھے۔

جسمانی قوت اور ڈیل ڈول کے اعتبار سے یہ قوم مشہور تھی، یہ لوگ بڑے تنومند، قد آور، شہ زور اور طاقتور تھے۔ قرآن مجید میں ہے:۔

وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْطَةً ج (الاعراف ۶۹)	اور زیادہ کر دیا تمھارے بدن کا پھیلاؤ۔

یہ بڑی مقدور والی قوم تھی۔ مال، اولاد، جتھے اور جسمانی طاقت جوان کو عطا کی گئی تھی۔ دوسری قوموں کو نہیں دی گئی۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ (الاحقاف ۲۶)	اور ہم نے ان کو ان چیزوں کا مقدور دیا تھا جن کا تم کو مقدور نہیں دیا۔

ان لوگوں کو بلند مقامات پر عالی شان اور دیرپا عمارتیں تعمیر کرنے کا بڑا شوق تھا، اُونچے اور مضبوط منارے بناتے تھے۔ رہنے کی عمارتیں بھی بڑی پُر تکلف اور شاندار تعمیر کرتے تھے اور ان میں بڑی فنکاری اور کاریگری کا مظاہرہ کرتے تھے۔ سورہ شعراء میں اسی طرف اشارہ ہے حضرت ھودؑ قوم سے فرماتے ہیں:

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ۝ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۝ (الشعراء ۱۲۸/۱۲۹)	کیا بناتے ہو ہر اُونچی زمین پر ایک نشان کھیلنے کو اور بناتے ہو کاریگریاں، شاید تم ہمیشہ رہو گے۔

یہ نہایت چیرہ دست اور ظالم قوم تھی، معاشرہ کے کمزور اور ضعیف افراد کو ظلم و ستم کی آماجگاہ اور جبر و تعدی کا نشانہ بنا رکھا تھا۔ سورۂ شعراء میں حضرت ھودؑ کی زبانی اسی امر کا تذکرہ ہے:۔

وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ۝ (الشعراء ۱۳۰)	اور جب پکڑتے ہو تو ظلم سے پکڑتے ہو۔

یہ نہایت فارغ البال قوم تھی، ان کے یہاں اموال و اولاد کی کثرت تھی اور ملک نہایت سرسبز اور شاداب تھا جس کی بنا پر یہ لوگ مطمئن اور آسودہ حال تھے۔ حضرت ھودؑ قوم کو مخاطب

کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ۝ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ (الشعراء ۱۳۳، ۱۳۴)	اس نے تمہیں چارپایوں اور بیٹوں سے مدد دی اور باغوں اور چشموں سے

لیکن یہ شاندار اور زبردست قوم گم کردہ راہ تھی اور شیطان نے ان کے اعمال اُن کی نظروں میں آراستہ کر دیئے تھے۔ اور یہ لوگ باوجود عقل و دانش کے راہِ حق سے بھٹک چکے تھے۔

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ۝ (عنکبوت ۳۸)	اور شیطان نے ان کے اعمال ان کو آراستہ کر دکھائے اور ان کو (سیدھے) راستے سے روک دیا۔ حالانکہ وہ دیکھنے والے (لوگ) تھے۔

اور اس شیطانی اغواء کی بناء پر یہ قوم شرک و بت پرستی کے گناہ کبیرہ کی مرتکب تھی، روزی دینے، مینہ برسانے، اولاد دینے، تندرستی عطا کرنے اور مختلف مطالب اور حاجات کیلیے الگ الگ بُت بنا رکھے تھے جن کی عام طور پر پرستش ہوتی تھی۔ حضرت ھودؑ قوم کے مجادلہ کے جواب میں فرماتے ہیں:

اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ط (الاعراف ۷۱)	کیا تم مجھ سے ایسے ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، جن کی خدا نے کوئی سند نازل نہیں کی۔

تبلیغ و ارشاد اور قوم سے مجادلہ

حضرت ھودؑ نے سب سے پہلے قوم کو اپنے منصبِ رسالت سے مطلع فرمایا:

اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ (الشعراء ۱۰۷)	میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔

اور پھر خدا سے ڈرا کر اپنے اتباع کی دعوت دی:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ (الشعرا ۱۰۸)	پس خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو

فارس
موصل
دریائے دجلہ
دریائے فرات
بیت المقدس
بصرہ
مدینہ
مکہ
یمن
بحرین
مسقط
عاد کا مسکن
ربع خالی
بلاد احقاف
حضرموت
عدن
حبش

حوالہ صفحہ نمبر ۱۲۶

بحر روم

شام

بیت المقدس

وادی القریٰ

قوم ثمود اور حضرت صالحؑ

حجر

عراق

دریائے دجلہ

دریائے فرات

فارس

حجاز

مدینہ

مکہ

یمن

حضر موت

عدن

بحر عرب

حبش

حوالہ صفحہ نمبر ۱۳۹
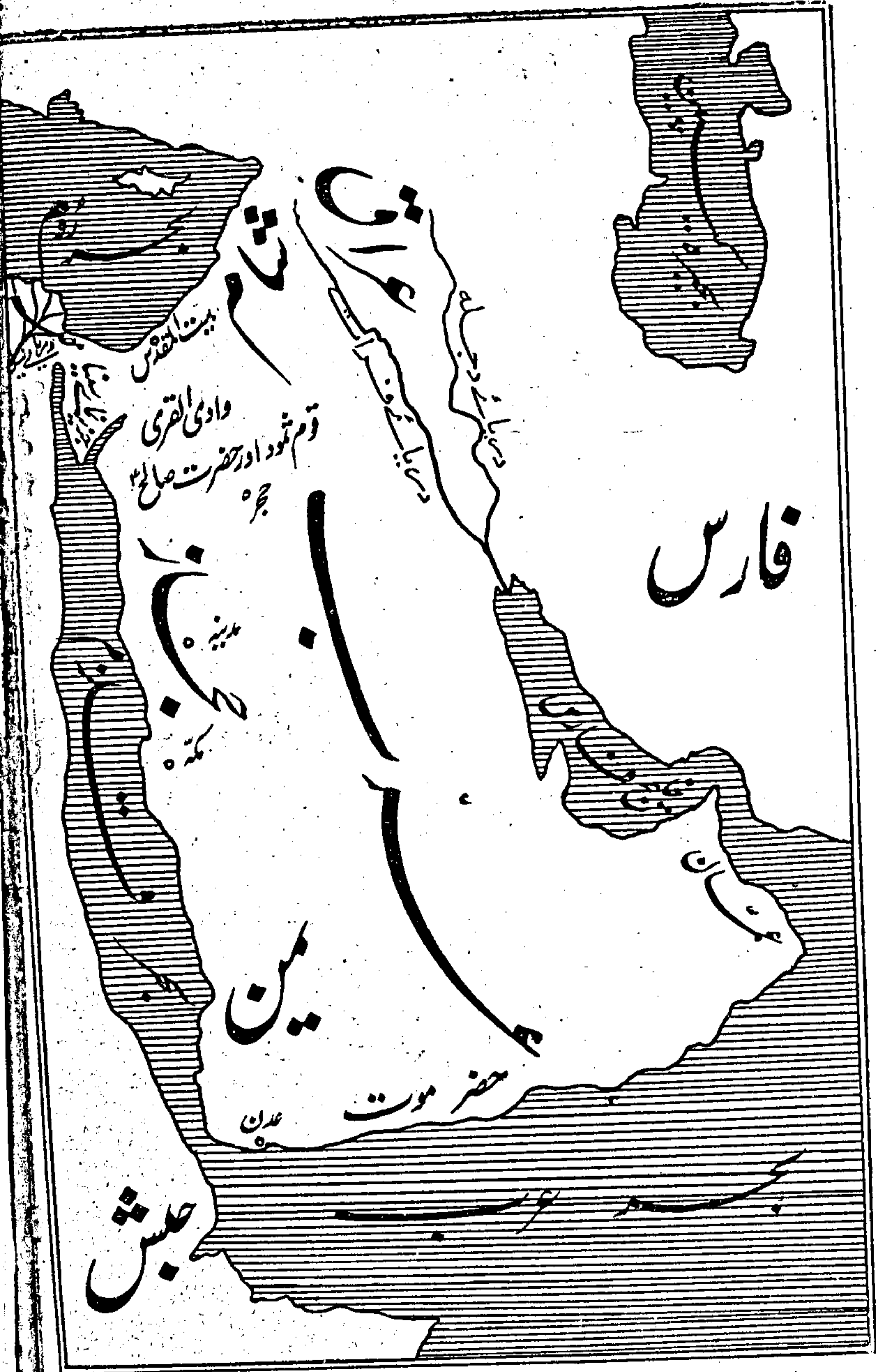
اور آپ کی دعوت، ترکِ شرک اور استحکامِ توحید کی دعوت تھی آپ نے فرمایا:

یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○ (الاعراف ۶۵)	اے قوم! خدا ہی کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں کیا تم ڈرتے نہیں۔

حضرت ھودؑ نے ان کو بت پرستی سے روکا اور شرک کا بطلان کیا۔ آپ نے قوم سے فرمایا کہ بھلا پتھر کے بُت اور مٹی کی مورتیں صاحبِ اختیار و مالک و حاکم ہو سکتی ہیں؟ یہ تم کس گمراہی میں پڑے ہو، شرک کی کوئی عقلی و نقلی دلیل موجود نہیں۔ یہ محض افترا و کذب اور بہتان ہے،

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ○ (ھود ۵۰)	تم شرک کر کے خدا پر محض بہتان باندھتے ہو۔

اس پند و نصیحت کا جواب قوم نے دیا وہ یہ تھا:

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ (الاعراف ۶۶)	ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے۔ تم ہمیں احمق نظر آتے ہو اور ہم تمھیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔

یعنی (معاذ اللہ) تم پاگل ہو گئے ہو کہ باپ دادا کی روش چھوڑ کر نیا راستہ بتانے آئے ہو اور جھوٹ بولتے ہو کہ اس کا خدا نے حکم دیا ہے۔ حضرت ھودؑ نے فرمایا۔

يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ○ (الاعراف ۶۷، ۶۸)	اے میری قوم! مجھ میں حماقت کی کوئی بات نہیں ہے بلکہ میں رب العالمین کا بھیجا ہوا ہوں، میں تمھیں خدا کا پیغام پہنچاتا ہوں اور تمھارا امانت دار خیر خواہ ہوں۔

یعنی جو منصبِ رسالت مجھ کو خدا کی طرف سے عطا ہوا ہے اس کا حق ادا کر رہا ہوں یہ میری بے عقلی نہیں بلکہ تمھاری حماقت و سفاہت ہے کہ دوست دشمن میں تمیز نہیں کر سکتے اور اپنے حقیقی خیر خواہ کی نصیحت پر کان نہیں دھرتے۔ رہا یہ امر میں تمھاری طرح ایک انسان ہوں تو مجھے اس سے انکار نہیں مگر اس میں تعجب کی کونسی بات ہے، انسانوں کی ہدایت کے

لیے انسان ہی بھیجے جاتے ہیں۔

اَوَعَجِبۡتُمۡ اَنۡ جَآءَکُمۡ ذِکۡرٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ عَلٰی رَجُلٍ مِّنۡکُمۡ لِیُنۡذِرَکُمۡ۔ (الاعراف ۶۹)	کیا تم کو اس بات سے تعجب ہوا ہے کہ تم ہی سے ایک شخص کے ہاتھ پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس نصیحت آئی تاکہ وہ تمہیں ڈرائے؟

آپ نے فرمایا اگر تم سمجھتے ہو کہ اس وعظ و نصیحت سے میرا کوئی ذاتی مقصد ہے یا میں تم میں نمایاں ہونا اور صاحب ثروت بننا چاہتا ہوں تو یہ غلط ہے چونکہ میں تم سے اس کار تبلیغ کا کوئی بدلہ اور صلہ طلب نہیں کرتا۔ میرا صلہ تو وہی عطا فرمائے گا جس نے مجھے اس کام کے لیے پیدا کیا ہے:۔

یٰقَوۡمِ لَآ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡهِ اَجۡرًا ؕ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ (ھود۔۵۱)	اے قوم! میں اس کا تم سے کچھ صلہ نہیں مانگتا، میرا صلہ تو اس کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا۔ بھلا تم سمجھتے کیوں نہیں؟

آپ نے ان کو خدا کے احسانات یاد دلائے اور معبود حقیقی کی طرف لوٹ آنے کی دعوت دی، آپ نے فرمایا:

وَاذۡکُرُوۡۤا اِذۡ جَعَلَکُمۡ خُلَفَآءَ مِنۡۢ بَعۡدِ قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّزَادَکُمۡ فِی الۡخَلۡقِ بَصۜۡطَةً ۚ فَاذۡکُرُوۡۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۝ (الاعراف ۶۹)	اور یاد کرو جب اس نے تم کو قوم نوح کے بعد سردار بنایا اور تم کو زیادہ پھیلاؤ دیا پس خدا کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ تمہارا بھلا ہو۔

اور پھر آپ نے ایک ایک نعمت کا نام لے کر قوم کو توجہ دلائی اور خدا سے ڈرایا:۔

وَاتَّقُوا الَّذِیۡۤ اَمَدَّکُمۡ بِمَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝ اَمَدَّکُمۡ بِاَنۡعَامٍ وَّبَنِیۡنَ ۝ۙ وَجَنّٰتٍ وَّعُیُوۡنٍ ۝ اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ عَذَابَ	اور اس سے ڈرو جس نے تم کو ان چیزوں سے مدد دی جن کو تم جانتے ہو اس نے تمہیں چارپایوں اور بیٹوں سے مدد دی اور باغوں اور چشموں سے،

يَوْمٍ عَظِيْمٍ ○ (الشعراء ۱۳۲ تا ۱۳۵) | مجھ کو تمہارے بارے میں بڑے (سخت) دن کے عذاب کا خوف ہے۔

قوم نے جواب دیا کہ پہلے زمانہ میں بھی کچھ لوگ ایسی ہی باتیں کرتے ہوئے آئے تھے قدیم سے یہ عادت چلی آتی ہے کہ کچھ لوگ اپنے کو نبی بنا کر عذاب سے ڈرایا کرتے ہیں لیکن ہم تمہارے ڈراووں میں آنے والے نہیں۔ یہ سب بیکار باتیں ہیں ہم پر کوئی عذاب اور مصیبت آنے والی نہیں۔

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ○ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ○ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ○ (الشعراء ۱۳۶ تا ۱۳۸) | کہنے لگے، خواہ نصیحت کرو یا نہ کرو ہمارے لیے یکساں ہے اور کچھ نہیں یہ باتیں اگلے لوگوں کی عادت ہیں اور ہم پر کوئی عذاب نہیں آئے گا۔

اس کے باوجود حضرت ھودؑ برابر قوم کو تبلیغ کرتے رہے آپ نے شرک اور بت پرستی کی بڑی سختی سے مخالفت کی اور خالص توحید کے استحکام پر زور دیا آپ نے فرمایا:

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ط (احقاف ۲۱) | خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

قوم نے نہایت تعجب سے پوچھا کہ کیا واقعی تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ مختلف حاجتوں اور مقصدوں کے لیے ہمارے جتنے بت ہیں جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آئے ہیں ان سب کو تمہارے کہنے سے ترک کر دیں اور ان سب کی بجائے صرف ایک ان دیکھے خدا کی پرستش کرنے لگیں۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ج (اعراف ۷۰)[1] | وہ کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم اکیلے خدا ہی کی عبادت کریں اور جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آئے ہیں ان کو چھوڑ دیں؟

لیکن ہم ایسے کچے نہیں کہ تمہارے کہنے میں آجائیں۔ تمہاری باتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم جو بتوں کو برا بھلا کہتے رہتے ہو تو انتقاماً ہمارے کسی بت نے تمہیں آسیب زدہ اور مخبوط الحواس کر دیا اور یہ کی

---

[1] یہی مضمون سورہ احقاف کی آیت ۲۲ میں بھی ادا ہوا ہے۔

بہکی باتیں اسی حالت کا نتیجہ ہیں۔

قَالُوْا یٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِیْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ ۝ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ط (ھود ۵۳، ۵۴)

وہ بولے، ھود! تم ہمارے پاس کوئی دلیل ظاہر نہیں لائے اور ہم (صرف) تمھارے کہنے سے نہ اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں اور نہ تم پر ایمان لانے والے ہیں، ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تمھیں آسیب زدہ کر دیا ہے۔

آپ نے پھر بھی فاسق و فاجر قوم کو گناہوں سے تائب ہونے اور توبہ و استغفار کرنے کی دعوت دی اور فرمایا:

وَیٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا وَّیَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِیْنَ۔ (ھود-۵۲)

اور اے قوم! اپنے پروردگار سے بخشش طلب کرو پھر اس کے آگے توبہ کرو۔ وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار مینہ برسائے گا اور تمھاری طاقت پر طاقت بڑھائے گا اور دیکھو گنہگار بنکر روگردانی مت کرو۔

ہمارے مفسرین کہتے ہیں کہ یہ لوگ تین سال سے خشک سالی اور امساک باراں کی مصیبت میں گرفتار تھے اس لیے حضرت ھودؑ نے بارش کا ذکر فرمایا مگر بدبخت قوم تو اپنی طاقت و قوت کے نشہ میں چور تھی اس پر ہادی برحق کے ان پند و نصائح کا کیا اثر ہو سکتا تھا۔

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ط (حٰم سجدہ ۱۵)

جو عاد تھے وہ ناحق ملک میں غرور کرنے لگے کہ ہم سے بڑھ کر قوت میں کون ہے؟

وہ بھول گئے تھے کہ

اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ط (حٰم سجدہ ۱۵)

اللہ جس نے ان کو پیدا کیا ان سے قوت میں بہت بڑھ کر ہے۔

اور

وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ (حم سجدہ- ۱۵) | اور وہ ہماری آیتوں سے انکار کرتے رہے۔

توکّل الی اللہ کی سبق آموز مثال

بالآخر قوم کے اس جاہلانہ کفر و انکار اور ان کے اس بے جا غرور و استکبار پر پیغمبر کو جلال آگیا اور آپ نے ساری قوم کے سامنے اس کے تمام فرضی معبودوں سے اپنی بیزاری کا اعلان فرمایا اور صرف یہی نہیں بلکہ اس ساری متکبر و مغرور قوم کو فرد واحد نے خدائے واحد کے بھروسہ اور توکل پہ چیلنج دیدیا کہ تم سب اور تمہارے سارے معبود مل کر میرے خلاف جو کچھ کرسکتے ہوں کرلیں اور مجھے ذرا سی بھی مہلت نہ دیں۔ میرا سہارا اور میرا بھروسہ اس خدا پر ہے جو قادر مطلق اور احکم الحاکمین ہے۔ میں تمہیں نصیحت کرکے اپنا فرض منصبی ادا کرچکا۔ اگر تم انکار پر اڑے رہے تو یاد رکھو کہ میرا پروردگار اس پر بھی قادر ہے کہ تمہیں بایں غرور طاقت و قوت فنا کردے اور تمہاری جگہ دُوسری قوموں کو آباد کردے۔ تم اس نافرمانی و سرکشی اور غرور و تکبر سے اس کا کچھ تو کیا بگاڑو گے اپنی ہی ہلاکت کو دعوت دوگے!

ایک طرف پُوری طرح بپھری ہُوئی ایک سرکش و جبار قوم تھی اور دُوسری طرف بظاہر ایک بے سہارا اور بے یار و مددگار فرد واحد جو اپنے ایمان اور توکل کے بھروسہ پر جھوم جھوم کر اس قوم کے غیظ و غضب کو جھنجھوڑ کر للکار رہا تھا:

اِنِّیْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝ اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ

میں خدا کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ جن کو تم (خدا کا) شریک بناتے ہو اس سے بیزار ہوں۔ (یعنی جن کی) خدا کے سوا (عبادت کرتے ہو) تو تم سب مل کر میرے بارے میں (جو) تدبیر (کرنی چاہو) کرلو اور مجھے مہلت نہ دو۔ میں خدا پر بھروسہ رکھتا ہوں جو میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے (زمین پر) جو چلنے پھرنے والا ہے وہ اس کو چوٹی سے پکڑے ہوئے ہے بیشک

بِہٖ اِلَیْکُمْ ط وَیَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ج وَلَا تَضُرُّوْنَہٗ شَیْئًا ط اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ۝

(ھود ۵۴ تا ۵۷)

میرا پروردگار سیدھے راستے پر ہے۔ اگر تم روگردانی کروگے تو جو پیغام میرے ہاتھ تمہاری طرف بھیجا گیا ہے وہ میں نے تمہیں پہنچا دیا، اور میرا پروردگار تمہاری جگہ اور لوگوں کو لا بسائے گا اور تم خدا کا کچھ بھی نقصان نہیں کر سکتے، میرا پروردگار تو ہر چیز پر نگہبان ہے۔

قوم کا طلب عذاب اور حضرت ھودؑ کا جواب

بالآخر قوم نے جھنجھلا کر جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے کہا اچھا جس عذاب سے ہمیں ہر وقت ڈرایا کرتے ہو اگر سچے ہو تو لے آؤ۔

فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ

(الاعراف ۷۔ احقاف ۲۲)

اگر سچے ہو تو جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو اسے لے آؤ۔

حضرت ھودؑ نے فرمایا:

اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰہِ صلے وَاُبَلِّغُکُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِہٖ وَلٰکِنِّیْٓ اَرٰکُمْ قَوْمًا تَجْھَلُوْنَ

(احقاف ۲۳)

(اس کا) علم تو خدا ہی کو ہے اور میں تو جو احکام دے کر بھیجا گیا ہوں وہ تمہیں پہنچا رہا ہوں مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ نادانی میں پھنس رہے ہو۔

اور جب تمہاری سرکشی اور گستاخی اس حد تک پہنچ چکی تو سمجھ لو کہ خدا کا عذاب اور غضب آیا ہی چاہتا ہے، چونکہ سنت الٰہی یہی ہے کہ جب قوم کا کفر و طغیان اس درجہ بڑھ جائے کہ اصلاح پذیری کی امید ہی باقی نہ رہے اور لوگ بجائے اس کی رحمت کے اس کے غضب کو طلب کرنے لگیں تو وہ صفحہ ہستی سے مٹا دی جاتی ہے، چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا:

قَدْ وَقَعَ عَلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ط

(الاعراف ۷۱)

تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر عذاب و غضب (کا نازل ہونا) مقرر ہو چکا ہے۔

نزول عذاب اور قوم کی ہلاکت

پیغمبر کا وعدہ پورا ہوا اور عذاب بادل کی شکل میں نازل

لوگ یہ سمجھ کر بڑے خوش ہوے کہ اب تو بارش ہو گی مگر ان کو بتایا گیا کہ نہیں یہ تمھاری دلبستگی کا نہیں موت وہلاکت کا سامان ہے جس کی تم جلدی کیا کرتے ہو۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ (الاحقاف ۲۴)	پھر جب انھوں نے اس (عذاب) کو دیکھا کہ بادل کی صورت میں ان کے میدانوں کی طرف آرہا ہے تو کہنے لگے یہ تو بادل ہے جو ہم پر برس کر رہے گا (نہیں بلکہ یہ) وہ چیز ہے جس کے لیے تم جلدی کرتے تھے یعنی آندھی جس میں درد دینے والا عذاب بھرا ہوا ہے۔

یہ نہایت تند و تیز ٹھنڈی سناٹے کی ہوا تھی جس پر کسی کا قابو نہ چلتا تھا اور جس سے ساری قوم ہلاک ہو گئی۔

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ (الحاقہ ۶)	اور وہ جو عاد تھے سو برباد ہوے ٹھنڈی سناٹے کی ہوا سے نکلی ہاتھ سے طاقتوں سے۔

اس ہیبت آندھی کا طوفان ان پر مسلسل سات رات اور آٹھ دن آیا جس سے بدبخت قوم ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اور سر پٹک پٹک کر ہلاک ہو گئی۔ یہ لوگوں کو اس طرح اکھاڑ ڈالتی تھی گویا وہ اکھڑی ہوئی کھجوروں کے کھوکھلے تنے ہیں۔

سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ (الحاقہ ۷)	خدا نے اس کو سات رات اور آٹھ دن ان پر چلائے رکھا تو (اے مخاطب) تو لوگوں کو اس میں (اس طرح) ڈھئے (اور مرے) پڑے دیکھے جیسے کھجوروں کے کھوکھلے تنے
اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ۙ تَنْزِعُ النَّاسَ ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ○ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ	ہم نے ان پر سخت منحوس دن میں ٹھنڈی سناٹے کی ہوا چلائی، وہ لوگوں کو (اس طرح) اکھیڑے ڈالتی تھی گویا اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں سو (دیکھ لو کہ)

وَنُذُرِ ۝ (القمر ۱۹ تا ۲۱) | میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا۔

غرض یہ ایسی آندھی تھی جس سے مکان گر گئے، چھتیں اُڑ گئیں، درخت جڑ سے اکھڑ کر کہیں کے کہیں جا پڑے ایسی ہولناک ہوا تھی کہ آدمیوں کو اٹھا کر پٹک دیتی اور ان کی ناک میں داخل ہو کر جسم کو پارہ پارہ کر دیتی تھی۔

وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ۝ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ۝ (الذّٰریٰت ۴۲)

اور عاد (کی قوم کے حال) میں بھی (نشانی ہے) جب ہم نے ان پر نامبارک ہوا چلائی وہ جس چیز پر چلتی اس کو ریزہ ریزہ کیے بغیر نہ چھوڑتی۔

غرض کہ پوری کی پوری بدکار قوم ہلاک ہو کر افسانۂ پارینہ بن گئی اور آنے والی قوموں کی عبرت کے لیے صرف ان کی بستیوں کے نشانات اور کھنڈرات باقی رہ گئے۔

وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ۝ (ھود ۵۹ تا ۶۰)

یہ (وہی) عاد ہیں جنھوں نے خدا کی نشانیوں سے انکار کیا اور اس کے پیغمبروں کی نافرمانی کی اور ہر سرکش متکبر کا کہا مانا تو اس دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگی رہی اور قیامت کے دن بھی لگی رہے گی، دیکھو عاد نے اپنے پروردگار سے کفر کیا (اور) سُن رکھو ھودؑ کی قوم عاد پر پھٹکار ہے۔

عذاب سے حضرت ھودؑ اور مومنین کی نجات

اس عذاب عام سے حضرت ھود علیہ السلام اور ان کے ساتھ مومنین جن کی تعداد ہمارے مفسرین نے چار ہزار بتائی ہے، بچا لیے گئے:

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝ (ھود ۵۸)

اور جب ہمارا حکم (عذاب) آپہنچا تو ہم نے ھودؑ کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے تھے ان کو اپنی مہربانی سے بچا لیا اور انھیں عذاب شدید سے نجات دی

یہ عذاب خدا کے ظلم کی وجہ سے نہیں قوم کے اعمال کی بنا پر تھا

قوم عاد کی یہ رسوا کن تباہی اور ہلاکت اس بنا پر نہ تھی کہ خدا ظالم ہے بلکہ اس وجہ سے تھی کہ قوم نے اپنے اعمال اور بدکاریوں کی وجہ سے خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری تھی اور یہ عذاب ان اعمال کا فطری نتیجہ تھا۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○ (عنکبوت ۴۰)	اور خدا ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔

عذاب ایمان کی توقع منقطع ہونے کے بعد آیا

اور مستقبل میں بھی یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے۔ عذاب الٰہی نازل ہی اس وقت ہوا جب ان کے آیندہ ایمان لانے کی امید بھی منقطع ہو چکی تھی۔

وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ (الاعراف ۷۲)	اور وہ ایمان لانے والے تھے ہی نہیں۔

آلِ ھودؑ

تورات میں عبر (حضرت ھودؑ) کے دو بیٹوں کے نام مذکور ہیں جن سے دنیا میں نہایت عظیم الشان نسلیں چلیں - ان کے نام فلج PELEG اور یقطان JOKTAN ہیں - یقطان کو اہل عرب قحطان کہتے ہیں - بنی قحطان انہی کی نسل ہے، بنی فلج کا ذکر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سلسلہ میں آئندہ کیا جائے گا -

بنی قحطان

قحطان (یقطان) کے بارہ بیٹوں کے نام تورات میں مذکور ہیں :

(۱) الموداد	ALMODAD	(۲) سلف	SHELEPH
(۳) حصار ماوت	HAZARMAVETH	(۴) ارخ	JERAH
(۵) ہدورام	HADORAM	(۶) اوزال	UZAL
(۷) دقلہ	DIKLAH	(۸) عوبل	OBEL
(۹) سبا	SHEBA	(۱۰) اوفیر	OPHIR
(۱۱) حویلہ	HAVILAH	(۱۲) حویلہ	HAVILAH
(۱۳) یوباب	JABAB	(تورات - کتاب پیدائش باب ۱ - ۲۷ تا ۲۹)	

بنی قحطان کی آبادی علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم کی تحقیق کے مطابق بنی قحطان کی آبادی یمن مسا سے ظفار تک پھیلی ہوئی تھی (ارض القرآن جلد اول)

سبا، قوم تبع اور حبش بنی قحطان ہی کی شاخیں ہیں -

بنی قحطان یا جنوبی عرب کا مذہب علامہ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں :

" جنوبی عرب یعنی یمن و حضرموت ہیں، جو عاد وغیرہ قبائل کا اصل مسکن تھا اور بابل کے ملک میں جہاں وہ کسی زمانہ میں حکمران تھے، مذہبی تخیل میں نہایت شدید تشابہ ہے۔"

" بنو قحطان جو امم سامیہ اولیٰ کے بعد جنوبی عرب میں برسر اقتدار آ گئے تھے، واقعات تاریخی اور آثار عتیقہ دونوں کی بنا پر ستارہ پرست تھے، مختلف قبائل میں مختلف ستاروں کی پرستش ہوتی تھی، ان کے ہیکلوں میں لوبان اور خوشبو دار لکڑیاں جلائی جاتی تھیں (ارض القرآن جلد دوم صفحہ ۱۶۲ / ۱۶۳)

بنی قحطان یا جنوبی عرب کی زبان

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

" طبقہ اول یعنی امم سامیہ اولیٰ کے بعد طبقہ دوم (بنو قحطان) اور طبقہ سوم (بنو اسمٰعیل) آتا ہے عرب کی اہل عرب قومی تقسیم کرتے ہیں یعنی بنو قحطان اور بنو اسماعیل، اور علمائے یورپ نے اس کی جغرافی حدبندی کی ہے یعنی جنوبی اور شمالی، بنو قحطان جنوبی عرب کے باشندے تھے اور بنو اسماعیل کا مسکن شمالی عرب ہے، عربی زبان بھی ان دو شاخوں میں منقسم نظر آتی ہے جن میں متعدد حیثیتوں سے اختلاف ہے۔

قحطانی یا جنوبی عربی کی شاخیں

جنوبی عربی کی قسمیں یہ ہیں۔ (۱) سبائی، قوم سبا کی زبان۔ (۲) حمیری، اصحاب الاخدود کی زبان (۳) حبشی، اصحاب الفیل کی زبان (۴) حضرموتی اور (۵) مہری

قرآن مجید میں جنوبی عربی

قرآن مجید میں سبائی حمیری زبان کا ایک لفظ "عرم" سبا کے قصہ میں آیا ہے، حبشی کے کئی لفظ جو عرب کے عیسائیوں میں اس سبب سے مستعمل تھے کہ جنوب عرب میں عیسائیت وہیں سے آئی تھی، قرآن کی مذہبی زبان میں بھی وہی الفاظ چلے آئے مثلاً نفاق، مصحف، برھان، جبت، مرج، مائدہ، مشکوٰۃ، سورۃ، حواری، تبع، استبرق، ودق"

(ارض القرآن جلد دوم صفحہ ۱۳۸ تا ۱۴۱)

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ (الاعراف و هود)

اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا

حضرت صالح علیہ السّلام

اور

قوم ثمود

سلسلۂ نسب اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ سام بن نوح کے پانچوں بیٹوں میں، تیسرا بیٹا ارفکسد اور پانچواں بیٹا ارام تھا۔ حضرت ھود علیہ السلام ارفکسد کے پوتے تھے اور حضرت صالح علیہ السلام ارام کے پرپوتے تھے۔ یہ سلسلہ نسب یہ ہے :

حوالہ	انگریزی نام	نام	شمارہ
توراۃ۔ کتاب پیدائش باب ۱۰	NOAH	حضرت نوح علیہ السلام	۱
"	SHEM	سام	۲
" (توراۃ میں یہ سلسلہ یہیں تک کو ہے)	ARAH	ارام	۳
تاریخ طبری جلد اول	GETHER	جثر (غاثر)	۴
"		ثمود	۵
"		حضرت صالح علیہ السلام	۶

حضرت صالحؑ اور توراۃ | توراۃ میں آپ کا ذکر نہیں ہے۔ آپ کی رسالت و نبوت اور قوم ثمود کی سرکشی و ہلاکت کی خبر بھی قرآن مجید ہی نے دی۔

عمر | طبری کا بیان ہے کہ آپ کی عمر صرف ۵۸ سال کی تھی اور تبلیغ و ہدایت کا زمانہ بیس سال (تاریخ طبری جلد اوّل صفحہ ۱۱۹) لیکن مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تصریح کی ہے کہ آپ کی عمر ۲۸۰ برس کی ہوئی اور حضرت ھودؑ اور حضرت صالحؑ کے درمیان سو برس کا فاصلہ ہے:

(معجز نما حمائل شریف حاشیہ ۳۶۴)

حضرت صالحؑ اور قوم ثمود کا مسکن | قرآن کریم کا ارشاد ہے وَثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ "ثمود جنھوں نے وادی القریٰ میں پتھر تراشے"

شمالی و مغربی عرب کا نام اس زمانہ میں ام القریٰ یا وادی القریٰ تھا۔ یہ حجاز اور شام کے مابین عرب اول کی اس مشہور تجارتی شاہراہ پہ واقع ہے جو یمن سے ساحل بحر احمر کے کنارہ کنارہ حجاز و مدین سے گذر کر خلیج عقبہ کے کنارہ سے نکل کر شام کو جاتی ہے اور جس کو قرآن مجید نے "امام مبین" (الحجر) یعنی "کھلا راستہ" کہا ہے۔ (ارض القرآن جلد دوم)

قوم ثمود | "عاد اولیٰ" کی دوسری شاخ جسے "عاد ثانیہ" اور "عاد ارم" بھی کہتے ہیں قوم ثمود ہے۔ عاد کی طرح ثمود بھی نہایت قوی الجثہ طاقتور اور طویل العمر لوگ تھے۔ فن تعمیر اور فن سنگ تراشی میں ان لوگوں کو خاص ملکہ حاصل تھا۔ حجاز اور شام کے مابین جہاں یہ قوم کسی زمانہ میں آباد تھی پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر نہایت شاندار، پُر تکلف اور پائیدار عمارتیں بناتے تھے جن کے آثار اب تک پائے جاتے ہیں۔ فن سنگتراشی میں اس قوم نے بڑی ترقی اور عظمت حاصل کی تھی، قرآن مجید نے ثمود کے سلسلہ میں ان کی سنگتراشی اور فن تعمیر کا جگہ جگہ تذکرہ کیا ہے۔ سورہ فجر میں ہے:

وَثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ (الفجر ۹)	اور ثمود جو وادی القریٰ میں پتھر تراشتے تھے۔

حضرت صالحؑ قوم سے خطاب فرماتے ہیں:

وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا فٰرِهِیْنَ (الشعراء ۱۴۹)	اور تکلف سے پہاڑوں میں تراش تراش کر گھر بناتے ہو

سورہ اعراف میں حضرت صالح علیہ السلام ہی کی زبانی ہے:

تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا (الاعراف ۷۴)	نرم زمین سے محل تعمیر کرتے ہو اور پہاڑوں کو تراش تراش کر گھر بناتے ہو۔

یہ لوگ اس فن میں بڑے ہوشیار اور ماہر تھے اور اس بنا پر انھوں نے بڑی شہرت حاصل کی تھی۔

آسودہ حالی یہ قوم نہایت آسودہ حال تھی معاشی اعتبار سے مال و دولت کی فراوانی تھی اور انکی زندگی بڑے عیش و عشرت میں گذرتی تھی، خود باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (المومنون ۳۳)[1]	اور دنیا کی زندگی میں ہم نے ان کو آسودگی بخشی تھی۔

قوم ثمود کا مذہب قوم عاد کی طرح قوم ثمود بھی مشرک و بت پرست تھی امم سامیہ اولیٰ کے مذہب کی بحث میں علامہ سید سلیمان ندوی نے جو تحقیق پیش کی ہے وہ قابل ذکر ہے۔

علامہ ممدوح فرماتے ہیں:

"امم سامیہ اولیٰ میں عاد، ثمود، جرہم وغیرہ قبائل شامل ہیں، ان کی آبادی ...... عرب سے لیکر عراق و شام و مصر تک پھیلی ہوئی تھی ...... یہ قومیں بُت پرست تھیں ...... لیکن تفصیل نہیں ملتی، صرف قبیلہ جدیس کے متعلق معلوم ہے کہ "کُثری" نامی ایک بُت کو پوجتا تھا، قرآن مجید نے عاد اور ثمود کے ذکر میں حضرت ھودؑ اور حضرت صالحؑ کی زبان سے صرف اس قدر کہا ہے کہ وہ خدائے برحق کو چھوڑ کر اور بہت سے خداؤں کو

[1] سورہ مومنون کے دوسرے رکوع میں حضرت نوح علیہ السلام اور انکی قوم کا تذکرہ ہے، تیسرے رکوع میں حضرت نوحؑ کے بعد کی ایک قوم اور اس کے پیغمبر کا ذکر ہے مگر قوم اور پیغمبر کا نام مذکور نہیں اس لیے ہمارے مفسرین کو تسامح ہوا ہے کہ یہ قوم عاد اور حضرت ھودؑ کا تذکرہ ہے یا قوم ثمود اور حضرت صالحؑ کا۔ مگر یہ تسامح بے محل ہے اور بات بالکل صاف ہے۔ قرآن مجید میں متعدد جگہ قوم عاد کا آندھی (ریحاً صرصراً) سے ہلاک ہونا اور قوم ثمود کا چیخ اور زلزلہ ("صیحۃ" اور "رجفۃ") سے ہلاک ہونا بتصریح مذکور ہے۔ سورہ مومنون کے تیسرے رکوع میں جس قوم کا ذکر ہے قرآن مجید بتاتا ہے کہ اس کی ہلاکت "صیحۃ" (چیخ) سے ہوئی اس سے ثابت ہے یہ تذکرہ قوم ثمود اور حضرت صالح علیہ السلام کا ہے قوم عاد اور حضرت ھودؑ کا نہیں۔

پوجتے تھے اور ان کے الگ الگ نام رکھ لیتے تھے، حضرت ھودؑ اپنی قوم کو سمجھاتے ہیں

أَتُجَادِلُونَنِي فِي أَسْمَاءٍ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا نَزَّلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ (اعراف)	کیا تم مجھ سے ان ناموں میں جھگڑتے ہو جن کو تم نے اور تمھارے اسلاف نے رکھ لیا ہے اور خدا نے ان کی کوئی دلیل نہیں اتاری۔

ان کی قوم کہتی ہے :

قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا (اعراف)	کیا تم اس لیے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہم ایک خدا کو پوجیں اور جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے ان کو چھوڑ دیں۔

اس سوال و جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ عادؔ خدا کے ساتھ اور "خداؤں" کو بھی پوجتے تھے، ثمودؔ کا بھی یہی حال تھا۔ وہ اپنے پیغمبر سے کہتے ہیں :

قَالُوا يَا صَالِحُ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَا أَتَنْهَانَا أَنْ نَعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا	اے صالحؑ تم سے تو پہلے بڑی توقعات تھیں، کیا تم اس سے روکتے ہو کہ جس کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے ان کو ہم بھی پوجیں

حضرت صالحؑ فرماتے ہیں :

يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ۔	بھائیو! خدا کو پوجو، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

"اب ہم کو یہ پتہ لگانا چاہیے کہ اگر عرب میں نہیں تو دوسرے ملکوں میں ان کے مذہب کے متعلق کوئی مذکور ہے ؟ عرب سے باہر بابلؔ، شامؔ اور مصرؔ میں جو مذہبی مراسم ان قوموں میں جاری تھے انھی پر ان کی عرب آبادی کو قیاس کرنا چاہیے۔ ممالک مذکور کے متعلق قدیم کتبات اور تحریروں کی چھان بین سے یہ نظر آتا ہے کہ اس زمانہ میں قاعدہ یہ تھا کہ قومیں مختلف آبادیوں پر منقسم ہوتی تھیں، ہر آبادی میں دو بڑی عمارتیں ہوتی تھیں ایک بیت الحکومۃ اور ایک ہیکل۔ آبادی کا حاکم بیت الحکومۃ میں رہتا تھا اور ہیکل آبادی کے

کاہن کا مسکن ہوتا تھا اور انھی دونوں کی شرکت سے آبادی پر دنیاوی اور مذہبی حکمرانی کی جاتی تھی اور جس طرح ہر آبادی کا ایک الگ شیخ یا حاکم ہوتا تھا اسی طرح ہر ہیکل میں ایک دیوتا جو اس گاؤں کا محافظ خیال کیا جاتا تھا، جب دو آبادیوں کے رہنے والوں میں جنگ ہوتی تو گویا ان دونوں آبادیوں کے دیوتاؤں میں جنگ ہوتی۔ فاتح، مفتوح کے دیوتاؤں کو اٹھا کر لے جاتا۔ مفتوح اس وقت تک دم نہیں لیتے جب تک لڑ کر یا منت سماجت کر کے اپنا دیوتا واپس نہیں لے لیتے تھے چنانچہ ان قوموں کے قدیم کتبات میں اس قسم کے یادگاری پتھر بکثرت ملتے ہیں...... ستارہ شناسی کا آغاز انھی بدوی سامیوں سے ہوا...... یہ راتوں کو اپنے بھیڑ بکری اور مویشی کے گلّوں کو لے کر آسمانی خیمے کے سایہ میں رات بسر کرتے تھے، جب کبھی آنکھ کھلتی سامنے صحیفہ آسمانی کھلا نظر آتا"

(ارض القرآن جلد دوم صفحہ ۱۰۳ تا ۱۰۵)

مولانا کا یہ بیان پراز معلومات، ٹھوس اور وقیع ہے مگر تعجب ہے کہ سید سلیمان ندوی جیسے جید عالم اور نکتہ رس محقق کی نظر سے قوم ثمود کی مذہبی کیفیت کا ایک خاص پہلو کس طرح نظر انداز ہو گیا اور وہ پہلو ہے قوم ثمود کی مادہ پرستی اور ان کا حیات بعد الممات سے انکار۔

قوم ثمود کی مادہ پرستی اور حیات مابعد سے انکار

سورہ مومنون میں قوم ثمود کے مذہبی تخیل کے اسی پہلو کی وضاحت کی گئی ہے۔ قرآن مجید بتلاتا ہے کہ وہ کافر تھے اور آخرت کے منکر:

اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ (مومنون ۳۳)	جو کافر تھے اور آخرت کے آنے کو جھوٹ سمجھتے تھے۔

اور پھر حضرت صالحؑ کے مواعظ حسنہ معاد و حشر و نشر اور حیات مابعد کی اطلاع اور جزا و سزا کی تبشیر و تنذیر پر متعجب ہو کر قوم جو جواب دیتی ہے وہ ان کے مذہبی اعتقادات کا خلاصہ اور نچوڑ ہے:

اَیَعِدُکُمْ اَنَّکُمْ اِذَا مِتُّمْ وَکُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّکُمْ مُّخْرَجُوْنَ ۝ هَیْهَاتَ	کیا یہ ــــ ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی ہو جاؤ گے اور استخوان (کے سوا کچھ نہ رہے گا)

هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ ۝ إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ۝

(المؤمنون ۳۵ تا ۳۷)

تو تم (زمین سے) نکالے جاؤ گے؟ جس بات کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (بہت) بعید اور بہت بعید ہے۔ زندگی تو یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے کہ (اسی میں) ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہم پھر نہیں اٹھائے جائیں گے۔

قرآن کے یہ مختصر مگر جامع الفاظ دہریت و مادیت کے فلسفہ کا خلاصہ ہیں۔ آج بھی مادیئین کا یہی دعویٰ ہے کہ "مادہ کے سوا عالم میں اور کوئی چیز موجود نہیں ..... مادے کی حرکت و قوت سے مختلف اجسام وجود میں آئے انھی مادی اجزاء کی ترتیب و ترکیب کا نام زندگی ہے اور انھی کے انتشار و بے ترتیبی کا نام موت ہے اور یہ زندگی اور موت اسی مادہ اور اسی عالم کے ساتھ وابستہ ہے' اس مادی کائنات کے علاوہ نہ اور کوئی عالم ہے اور نہ اور کوئی زندگی۔"

اسی گمراہی کی بنا پر اس سرکش قوم نے حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی؛

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَا (الشمس - ۱۱)

ثمود نے اپنی سرکشی کے سبب پیغمبر کو جھٹلایا۔

فَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ (الذاریات ۴۴)

پس انھوں نے اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی۔

انھوں نے ہدایت آچکنے کے بعد بھی اپنے کفر و طغیان کی بنا پر راہ حق سے اپنی آنکھیں بند رکھیں اور جہالت کی تاریکیوں کو ہدایت کے نور پر ترجیح دی۔

فَاسْتَحَبُّوا الْعَمَىٰ عَلَى الْهُدَىٰ

(حم سجدہ - ۱۸)

پھر انھوں نے ہدایت کے مقابلہ میں اندھا رہنا پسند کیا۔

اور اس کی وجہ یہ تھی کہ گو قوم عاد کی طرح قوم ثمود بھی دنیاوی معاملات میں نہایت سمجھ دار اور دانشمند قوم تھی مگر شیطان کے اغواء میں تھی اور شیطان نے ان کی بدکاریوں کو ان کی نظروں میں آراستہ کر کے ان کو راہ حق سے روک رکھا تھا۔

وَعَادًا وَثَمُودَا وَقَدْ تَبَيَّنَ لَكُمْ مِنْ مَسَاكِنِهِمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ

اور عاد اور ثمود کو (ہم نے ہلاک کر دیا) چنانچہ ان کے (ویران) گھر تمہاری آنکھوں کے سامنے ہیں

الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ۝ (العنکبوت ۳۸)

اور شیطان نے ان کے اعمال ان کو آراستہ کر دکھائے اور ان کو سیدھے راستے سے روک دیا حالانکہ وہ دیکھنے والے (لوگ) تھے۔

حضرت صالحؑ قوم ثمود کی طرف مبعوث ہوئے

قرآن مجید بتاتا ہے:-

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا (الاعراف، ھود)

اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالحؑ کو بھیجا

اس سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام خود اسی قوم ثمود کے ایک فرد تھے اور اس بنا پر اُن کی قوم کے لوگ ان کے قومی بھائی تھے۔ اور اس بھٹکی ہوئی سرکش قوم کی اصلاح اور تزکیۂ نفس کی خدمت پر آپ مامور ہوئے تھے۔ یہ قدیم سے سنت الٰہی رہی ہے کہ جس قوم کی ہدایت اس کی مشیت کو منظور ہوئی اسی قوم سے اس کا ہادی اور مصلح اس نے پیدا کر دیا۔

حضرت صالحؑ اور قوم ثمود

حضرت صالح علیہ السلام نے ایک حاذق طبیب کی طرح قوم کے مرض کی تشخیص کی اور سب سے پہلے اس مرض کی اصل پر ضرب کاری لگائی

آپ نے فرمایا:

ردِ شرک و تعلیم توحید

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ

(اعراف ۷۳۔ ھود ۶۱۔ مومنون ۳۲)

اے قوم، خدا ہی کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔

یعنی یہ فرضی معبود جو تم نے خود تراشے ہیں اور جن کے آگے مختلف اغراض و مقاصد کے لیے تم جھکتے ہو سب بے معنی اور لایعنی ہیں۔ ان میں نہ کوئی صاحب قدرت ہے نہ کوئی صاحب اختیار۔ صاحب قدرت و اختیار تو صرف اللہ ہی کی ذات ہے جس نے جب اس کو منظور ہوا مٹی سے جیتا جاگتا انسان بنا کھڑا کیا، پیدا کرنے کے بعد اسے باقی رکھا، زیست کے اسباب اور بقا کے سامان مہیا کیے، زمین کو آباد کرنے کی تدبیریں سکھائیں، ان فرضی معبودوں میں سے کون ایسا ہے جو اس قدرت و کمال ربوبیت کا دعویٰ کر سکے؟ اور اگر نہیں ہے تو پھر کیوں تم اس معبود حقیقی کی طرف نہیں جھکتے اور کیوں اس کی بارگاہ

سے اپنی گمراہیوں کی معافی طلب نہیں کرتے۔ اس کی رحمت تو اتنی وسیع ہے کہ کوئی کتنا ہی گناہگار ہو اگر وہ صدق دل سے توبہ کرلے تو اس کی رحمت خود بڑھ کر اس کو آغوش میں لے لیتی ہے۔

هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ○

(ھود - ۶۱)

اسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور اس میں آباد کیا تو اس سے مغفرت مانگو اور اس کے آگے توبہ کرو بے شک میرا پروردگار نزدیک (بھی) ہے اور دعا کا قبول کرنے والا (بھی) ہے۔

قوم کا شک و گمان

قوم نے حیران ہو کر کہا کہ تمھارے حلم تدبر اور فطری صلاحیت سے تو ہمیں بڑی بڑی امیدیں تھیں ہم سمجھتے تھے کہ تم سے باپ دادا کا نام روشن ہوگا۔ کیا آج تم انھی آبا و اجداد کے مسلک کو ترک کر بیٹھے اور ہمیں بھی اس کی دعوت دے رہے ہو، تم جس چیز کی دعوت دے رہے ہو ہمیں تو اس کی حقیقت میں شبہ ہے۔

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ○

(ھود - ۶۲)

انھوں نے کہا صالحؑ! اس سے پہلے ہم تم سے امیدیں رکھتے تھے کیا تم ہم کو ان چیزوں سے منع کرتے ہو جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں اور جس بات کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس میں ہمیں قوی شبہ ہے۔

حضرت صالحؑ کا جواب

حضرت صالحؑ نے قوم کو جو جواب دیا وہ کم و بیش وہی ہے جو ہر ہادی برحق نے منکرین حق کو دیا ہے، آپ نے فرمایا:

يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ۣ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ○

اے (برادرانِ) قوم! بھلا دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے کھلی دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے یہاں سے (نبوت کی) نعمت بخشی ہو تو اگر میں خدا کی نافرمانی کروں تو اس کے سامنے میری

(هود ۶۳) | کون مدد کریگا ؟ تم تو (کفر کی باتوں سے) میرا نقصان کرتے ہو

اس اعتراض وجواب کی اہمیت

یہ اعتراض اور اس کا جواب قرآن مجید کے مہمات معارف میں ہیں۔ کفار کا اعتراض علم وعرفان کا نتیجہ نہیں شک وگمان کی بنا پر تھا اور ہوتا ہے اور پیغمبر کا مقام علم وعرفان کی بلندیاں ہیں اور اس کو یقینی بصیرت حاصل ہوتی ہے اسی قسم کے اعتراضات اور شک وگمان کے جواب میں حضرت نوحؑ نے فرمایا تھا:

يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ (هود ۲۸)	اے قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل (روشن) رکھتا ہوں اور اس نے مجھے اپنے یہاں سے رحمت بخشی ہو جس کو تمہاری آنکھ سے مخفی رکھا گیا تو کیا ہم اس کے لیے تمہیں مجبور کر سکتے ہیں اور تم ہو کہ اس سے ناخوش ہو رہے ہو۔

اور یہی جواب ہر پیغمبر منکرین حق کو دیتا آیا یہاں تک کہ خاتم الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلعم کو کفار سے یہی کہنے کا حکم ہوا:

قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ (الانعام ۵۷)	تم کہو: بلاشبہ میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی اور حجت پر ہوں (یعنی اس نے حقیقت ویقین کی راہ مجھے دکھادی ہے) اور تم نے اسے جھٹلایا ہے۔

اور معاندین کے کفر وانکار کی وجہ بھی یہی بیان فرمائی گئی۔

اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ (۱۵۰)	اصل یہ ہے کہ تم پیروی نہیں کر رہے ہو مگر محض وہم وگمان کی اور تم (اپنی باتوں میں) اس کے سوا کچھ نہیں ہو کہ بے سمجھے بوجھے باتیں بناتے ہو۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی تصریح

اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے اس تصریح کو پڑھنا ضروری ہے جو مولانا ابوالکلام آزاد نے سورۂ انعام کی آیت ۵۷

کے تحت فرمائی ہے۔ مولانا لکھتے ہیں :

"وہ (یعنی قرآن) کہتا ہے، یہاں راہیں دو ہوئیں، ایک شک و گمان کی، دُوسری یقین و بصیرت کی۔ جو لوگ خدا اور آخرت کے منکر ہیں یا پرستش کی گمراہیوں میں پڑ گئے ہیں ان کے پاس انکار کے لیے کوئی بصیرت نہیں، زیادہ سے زیادہ وہ بات جو وہ کہہ سکتے ہیں یہی ہے کہ "لا ادری" ہم نہیں جانتے۔ ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں، ہم محسوسات کی سرحد سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ پس ان کی جگہ شک و گمان کی جگہ ہوئی۔ لیکن جو انسان اعلان کرتا ہے کہ میں اس بارے میں علم و حقیقت رکھتا ہوں اور جانتا ہوں کہ حقیقت حال کیا ہے اس کی جگہ یقین کی جگہ ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ تمہیں کس کی طرف جانا چاہیے، اس کی طرف جو زیادہ سے زیادہ یہ جانتا ہے کہ کچھ نہیں جانتا یا اس کی طرف جس کی پکار کی پہلی بات ہی یہ ہے کہ میرے پاس سرتا سر دلیل و یقین ہے ؟ "فَهَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ" ؟ (کیا اندھا اور صاحب بصیرت برابر ہیں ؟)

"ہم وجدانی طور پر محسوس کرتے ہیں کہ ہماری محسوسات کی سرحد سے آگے بھی کچھ ہونا چاہیے لیکن ہمیں علم و ادراک کے ذریعہ یقینی بصیرت نہیں ملتی۔ اگر اس بارے میں یقین کی کوئی صدا ہے تو وہ صرف الہامی ہدایت کی صدا ہے، اگر ہم اس سے انکار کریں تو پھر ہمارے پاس جہل و تاریکی کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا"

"ہم نے اس وقت تک علم و ادراک کے ذریعہ جو کچھ معلوم کیا ہے اس میں کوئی یقینی بصیرت ایسی نہیں ہے جو ان حقایق کے خلاف ہو۔"

"یہاں ہم نے یقینی بصیرت کا لفظ اس لیے کہا کہ عالم غیب کے ان حقایق کے خلاف اس وقت تک جو کچھ کہا گیا ہے وہ اس سے زیادہ نہیں ہے کہ یا تو عدم علم کا اعتراف ہے جیسا کہ تمام حکماء قدیم و جدید نے کیا، یا پھر انکار ہے

تو اس کی بنا تمام تر ظنون و تخمینات ہیں، کوئی ثابت شدہ حقیقت نہیں ہے قرآن کہتا ہے، تم گمان و شک کا جربہ لے کر یقین و بصیرت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

"اس بارے میں کتنی ہی کاوش کی جائے لیکن اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا جو قرآن نے کہدیا ہے"۔

(ترجمان القرآن جلد اول صفحہ ۴۲۷، ۴۲۹)

قوم کا دوسرا اعتراض اور حضرت صالحؑ کا جواب دوسری اقوام کی طرح ثمود نے بھی دوسرا اعتراض کیا:

فَقَالُوٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ۝ (القمر ۲۴)

کہا کہ بھلا ایک آدمی جو ہم ہی میں سے ہے، ہم اس کی پیروی کریں یوں ہو تو ہم گمراہی اور دیوانگی میں پڑ گئے۔

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۝ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ (مومنون ۳۳، ۳۴)

یہ تو تم ہی جیسا آدمی ہے، جس قسم کا کھانا تم کھاتے ہو اسی طرح کا یہ بھی کھاتا ہے اور جو (پانی) تم پیتے ہو اسی قسم کا یہ بھی پیتا ہے اور اگر تم نے اپنے ہی جیسے آدمی کا کہا مان لیا تو گھاٹے میں پڑ گئے۔

اس اعتراض میں جو کم و بیش ہر امت اپنے فرستادہ پیغمبر پر کرتی آئی ہے، انسانیت کی ایک زبردست گمراہی کا نچوڑ موجود ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ روحانی ہدایت کا معاملہ ایسا معاملہ ہے جو انسان کے ذریعہ سے نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ انسانیت سے بالاتر کوئی ہستی ہو، فرشتے آئیں یا خود خدا ظاہر ہو جائے۔ اسی گمراہی نے دیوی دیوتا اور اوتاروں کو جنم دیا، اچنبھوں کی خواہش اور خرق عادت کے مطالبہ کو اُکسایا اور کفر و گمراہی کو ہوا دی۔ چنانچہ حضرت نوحؑ رسول اول سے لیکر محمد عربیؐ رسول آخر تک منکرین حق نے داعی حق کے متعلق یہی اعتراض کیا وما نراک الا بشرا مثلنا (تم تو ہماری ہی طرح کے ایک بشر ہو) مشرکین مکہ خاتم الانبیا صلعم کے متعلق کہتے تھے مَا هٰذَا الرسول یاکل الطعام و یمشی

فی الاسواق (یہ کیسا خدا کا فرستادہ ہے کہ ہماری طرح کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے)
لیکن ہر پیغمبر کی طرح حضرت صالحؑ کی پکار یہی تھی کہ

اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ۝ وَمَآ اَسْـَٔلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
(الشعراء ۱۴۳ تا ۱۴۵)

میں تو (صرف) تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں، تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں اس کام کا تم سے بدلہ نہیں مانگتا میرا بدلہ تو (خدا) رب العالمین کے ذمہ ہے۔

حیات مابعد سے انکار

لیکن قوم جو اس مادی زندگی کے علاوہ اور کسی زندگی کی قائل نہ تھی، حشر و نشر، جزاء و سزا اور اخروی زندگی کے تصور کا تحمل نہ کر سکی اور چیخ اٹھی:

اَیَعِدُکُمْ اَنَّکُمْ اِذَا مِتُّمْ وَکُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّکُمْ مُّخْرَجُوْنَ ۙ هَیْهَاتَ هَیْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ۙ اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ ۙ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ نِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِیْنَ ۝
(مومنون ۳۵ تا ۳۸)

کیا یہ تم سے یہ کہتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی ہو جاؤ گے اور استخوان (کے سوا کچھ باقی نہ رہے گا) تو تم (زمین سے) نکالے جاؤ گے؟ جس بات کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (بہت) بعید اور (بہت) بعید ہے زندگی تو یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے کہ (اسی میں) ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہم پھر نہیں اٹھائے جائیں گے۔ یہ تو ایک ایسا آدمی ہے جس نے خدا پر جھوٹ افترا کیا ہے اور ہم اس کو ماننے والے نہیں۔

حضرت صالحؑ کا ارشاد

حضرت صالحؑ نے نہایت حکیمانہ انداز میں تبلیغ و ارشاد کا سلسلہ جاری رکھا اور قوم پر یہ حقیقت واضح کی کہ یہی ہماری مادی زندگی اس بات کی شہادت اپنے اندر رکھتی ہے کہ اس محسوسات اور مادیات کے دائرہ سے ماوراء بھی کسی عظیم تر حقیقت کا ہونا ضروری ہے، خود ہمارے مادی جسموں میں یہ غیر مادی زندگی اور روح کیا ہے اور اس کی پکار کیا ہے، یہی کہ کسی بالاتر ہستی نے ہمیں تخلیق کیا اور زندگی کی نعمتوں سے سرفراز فرمایا اور یہ سب کچھ بے مقصد اور بے معنی

نہیں کہ نہ اس کی کوئی بازپرس ہوا اور نہ اس پر جزاء و سزا ملے، یہ دنیا اور یہ زندگی تو ایک امتحان گاہ ہے جس کے ہر کام کا بدلہ اور ہر عمل کی مکافات ہے، خدا کی یہ بے شمار نعمتیں جو تمھیں میسر ہیں، یہ ابر و باد و باراں، یہ ہرے بھرے لہلہاتے ہوئے کھیت و سرسبز و خوشنما باغات، یہ پہاڑوں کے سینوں کو چیر کر ابلتے ہوئے چشمے اور یہ سازِ حیات بخشنے والے دریا، یہ تمھارے علوم و فنون اور صنعتیں، کیا تمھیں یہ سب چیزیں یوں ہی مل گئی ہیں اور اس میں تمھارا کوئی امتحان نہیں لیا جائے گا، کوئی بازپرس نہ ہوگی، تمھیں کیا ہو گیا ہے۔ آخر تم خدا کے خوف سے کیوں نہیں کانپ اٹھتے۔

اَتُتْرَكُوْنَ فِىْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ۝ فِىْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ۝ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ (الشعراء ۱۴۶ تا ۱۵۰)	کیا جو چیزیں (تمھیں) یہاں (عطا کی گئی) ہیں ان میں تم بے خوف چھوڑ دیے جاؤ گے؟ (یعنی) باغ اور چشمے اور کھیتیاں اور کھجوریں جن کے خوشے لطیف و نازک ہوتے ہیں اور تکلف سے پہاڑوں میں تراش تراش کر گھر بناتے ہو، تو خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

اور آپ نے ان کو فساد و شورش اور ہنگامہ و تخریب سے روکا اور اصلاح کی دعوت دی:

وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ (الشعراء ۱۵۱-۱۵۲)	اور حد سے تجاوز کرنے والوں کی بات نہ مانو، جو ملک میں فساد کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔

قوم کا طلبِ معجزہ

جب حضرت صالحؑ کے لائے ہوئے نورِ ہدایت کے خلاف قوم کو کوئی کارگر دلیل ہاتھ نہ آئی تو ان کی صداقت کے ثبوت میں معجزہ کی فرمایش کی:

مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۖ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (الشعراء ۱۵۴)	تم اور کچھ نہیں، ہماری ہی طرح کے آدمی ہو۔ اگر سچے ہو تو کوئی نشانی پیش کرو۔

یہ طلبِ معجزہ بھی انسانی ذہن کی ایک عجیب گمراہی رہی ہے، پیغمبر تو دعوی کرتا ہے کہ میں تمھارے

روحانی امراض کا طبیب حاذق ہوں اور ان کا مؤثر اور یقینی علاج تمھیں بتاتا ہوں، اس کے دعویٰ کی صداقت کا امتحان تو یہی ہو سکتا ہے کہ اس بتائے ہوئے علاج پر عمل کر کے دیکھا جائے کہ موعودہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے یا نہیں مگر اس کے برخلاف لوگ کہتے ہیں کہ نہیں ہم علاج کر کے تو نہیں دیکھیں گے ہم تو اسی وقت سمجھیں گے کہ تم واقعی طبیب حاذق ہو جب تم سینہ کوہ کو چیر دو اور اس ٹھوس چٹان میں سے ایک حاملہ اونٹنی برآمد کر دو، بھلا کوئی بتائے کہ اس دعویٰ و ثبوت میں تطبیق کیا ہوئی، مگر انسانی ذہن کی بے شمار گمراہیوں کی طرح یہ گمراہی بھی نہایت قدیم ہے اور اسی کی وجہ سے ہر قوم نے اپنے پیغمبر سے معجزہ طلب کیا ہے۔

ناقۃ اللہ کا ظہور حضرت صالحؑ نے دعا فرمائی اور خدا کے حکم سے ٹھوس چٹان پھٹ گئی اور اس سے ایک نہایت عظیم الجثہ اونٹنی برآمد ہوئی جس نے ظاہر ہونے کے بعد بچہ دیا،

حضرت صالحؑ نے قوم سے فرمایا کہ لو تمھاری فرمایش پوری ہو گئی:

قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً (الاعراف ۷۳)	تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل آگئی ہے، یہ اونٹنی ہے اللہ کی جو تمھارے لیے دلیل ہے۔

ہمارے مفسرین لکھتے ہیں:

"سال بھر میں ایک دن ان کی عید کا ہوتا تھا، اس روز انھوں نے حضرت صالحؑ سے کہا کہ تم اپنے خدا سے ہمارے لیے ایک معجزہ کی دعا کرو اور ہم اپنے بتوں سے اسی معجزہ کی خواہش کرتے ہیں، اگر تمھارے خدا نے ہمارا معجزہ پورا کر دیا تو ہم تم کو سچا نبی جان کر تم پر ایمان لے آئیں گے۔ حضرت صالحؑ نے ان سے کہا کہ تم کیا معجزہ چاہتے ہو۔ جندع ابن عمرو ایک شخص ثمود میں سردار تھا اس نے پہاڑ میں سے حاملہ اونٹنی کے پیدا ہونے کا معجزہ چاہا۔ حضرت صالحؑ نے دو رکعت نماز پڑھ کر دعا مانگی اور وہ پتھر سے پیدا ہو گئی اور پھر اس نے بچہ دیا۔ یہ معجزہ دیکھ کر جندع اور

چند شخص ایمان لائے" (معجزنما حمائل شریف' فوائد صفحہ ۲۵۲ ازمولانا اشرف علی تھانوی)

"ناقۃ اللہ" کے متعلق پیغمبر کی قوم کو ہدایات اور انتباہ

حضرت صالحؑ کو پہلے ہی وحی الٰہی مطلع کر چکی تھی کہ:

إِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ۝ وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ۝ (القمر ۲۷ و ۲۸)	(اے صالحؑ) ہم ان کی آزمائش کے لیے اونٹنی بھیجنے والے ہیں تو تم ان کو دیکھتے رہو اور صبر کرو اور ان کو آگاہ کر دو کہ ان میں پانی کی باری مقرر کر دی گئی ہے (سو باری والے کو اپنی) باری پر آنا چاہیے

چنانچہ ظہور ناقہ کے بعد آپ نے قوم کو ہدایت فرمائی اور خبردار کیا:

قَالَ هَٰذِهِ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ۝ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ (الشعراء ۱۵۵ و ۱۵۶)	فرمایا (دیکھو) یہ اونٹنی ہے (ایک دن) اس کی پانی پینے کی باری ہے اور ایک معین روز تمھاری باری' اور اس کو کوئی تکلیف نہ دینا (نہیں تو) تم کو سخت عذاب آپکڑے گا۔

آپ نے بار بار قوم کو تنبیہہ فرمائی کہ یہ اللہ کی اونٹنی ہے اس سے تعرض نہ کرنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے

هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً ۖ فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ ۖ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ[۱] ۝ (الاعراف ۷۳)	یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمھارے لیے دلیل ہے سو اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں چرتی پھرے اور تم اسے بری نیت سے ہاتھ بھی نہ لگانا ورنہ تم کو دردناک عذاب آپکڑے گا۔

پانی کی باری مقرر کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ثمود کے ملک میں پانی کی کمی تھی اور "ناقۃ اللہ" کے

---

[۱] سورہ ھود کی آیت ۶۴ کے بھی یہی الفاظ ہیں صرف آخر میں "عذاب الیم" کی بجائے سورہ ھود میں "عذاب قریب" آیا ہے۔

متعلق ہمارے مفسرین کا بیان ہے کہ :

"وہ اونٹنی اس قدر عظیم الجثہ اور ڈیل ڈول کی تھی کہ جس جنگل میں چرتی دوسرے مواشی ڈر کر بھاگ جاتے اور اپنی باری کے دن جس کنوئیں سے پانی پیتی کنواں خالی کر دیتی، گویا جیسے اس کی پیدائش غیر معمولی طریقہ سے ہوئی لوازم و آثار حیات بھی غیر معمولی تھے۔" (مولانا شبیر احمد عثمانی، فوائد صفحہ ۲۰۷ ترجمہ قرآن مجید شیخ الہند)

لیکن بدبخت قوم اس عظیم الشان اور خلاف فطرت واقعہ کے ظہور کے بعد بھی نہ حضرت صالحؑ پر ایمان لائی اور نہ اس نے راہِ حق کو قبول کیا۔

مومنین اور معاندین کی جماعتوں میں اختلاف اور قوم کا کفر و غرور

جیسا کہ ہرقل کی حدیث سے واضح ہے داعیانِ حق کی پکار پر پہلے لبیک کہنے والا طبقہ غرباء ہی کا ہوا کرتا ہے، حضرت صالح کی تعلیم و تبلیغ کے نتیجہ میں بھی غریب طبقہ کے چند خستہ حال اور کمزور افراد ایمان لے آئے تھے اور قوم کے خوشحال طبقہ کے افراد جو دولت و دنیاوی امارت کے نشہ میں چور تھے ان غریب مومنین کا مذاق اڑاتے اور ان سے جھگڑتے رہتے تھے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ (النمل ۴۵)	اور ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالحؑ کو بھیجا کہ خدا کی عبادت کرو تو وہ دو فریق ہو کر آپس میں جھگڑنے لگے۔

حضرت صالح نے ظہورِ ناقہ کے بعد پھر قوم کو اصلاح کی دعوت دی، ان کو خدا کے احسانات یاد دلائے اور فتنہ و فساد سے باز رہنے کی فہمائش کی، آپ نے قوم سے خطاب فرمایا :

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ	اور یاد تو کرو جب اس نے تم کو قوم عاد کے بعد سردار بنایا اور زمین پر آباد کیا کہ نرم زمین سے محل تعمیر کرتے ہو اور پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر گھر

بُیُوۡتًا ج فَاذۡکُرُوۡۤا اٰلَآءَ اللّٰہِ وَ لَا تَعۡثَوۡا فِی الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِیۡنَ ○ (الاعراف ۷۴)	بناتے ہو، پس خدا کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد کرتے مت پھرو۔

لیکن اس برحق ہدایت و موعظت پر بھی قوم نے کوئی توجہ نہ کی اور قوم میں جو بڑے بڑے متکبر سردار اور معاندین تھے وہ خستہ حال اور ضعیف مؤمنوں سے اُلجھ پڑے اور کہنے لگے کہ کیا ہم باوجود اپنی دولت و علم و دانش کے جو بات آج تک سمجھ سکے وہ تم جیسے ذلیل انسانوں کو معلوم ہو گئی کہ صالحؑ ہادی برحق اور مرسل من اللہ ہیں، انھوں نے جواب دیا کہ معلوم ہونا کیا ہمیں تو اس کا پورا یقین ہے، یعنی ہم میں اور تم میں فرق یہ ہے کہ تمھارا انکار شک و گمان کا نتیجہ ہے اور ہمارا اقرار و اثبات یقین و بصیرت کی آواز ہے ع

بہ بیں تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا

لیکن دولت کے غرور نے قبول سے اعراض کیا اور وہ نخوت و استکبار سے بپھر کر چیخ اٹھے کہ تم جیسے چند ذلیل و خستہ حال لوگوں کے ایمان و اقرار سے کیا ہوتا ہے ہم جو سردار اور مال و دولت کے ٹھیکیدار ہیں اور جو قوم کی عزت ہیں ہم انکار کرتے ہیں، ایسے الفاظ اسی وقت انسان کی زبان سے نکلتے ہیں جب حق و صداقت کی تمام راہیں اس پر بند ہو جائیں اور وہ خدا کے قہر و غضب سے بالکل بے خوف ہو جائے۔

قَالَ الۡمَلَاُ الَّذِیۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖ لِلَّذِیۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا لِمَنۡ اٰمَنَ مِنۡهُمۡ اَتَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرۡسَلٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوۡۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلَ بِهٖ مُؤۡمِنُوۡنَ ○ قَالَ الَّذِیۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡۤا اِنَّا بِالَّذِیۡۤ اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ كٰفِرُوۡنَ ○	ان کی قوم میں سردار لوگ جو مغرور تھے غریب لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لے آئے تھے کہنے لگے کہ کیا تم یقین رکھتے ہو کہ صالحؑ اپنے پروردگار کی طرف سے بھیجے گئے ہیں؟ انھوں نے کہا ہاں جو چیز دیکر وہ بھیجے گئے ہیں ہم اس پر بلاشبہ ایمان رکھتے ہیں (یہ سرداران) مغرور کہنے لگے کہ جس چیز

(الاعراف ۷۵، ۷۶) | پر تم ایمان لائے ہو ہم اس کو نہیں مانتے۔

قوم کی گستاخی و سرکشی

قوم نے گستاخی اور دشنام طرازی شروع کی اور کہا "تم جھوٹے ہو"

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ نِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا (المؤمنون ۳۸)	یہ تو ایک ایسا شخص ہے جس نے خدا پر جھوٹ افتراء کیا ہے۔

"تم سحر زدہ ہو"

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ (الشعراء ۱۵۳)	بولے کہ تم تو سحر زدہ ہو'

"تم ہمارے لیے شگون بد ہو"

اطَّيَّرْنَا بِكَ (النمل ۴۷)	تم ہمارے لیے شگون بد ہو

"تم جھوٹے اور خود پسند ہو"

ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ○ (القمر ۲۵)	کیا ہم سب میں سے اسی پر وحی نازل ہوئی ہے؟ (نہیں) بلکہ یہ جھوٹا' خود پسند ہے۔

بالآخر وحی الٰہی نے ناموس نبوت کی توہین کا جواب دیا :

سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ○ (القمر ۲۶)	ان کو کل ہی معلوم ہو جائے گا کہ کون جھوٹا' خود پسند ہے'

قوم کا ناقۃ اللہ کو ہلاک کر دینا

قوم میں مفسدین و اشرار کے تو سرغنہ تھے جو ہر وقت خرابی اور فتنہ و فساد پر آمادہ رہتے تھے :

وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ○ (النمل ۴۸)	اور شہر میں نو شخص تھے جو ملک میں فساد کیا کرتے تھے اور اصلاح سے کام نہیں لیتے تھے۔

ادھر قوم معجزہ کی اونٹنی سے سخت پریشان ہو چکی تھی کہ وہ جس جنگل میں چرتی وہاں سے سب لوگوں کے جانور خوفزدہ ہو کر بھاگ جاتے اور اپنی باری کے دن جس کنوئیں سے

پانی پیتی اس کو خالی کر دیتی - بالآخر ان مفسدوں نے حضرت صالحؑ کے انتباہ کو فراموش کر کے ناقۃ اللہ کو ہلاک کرنے کا ارادہ کر لیا چنانچہ ایک دن موقع پا کر انھوں نے اپنے سرغنہ کو بلایا اور وہ بدبخت تیار ہو کر کھڑا ہو گیا۔ حضرت صالحؑ نے پھر تنبیہ فرمائی اور روکنا چاہا مگر قوم جو خود اپنی ہلاکت کو آواز دے رہی تھی نہ مانی اور اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ کر اس کو ہلاک کر ڈالا :

اِذِ انۢبَعَثَ اَشۡقٰهَا ۞ فَقَالَ لَهُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقۡيٰهَا ۞ فَكَذَّبُوۡهُ فَعَقَرُوۡهَا (الشمس ۱۲ تا ۱۴)	جب ان میں سے ایک نہایت بدبخت اٹھا تو خدا کے پیغمبر نے اُن سے کہا کہ خدا کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کی باری سے حذر کرو مگر انھوں نے پیغمبر کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں ۔
فَنَادَوۡا صَاحِبَهُمۡ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ۞ (القمر ۲۹)	ان لوگوں نے اپنے رفیق کو بلایا اور اس نے (اونٹنی کو) پکڑ کر اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں ۔

یہ مفسد اعظم قدار بن سالف تھا !

قوم کا طلب عذاب اور حضرت صالحؑ کی نصیحت معجزہ کی اونٹنی کو ہلاک کرنے کے بعد مفسدین اور اشرار نے حضرت صالحؑ کو چیلنج کیا اور ان سے اس عذاب کو طلب کیا جس سے وہ قوم کو ڈراتے تھے، گویا اپنی ہلاکت کا سامان کرنے کے بعد اب اس ہلاکت کو آواز دے رہے تھے :

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوۡا عَنۡ اَمۡرِ رَبِّهِمۡ وَقَالُوۡا يٰصٰلِحُ ائۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۞ (الاعراف ۷۷)	آخر انھوں نے اونٹنی (کی کونچوں) کو کاٹ ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے کہ صالحؑ جس چیز سے تم ہمیں ڈراتے تھے اگر تم (خدا کے) پیغمبر ہو تو اسے ہم پر لے آؤ ۔

مگر مرحبا ! صبر و ضبط نبوت ! کہ حضرت صالحؑ اس وقت بھی غیظ و غضب کا اظہار نہیں فرماتے بلکہ اس وقت بھی لطف و رافت سے کام لیتے ہیں اور بلطائف الحیل قوم کو اصلاح کی دعوت دیتے ہیں ،

قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ج لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ (النمل ۴۶)	(حضرت صالحؑ نے) فرمایا اے قوم! تم بھلائی سے پہلے برائی کے لیے کیوں جلدی کرتے ہو (تم) خدا سے بخشش کیوں نہیں مانگتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

نبی کی اس خیر خواہی اور رحمت و شفقت کا سرکش قوم نے جو جواب دیا وہ یہ تھا:

قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ط (النمل ۴۷)	وہ کہنے لگے تم اور تمھارے ساتھی ہمارے لیے شگون بد ہیں۔

حضرت صالحؑ نے جواب میں صرف اتنا فرمایا اور خاموش ہو گئے:

قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ○ (النمل ۴۷)	(حضرت صالحؑ نے) کہا کہ تمھاری بدشگنی خدا کی طرف سے ہے بلکہ تم ایسے لوگ ہو جن کی آزمائش کی جاتی ہے۔

تین دن کی مہلت

بالآخر حکم الٰہی کے مطابق حضرت صالحؑ نے قوم کو تین دن کی مہلت عطا کیے جانے اور اس کے بعد عذاب کی آمد کی خبر دی:

فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ط ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ○ (ھود ۶۵)	پھر (حضرت صالحؑ نے) فرمایا کہ اپنے گھروں میں تین دن (اور) فائدے اٹھا لو یہ وعدہ ہے کہ جھوٹا نہ ہوگا۔

مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

"شہر کے لوگ عذر کرنے لگے کہ ان نو آدمیوں نے اونٹنی کو ہلاک کیا ہے ہم بے قصور ہیں، آپ نے فرمایا کہ دیکھو اس کے بچہ کو ڈھونڈو، اگر وہ بچہ تم کو مل جاوے تو شاید عذاب ٹل جاوے۔ وہ بچہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا اور پتھر میں غائب ہو گیا"

(معجز نما حمائل شریف صفحہ ۲۵۴)

حضرت صالحؑ کے قتل کی سازش

اونٹنی کی ہلاکت کے بعد حضرت صالح نے فرما دیا تھا کہ اب تین دن سے زیادہ مہلت نہیں، عذاب آ کر رہے گا

اب کفار کے یہ نو سردار خود حضرت صالحؑ کے قتل کی سازش کرنے لگے آپس میں معاہدے اور حلف ہوئے کہ سب مل کر رات کو آپ کے مکان پر ٹوٹ پڑیں اور گھر والوں میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑیں، پھر جب کوئی ان کے خون کا دعویٰ کرنے والا کھڑا ہو تو کہہ دیں کہ ہمیں خبر نہیں، ہم موقعہ ہلاکت پر موجود ہی نہیں تھے، وہ یہ تدبیر کر رہے تھے اور خدا کچھ اور تدبیر کر رہا تھا۔ ان کو ڈھیل دی جا رہی تھی کہ اپنی شرارتوں کی تکمیل کر لیں تاکہ مستحق عذاب ہونے میں ذرا سی بھی حجت اور عذر باقی نہ رہے، حضرت شاہ عبدالقادرؒ محدث دہلوی لکھتے ہیں :

"ان کی ہلاکت کے اسباب پورے ہونے تھے۔ شرارت جب تک حد کو نہ پہنچے ہلاکت نہیں آتی"۔ (موضح القرآن)

سورہ نمل میں ثمود کے ان نو سرکش سرداروں کے اسی مشورہ اور سازش کا ذکر ہے :

قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ○ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ (النمل ۴۹، ۵۰)	(یہ نو اشرار) کہنے لگے کہ خدا کی قسم کھاؤ ہم رات کو اس پر اور اس کے گھر والوں پر شبخون ماریں گے پھر اسکے وارثوں سے کہدیں گے کہ ہم تو اس کے گھر والوں کے موقع ہلاکت پر گئے ہی نہیں اور ہم سچ کہتے ہیں، اور وہ ایک چال چلے اور ہم بھی ایک چال چلے اور ان کو کچھ خبر نہ ہوئی۔

عذابِ الٰہی اور قوم ثمود کی ہلاکت

بالآخر حجت پوری ہوئی اور اونٹنی کی ہلاکت کے تین دن کے بعد عذاب آیا اور تمام کفار ہلاک ہو گئے :۔

اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ (نمل ۵۱)	ہم نے ان (نو سرداروں) کو اور ان کی قوم سب کو ہلاک کر ڈالا۔
فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا (الشمس ۱۴)	خدا نے ان کے گناہوں کے سبب ان پر عذاب نازل کیا اور سب کو (ہلاک کر کے) برابر کر دیا۔

یہ عذاب اس صورت میں نازل ہوا کہ نیچے سے سخت زلزلہ "رجفہ" آیا (الاعراف ۷۵ و عنکبوت ۳۷)

اور اوپر سے ایک انتہائی ہولناک "صیحہ" "صیحہ" (ہود ۶۸، مومنون ۴۱، القمر ۲۹) اور زہرہ گداز کڑک "صاعقہ" (حم سجدہ ۱۷، الذاریات ۴۴، سورہ حاقہ میں طاغیہ کا لفظ ہے (آیت ۵) اس کے معنی بھی کڑک کے ہیں) کی آواز آئی جس سے سب معاندین ہلاک ہو گئے۔

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی لکھتے ہیں :

"ان پر عذاب آیا اس طرح کہ رات کو پڑے سوتے تھے۔ فرشتہ نے چنگھاڑ ماری، سب کے جگر پھٹ گئے" (موضح القرآن)

روایتوں میں ہے کہ ایک شخص ابو رغال حرم میں ہونے کی وجہ سے کچھ دنوں بچ گیا، لیکن جب حرم سے نکلا تو وہ بھی ہلاک ہو گیا۔ اس کی قبر طائف میں ہے۔ حضور اقدس صلعم نے صحابہ کو اس کی قبر بتائی تھی، حضور نے فرمایا ہے ان کے مقامات کو دیکھ کر خوف کرو اور روتے رہو (فتح الباری)

مومنین کی نجات اور حضرت صالحؑ کا قوم سے عبرت انگیز ارشاد

حضرت صالحؑ اور ان کے رفقاء جو صاحب ایمان تھے اور جو کفر وعصیان سے کنارہ کش تھے اس عذاب سے بچا لیے گئے :

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝ (ھود ۶۶)	جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے صالحؑ کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے تھے ان کو اپنی مہربانی سے بچا لیا۔ اور اس دن کی رسوائی سے (محفوظ رکھا) بے شک تمہارا پروردگار طاقتور (اور) زبردست ہے۔
وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ[1] ۝ (النمل ۵۳)	اور جو لوگ ایمان لائے اور ڈرتے تھے ان کو ہم نے نجات دی۔

خدا کی رحمت و قدرت کا کیا ٹھکانا ہے کہ کافر و مومن رلے ملے ایک بستی میں آباد ہوں مگر عذاب کے

---

[1] بالکل یہی الفاظ سورہ حم سجدہ کی آیت ۱۸ کے ہیں۔ صرف فرق یہ ہے کہ یہاں شروع میں وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ ہے اور سورہ حم سجدہ کی اٹھارھویں آیت اس طرح شروع ہوتی ہے وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ۔

تو چن چن کر کافروں اور سرکشوں کو ہلاک کرے اور ایک مومن کو بھی نہ چھوئے! اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا (اور) رحمٰن و رحیم ہے)

ہلاک ہونے کے بعد کفار اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے تھے گویا وہ کبھی وہاں بستے ہی نہ تھے:۔

وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ۝ (ھود ۶۷، ۶۸)

اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ان کو چنگھاڑ نے آپکڑا تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ گویا ان میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔ سُن رکھو ثمود نے اپنے پروردگار سے کفر کیا اور سُن رکھو ثمود پر پھٹکار ہے

قوم کی ہلاکت کے بعد حضرت صالحؑ نے مکہ معظمہ یا ملک شام کی طرف ہجرت فرمائی۔ جاتے ہوئے مڑ کر ان کی لاشوں کے انبار دیکھے اور یہ سبق آموز اور عبرت انگیز الفاظ ارشاد فرمائے :۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ (الاعراف ۷۹)

پھر صالحؑ اُلٹے پھرے ان سے اور بولے کہ اے میری قوم! میں نے تم کو خدا کا پیغام پہنچا دیا اور تمھاری خیر خواہی کی مگر تم خیر خواہوں کو دوست ہی نہیں رکھتے

عذاب و ہلاکت کی وجہ

خدا کی رحمت بہت وسیع ہے، وہ کسی قوم کو صرف اپنی قہاری اور جباری کی بنا پر ہلاک نہیں کرتا بلکہ جو قوم بھی ہلاک ہوئی وہ اس لیے ہلاک ہوئی کہ اس نے اپنی بداعمالیوں اور کفر و عصیان کی بنا پر خود اپنی تباہی کا سامان کیا اور خود اپنی ہلاکت کو آواز دی سورۂ ھود آیت ۶۷ میں جو ابھی اوپر گذر چکی ہے، ارشاد ہوا ہے کہ "جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ان کو چنگھاڑ نے آپکڑا" یہ قرآن کی معجز بیانی ہے کہ واقعہ کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ اس کی وجہ اور سبب بھی اسی میں موجود ہے یعنی عذاب ان کے ظلم کی بنا پر آیا اور صرف ظالموں پر آیا اور ظالموں کو بھی اس کی رحمت ڈھیل پر ڈھیل دیئے جاتی ہے، مہلت پر مہلت عطا کی جاتی ہے کہ اب بھی وہ

تائب ہو کر راہ راست پر آجائیں اور اس کی رحمت بڑھ کر ان کو اپنی آغوش میں لے لے لیکن جب قوم مہلت سے غلط فائدہ اٹھاتی ہے اور اس کی اصلاح پذیری کی ہر امید منقطع ہو جاتی ہے تو پھر وہ فنا کر دی جاتی ہے۔

سورۂ حم سجدہ میں ہے :

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ (حم سجدہ ۱۷)	اور جو ثمود تھے ان کو ہم نے سیدھا راستہ دکھایا تھا مگر انھوں نے ہدایت کے مقابلہ میں اندھا رہنا پسند کیا تو ان کے اعمال کی سزا میں کڑک نے ان کو آ پکڑا اور وہ ذلت کا عذاب تھا۔

سورۂ الشمس میں ہے :

فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۝ (الشمس ۱۴)	خدا نے ان کے گناہ کے سبب ان پر عذاب نازل کیا اور سب کو (ہلاک کر کے) برابر کر دیا۔

اور ان کی اصلاح پذیری کی امید بھی منقطع ہو چکی تھی :

وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (الشعراء ۱۵۸)	اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے۔

کیونکہ اگر ان کی اصلاح پذیری کی امید بھی باقی رہتی تو خدا کی رحمت اتنی وسیع تھی کہ شاید اس وقت بھی عذاب نازل نہ ہوتا۔ سورۂ الشعراء کی اس سے اگلی ہی آیت ہے۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ (الشعراء ۱۵۹)	اور تمہارا پروردگار تو غالب (اور) مہربان ہے۔

ثمود کی بستیوں کے نشانات

حضور اکرم صلعم کے زمانے تک ثمود کی بستیوں کے نشانات وادی القریٰ میں موجود تھے اور عرب جو تجارتی قافلوں کے ساتھ حجاز سے ملک شام کو جاتے تھے وہ ان سے ہو کر گذرتے تھے۔ اسی لیے قرآن مجید عربوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے :

وَعَادًا وَّثَمُوْدَا وَقَدْ تَبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ۝

(العنکبوت ۳۸)

اور عاد اور ثمود کو بھی (ہم نے ہلاک کر دیا) چنانچہ ان کے (ویران) گھر تمہاری آنکھوں کے سامنے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال ان کو آراستہ کر دکھائے اور ان کو (سیدھے) راستہ سے روک دیا حالانکہ وہ دیکھنے والے (لوگ) تھے۔

سورہ نمل میں ہے:

فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوْا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝

(النمل ۵۲)

اب یہ ان کے گھر ان کے ظلم کے سبب خالی پڑے ہیں، جو لوگ دانش رکھتے ہیں ان کے لیے اس میں نشانی ہے۔

مسند امام احمد حنبل، مسند حاکم اور صحیح بخاری وغیرہ کی روایتوں کے مطابق تبوک جاتے وقت آنحضرت صلعم کا گذر جب ثمود کی ویران بستی پر ہوا تو آپ نے صحابہؓ کو حضرت صالحؑ کی اونٹنی کی پیدائش اور چلنے پھرنے کی جگہ بتائی اور جس کنوئیں سے وہ اونٹنی پانی پیتی تھی اس کے سوا اور کنوؤں کے پانی کو آپ نے منع فرمایا اور کہا کہ جب تک اس بستی سے گذر نہ ہو جائے استغفار کرتے رہیں۔ دوسرے کنوؤں کے پانی سے صحابہؓ نے جس قدر آٹا گوندھ لیا تھا وہ آپ نے پھکوا دیا، البتہ ابن ابی عاصمؓ کے پوچھنے پر آپ نے اونٹوں کو وہ آٹا کھلا دینے کی اجازت دے دی مگر کسی آدمی کو وہ آٹا استعمال نہیں کرنے دیا۔

ثمود کی زبان کے متعلق علامہ سید سلیمان ندوی کی تصریح

ثمود کی زبان کے متعلق علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

"عاد و ثمود وغیرہ امم بائدہ کی زبان عربی آرامی تھی، ثمود کے متعلق ایک اور بات بھی غور کے لائق ہے، شمالی عرب کے جن مقامات

میں ثمود کی سکونت ثابت ہے وہاں ایک خاص خط کے بہت سے کتبات پائے گئے ہیں جن کی زبان آرامی عربی ہے۔ العلاء کے کتبات اسی قسم کے ہیں، اس خط کا نام پہلے "پروٹو عربک" (ابتدائی عربی) تھا۔ بعض لوگ اس کو لحیانی کہتے ہیں کہ یہاں کے چند کتبات میں لحیان نامی ایک قبیلہ کا ذکر ہے لیکن زیادہ تر لوگ اس کو ثمودی کہتے ہیں۔

"اہل عرب نے ان قوموں کی زبان کا نام "مسند" لکھا ہے (معجم یاقوت) لیکن اس کو مسند کہنا خلاف تحقیق ہے۔ محققین عرب کے نزدیک مسند زبان کا نہیں خط کا نام ہے جو اہل یمن کے استعمال میں تھا اس خط کے ہزاروں کتبے یمن میں موجود ہیں"

(ارض القرآن جلد دوم صفحہ ۱۳۶/۱۳۷)

اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا وَّ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

بے شک ابراہیمؑ پیشوا تھا، متواضع اور خدا کا موحد تھا اور مشرکوں میں سے نہ تھا

ابراہیم

حضرت ابراہیم علیہ السلام ABRAHAM

(۲۱۶۰ قم تا ۱۹۸۵ قم)

سلسلہ نسب تورات کی تصریح کے مطابق حضرت نوحؑ سے حضرت ابراہیمؑ تک دس پشتیں ہیں حضرت نوحؑ سے حضرت ھودؑ تک سلسلہ نسب مع ضروری تصریحات کے آل نوحؑ اور حضرت ھودؑ کے تذکروں میں اوپر گذر چکا ہے۔ حضرت ھودؑ سے حضرت ابراہیمؑ تک سلسلہ نسب یہ ہے:

شمارہ	نام مذکورہ تورات	انگریزی نام	مولود مذکور کی پیدائش کے وقت عمر	کل عمر	حوالہ
۱	حضرت ھودؑ (عبر)	FBER	۳۴ سال	۴۶۴ سال	تورات - پیدائش باب ۱۱ - ۱۵
۲	فلج	PELEG	۳۰ "	۲۳۹ "	" " " ۱۸ و ۱۹
۳	رعو	RBU	۳۲ "	۲۳۹ "	" " " ۲۰ و ۲۱
۴	سروج	SERUG	۳۰ "	۲۳۰ "	" " " ۲۳
۵	نحور	NAHOR	۲۹ "	۱۴۸ "	" " " ۲۴
۶	تارح	TERAH	۷۰ "	۲۰۵ "	" " باب ۱۲ ۲۷ و ۳۲
۷	حضرت ابراہیم علیہ السلام	ABRAHAM		۱۷۵ "	" " باب ۲۵ ، ۷

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ اور تاریخ پیدائش و وفات

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کے تعین کے سلسلہ میں محققین

یورپ و امریکہ و ایشیا، مختلف نتائج پر پہنچے ہیں اور موجودہ دور میں رجحان زمانہ کو قریب تر لانے کی طرف ہے۔

ان تحقیقات کے نتائج کو بیان کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں ایک اور بات واضح کر دی جائے۔ توراۃ میں سب سے پہلا جو سیاسی واقعہ مذکور ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں شمالی عرب میں عراق (بابل) اور شام کے بادشاہوں کی باہمی جنگ ہے۔ اس جنگ میں حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے حضرت لوطؑ بھی گرفتار ہو گئے تھے اور حضرت ابراہیمؑ نے غنیم کا تعاقب کر کے حضرت لوطؑ کو رہا کرایا تھا۔ اس موقعہ پر "شنعار" یعنی بابل کے بادشاہ کا نام توراۃ میں "امرافیل" مذکور ہوا ہے (پیدائش باب ۱۴/۱) محققین کا خیال ہے کہ "امرافیل" دراصل "امورافی" کا عبرانی تلفظ ہے اور "امورافی" وہی ہے جو تاریخ میں "حمورابی" (Hammurabi) کے نام سے مشہور ہے کتبات قدیم سے معلوم ہوتا ہے کہ "حمورابی" بابل میں سامی قوم کا ایک زبردست حکمران گذرا ہے جو اپنے خاندان کا چھٹا فرمانروا تھا۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ 'ارض القرآن میں راجرس (Rogers) کے حوالہ سے لکھتے ہیں

> "الف اور ح کا، اور ب، پ اور ف کا مبادلہ السنہ سامیہ میں بہت متداول ہے اس لیے عجب نہیں کہ امرافیل اصلاً امورافی ہو اور امورافی کا عبرانی تلفظ ہو "ال" کا اضافہ (بمعنی خدا) صرف عبری ناموں کی مناسبت سے کیا گیا ہے جیسے اسرائیل، اسماعیل، حزقیل وغیرہ، امرافیل اور حمورابی کے اتحاد کی بڑی دلیل دونوں کا تقریباً اتحاد عصر اور اتحاد ملک بھی ہے، بہرحال اگر یہ قیاس صحیح ہے تو حمورابی اور حضرت ابراہیمؑ کا باہم ایک ہی زمانہ ہو گا۔"[1]

---

[1] ارض القرآن جلد اول صفحہ ۲۴۴ بحوالہ راجرس (Rogers) جلد اول صفحہ ۳۹۱

مشہور امریکی مستشرق اور عالم "اس' ڈبلو' بیرن" (S. W. Baron) نے بھی اپنی تصنیف "یہود کی سماجی اور مذہبی تاریخ" (A social and Religious History of the Jews) میں بھی اسی قسم کا خیال ظاہر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :

"........ پھر یہ ممکن ہے کہ شنعار کے بادشاہ امرافیل کو جس کا ذکر حضرت ابراہیمؑ کے دشمنوں میں ہوا ہے۔ (پیدائش باب ۱۴) حمورابی سمجھ لیا جائے، حالانکہ لسانی اعتبار سے یہ تعبیر کچھ مشکوک ہی رہتی ہے۔[۱]

"......it may be possible again to identify Amrophel, King of Shinear, mentioned among Abraham's foes (Gen. 14) with Aammurabi, although philologically this equation remain dubious.")

غرضکہ ان تصریحات کا خلاصہ یہ ہے کہ حمورابی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاصر تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کے متعلق محققین کی تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے :

(۱) راجرس (Rogers) نے حمورابی کے زمانۂ حکومت کی تاریخیں ۲۳۴۲ قبل مسیح تا ۲۲۸۸ قبل مسیح متعین کی ہیں[۲]۔ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ حمورابی حضرت ابراہیم کا ہمعصر تھا۔ اس لئے راجرس کے خیال کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ چوبیسویں صدی قبل مسیح کے اواخر اور تیئیسویں صدی قبل مسیح کے اوائل سے تعلق رکھتا ہے۔

(۲) توراۃ کے نسخہ سبعینیہ (Septuagint Version) کا جو ترجمہ عبرانی سے یونانی زبان میں تقریباً تین سو سال قبل مسیح ہوا تھا اور جس میں ستر یا بہتر ماہرین اور علماء یہود شریک تھے

---

[۱] Solo Wittmayer Baron "A Social and Religious History of the Jews" Vol. I p. 301 Notes

[۲] راجرس (Rogers)

"اور" کی کھدائی میں برآمد ہونے والا مشہور طلائی رباب جو اب عراق کے عجائب خانہ میں ہے۔

(سفارت مملکتِ عراق، کراچی کے شکریہ کے ساتھ)

حوالہ صفحہ نمبر ۱۶۹

اس کے حوالہ سے مشہور محقق اور ماہر اثریات سر چارلس مارسٹن (Sir Charles Marston) نے حضرت ابراہیمؑ کا سن ولادت ۲۱۶۰ء قبل مسیح متعین کیا ہے آپ کی عمر توراۃ کی تصریح کے مطابق ۱۷۵ سال ہوئی (پیدائش باب ۲۵:۷) چنانچہ اس تحقیق کے مطابق آپ کا سن وفات ۱۹۸۵ء قبل مسیح ہے۔[۵۱]

(۳) مشہور مصری عالم اور ماہر اثریات احمد یوسف آفندی اپنے ایک تحقیقی مقالہ میں لکھتے ہیں:

"حضرت یوسفؑ کا داخلہ مصر "ابابی الاول" کے زمانہ میں ۱۶۰۰ء قبل مسیح میں ہوا ہے۔[۵۲]"

اس تحقیق کے مطابق حضرت ابراہیمؑ کا زمانہ اٹھارویں اور سترھویں صدی قبل مسیح کا درمیانی عرصہ قرار پاتا ہے۔

(۴) البرائیٹ (Albright) نے اپنی تصنیف "مغربی ایشیا کی ابتدائی تاریخ پر نظر ثالث" (Third Revision of the Early Chronology of Western Asia) میں حمورابی کے زمانہ حکومت کی تاریخ ۱۷۲۸ء قبل مسیح تا ۱۶۸۶ء قبل مسیح بتائی ہے۔ اس اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ سترھویں صدی قبل مسیح معلوم ہوتا ہے۔

(۵) اس۔ ڈبلو۔ بیرن (S. W. Baron) نے فلسطین سے باہر حضرت ابراہیمؑ کی سرگرمی کا زمانہ ۱۶۰۰ء قبل مسیح بتایا ہے۔

ان تمام تحقیقات میں ہم نے مختلف وجوہ کی بنا پر سر چارلس مارسٹن کی تحقیق کو زیادہ صحیح، قرین ثواب اور قابل اعتماد پاکر اختیار کیا ہے، اس تحقیق کی روشنی میں جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سن ولادت ۲۱۶۰ء قبل مسیح اور سن وفات ۱۹۸۵ء قبل مسیح ہے۔

---

[۵۱] مسائل قصص (از مولانا عبدالماجد دریابادی) صفحہ ۱۰۷ بحوالہ سر چارلس مارسٹن

[۵۲] قصص القرآن از مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی جلد اول صفحہ ۳۰۳ بحوالہ قصص الانبیاء از نجار

جائے ولادت و جائے وفات حضرت ابراہیم کی ولادت کسدیوں کے قدیم شہر اور (UR) میں ہوئی جو جنوبی عراق میں فرات کے کنارے بابل اور نینوا سے پہلے آباد تھا، اس کا محل وقوع وہ مقام تھا جو آج کل تل العبید کے نام سے موسوم ہے اب تک اس شہر کا نام صرف توراۃ کے صفحوں میں محفوظ تھا مگر فلاڈلفیا یونیورسٹی (Pniladelphia Universily) امریکہ کے عجائب خانہ اور برطانوی عجائب خانہ (British Museum) کی ایک مشترکہ اثری مہم نے موجودہ صدی کے اوایل میں تل العبید کی کھدائی کا کام شروع کیا تھا، سات سال کی مسلسل مہم کے بعد یہ شہر اب پھر نمودار ہو گیا ہے اور اس انکشاف نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سرگزشت متذکرہ قرآن کے متعدد گوشوں اور اس قدیم زمانہ کی بابلی تہذیب و تمدن کے اکثر اہم پہلوؤں کو بے نقاب کر دیا ہے۔ آپ کی وفات فلسطین یا موجودہ شام میں ہوئی جس کو پہلے زمانہ میں کنعان بھی کہتے تھے۔ وہ مقام جہاں آپ کا وصال ہوا توراۃ میں ”حبرون“ کے نام سے مذکور ہے آپ کا مدفن ”مکفیلہ کے کھیت کا غار“ بتایا گیا ہے جو حبرون کے سامنے واقع تھا۔

حلیہ صحیح بخاری کتاب الانبیا میں حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ تھے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں :

”ابراہیمؑ کی اولاد میں، ابراہیم سے زیادہ مشابہ میں ہوں“۔

اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت یہ ہے :

”حضورؐ نے یہ فرمایا تھا کہ ابراہیم کی صورت تمہارے ساتھی (رسول اللہ صلعم) کی صورت کی طرح تھی“۔

صحیح بخاری ہی کی ایک اور حدیث سے جس کے راوی حضرت سمرہؓ ہیں یہ بھی معلوم

SCALE (ENGLISH MILES)
0 50 100 200 300
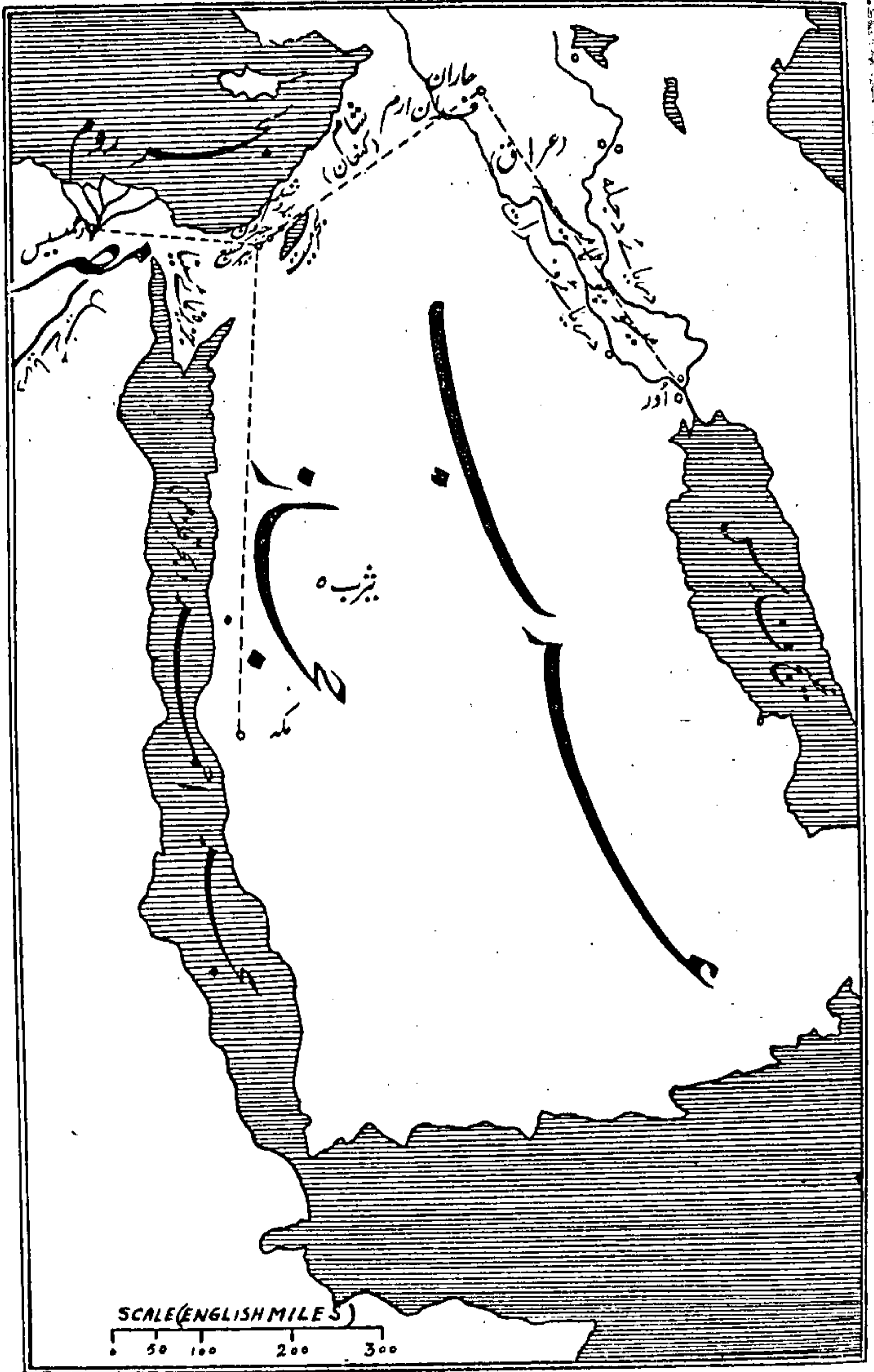
حوالہ صفحہ نمبر ۱۶۸

حضرت لوط علیہ السلام کا مقام کار

بیروت

دمشق

گیلی لی

ناصرہ

شام

یروشلم

بیت لحم

حبرون

قوم لوط کا مسکن

SCALE (ENGLISH MILES)

0 10 20 30 40
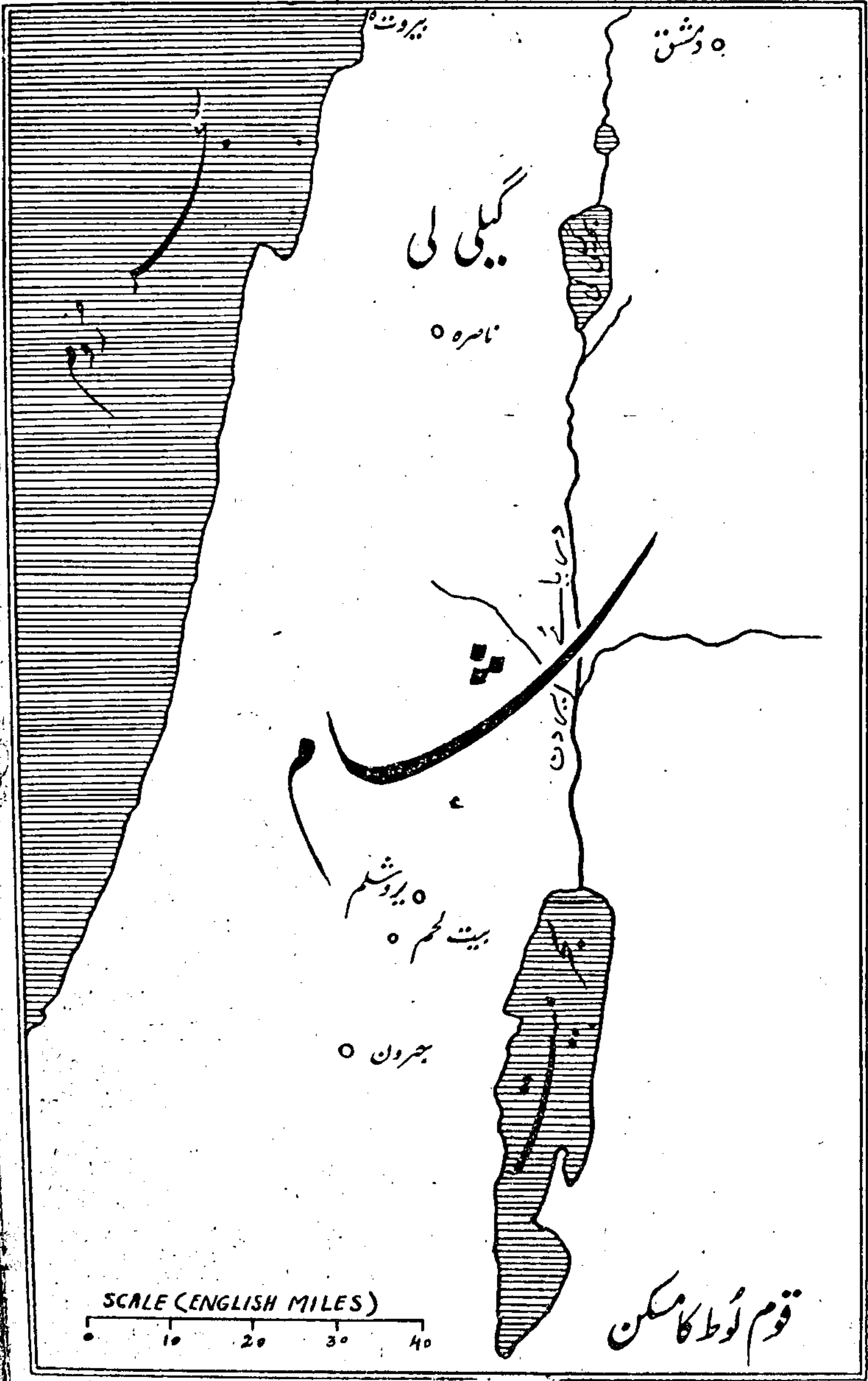
حوالہ صفحہ نمبر ۱۴۷

ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم بہت دراز قد تھے۔

آزر اور حضرت ابراہیمؑ | توراۃ نے ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ (TERAH) بتایا ہے اور قرآن کریم نے آزر کا ذکر کیا ہے، اس کی تطبیق کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں اول یہ کہ اس کا نام تارخ اور لقب آزر تھا اور دوم یہ کہ تارخ باپ اور آزر چچا تھا جس نے آپ کو پرورش کیا تھا چونکہ عربی میں باپ اور چچا کے لیے ایک ہی لفظ استعمال ہوتا ہے اس لیے قرآن نے اس کو "اَب" (یا باپ) کہا ہے، زیادہ محتاط صورت یہ ہے کہ قرآن کے بیان کو اسی طرح اختیار کر لیا جائے اور اس کی تاویلیں تلاش نہ کی جائیں لیکن اکثر محققین نے دوسری صورت اختیار کی ہے جن میں بحر العلوم عبد العلیؒ اور امام فخر الدین رازیؒ کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں موجودہ زمانہ میں مولانا ابو الکلام آزاد حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ بت شکنی (سورہ انبیاء آیات ۵۷ تا ۶۷) کے تحت لکھتے ہیں:

> "ان کے والد تارح کا ان کے بچپن میں انتقال ہو گیا تھا، چچا نے پرورش کی تھی اور چونکہ وہ مندر کے پجاریوں میں سے تھا اس لیے "آذار" کے لقب سے پکارا جاتا تھا "آذار" قدیم کالدی زبان میں بڑے پجاری یا محافظ معبد کو کہا کرتے تھے جس نے بعد کو عربی "آزر" کی شکل اختیار کر لی، اسی لیے قرآن نے اس کا ذکر "آزر" کے نام سے کیا ہے۔"
>
> (ترجمان القرآن جلد دوم)

قبائل جن کی طرف آپ مبعوث ہوئے | علامہ سید سلیمان ندوی نے تصریح کی ہے کہ:

> "حضرت ابراہیمؑ ان قبائل سامیہ میں مبعوث ہوئے جو بابل، شام اور مصر میں آباد تھے اور سفر تکوین کی رو سے آپ کی ان تینوں

ملکوں میں آمد و رفت اور سفر و اقامت ثابت ہے"۔ (ارض القرآن جلد دوم صفحہ ۱۶۱)

قوم جس میں آپ کا ظہور ہوا

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی ولادت جنوبی عراق کے قدیم شہر اُور (Ur) میں ہوئی جو بصرہ کے قریب تل العبید کے مقام پر آباد تھا، توراۃ کی روایت کے مطابق یہاں سے آپ نے حاران کو ہجرت فرمائی۔ علامہ ابن تیمیہؒ اور علامہ سید سلیمان ندوی نے تصریح کی ہے کہ یہاں اس وقت صابی قوم آباد تھی اور "اُور" (Ur) اور حاران (HARAN) کے شہران کے مذہبی مرکز اور درسگاہیں تھیں یہی وہ قوم ہے جس میں آپ کا ظہور ہوا۔

صابی قوم کے متعلق مولانا عبدالماجد دریابادی اور علامہ سید سلیمان ندوی کی تحقیقات کا خلاصہ

صابی قوم کے متعلق مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں:

"یہود و نصاریٰ کے ساتھ دو جگہ قرآن میں ایک تیسرا نام بھی آیا ہے صابیوں کا، اور ان دو فرقوں کی طرح انھیں بھی بعض حالات کے ماتحت نجات کی خوشخبری سنائی گئی ہے، یہ صابی کون تھے؟ اقوال ان کے باب میں مختلف نقل ہوئے ہیں، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مشرکوں کا کوئی فرقہ تھا حالانکہ یہ محال ہے کہ قرآن کسی مشرک فرقہ کی ہمت افزائی کسی درجہ میں بھی کرے، عراق اور اہل عراق کے مذہبوں پر انگریزی کتابوں کے بہت سے ورق اُلٹنے پلٹنے کے بعد ابھی حال میں یہ کھلا کہ یہ اہل توحید کا ایک باطنی فرقہ تھا، عراق میں آباد، پہلے یقیناً بڑی آبادی رکھتے ہوں گے، چند ہزار کی تعداد اب بھی باقی ہے۔ بصرہ، قط اور سوق الشیوخ وغیرہ میں، انگریزی میں ان کو (MANDEANS) کہتے ہیں اور عربی میں مندیہ، .... بعض انبیاء کو صراحت

کے ساتھ مانتے ہیں مثلاً حضرت یحییٰ علیہ السلام کو۔ ایک مذہبی غسل، عیسائیوں کے بپتسمے کی طرح ان کے یہاں بھی بار بار ہوتا ہے اور اس مناسبت سے یہ مغتسل بھی کہلاتا ہے......" (مسائل قصص صفحہ ۱۹/۲۰)

علامہ سید سلیمان ندوی کی تحقیق بہت زیادہ تفصیلی اور وقیع ہے، ذیل میں ہم اس کے اقتباسات درج کرتے ہیں:

"قرآن مجید میں صابئین کا نام ...... تین[1] دفعہ آیا ہے لیکن نام کے علاوہ کچھ اور حقیقت واضح نہیں کی ...... مفسرین، شراح حدیث، ارباب لغت اور مورخین بھی صابئیت کی تعیین میں نہایت مختلف الرائے ہیں۔

صابئین کا اصل مولد بابل تھا ...... اس ملک میں ستارہ پرستی کا رواج تھا، اسی کے ساتھ ان میں ارواح پرستی بھی تھی۔ ستاروں کے ہیکل ان کے معبد تھے۔ عربی اور انگریزی دونوں شہادتوں سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ یہ عراق کا نہایت قدیم مذہب تھا، رفتہ رفتہ سیاسی انقلاب کے ساتھ ساتھ ان پر جو مذہب غالب آتا گیا ان کے کچھ اجزاء اس میں شامل ہوتے گئے، ان میں بنی اسرائیل کی یہودیت، ایرانیوں کی مجوسیت، یونانیوں کا فلسفہ، رومیوں کی عیسائیت، ہر چیز سرایت کر گئی تھی، خدائے واحد پر ان کا اعتقاد تھا لیکن ستاروں کی ارواح کو خدا اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ سمجھتے تھے، تین وقت ستاروں کی پوجا کرتے تھے، صبح کو تا طلوع آفتاب، دوپہر کو عین زوال کے وقت، شام کو آفتاب ڈوبنے تک (اسی لیے ان تین اوقات میں اسلام میں نماز ناجائز

---

[1] بقرہ، مائدہ اور حج

ہے کہ نشانہ نہ ہو) ان کا اعتقاد تھا کہ تمام ستاروں کا مرکز قطب شمالی ہے۔ تمام ستارے آغازِ عالم سے ہر وقت اپنی جگہ سے ہٹتے اور بڑھتے رہتے ہیں لیکن قطب تارا ہمیشہ ایک حال میں اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے' اس لیے وہ قبلہ ہے' اسی طرف منہ کر کے وہ اپنی دعا اور مناجات پڑھا کرتے ہیں۔ دن میں تین دفعہ ہر نماز کے لیے ان کو غسل کرنا پڑتا ہے۔

"عراق میں صابیئوں کی اب تک تھوڑی سی آبادی ہے..... یہ حضرت یحییٰؑ کی بڑی عزت کرتے ہیں"۔

"صابئین اپنے آپ کو مانڈئین کہتے ہیں' ساحل فرات پر بصرہ اور خوزستان کے پاس ان کی مختصر آبادی ہے" مانڈ" کے لفظی معنی ان کی زبان میں "علم" کے ہیں۔ ان کی بول چال کی زبان فارسی اور عربی ہے لیکن مذہبی زبان ایک قسم کی آرامی ہے' خط قدیم تدمری (یا المائرن) خط کے مشابہ ہے' اسی خط اور زبان میں ایک مذہبی صحیفہ ان کے ہاتھ میں ہے جس کے بعض حصے نہایت قدیم ہیں اور کسی پرانے لٹریچر سے ماخوذ ہیں۔.......

.......سب سے زیادہ تعجب انگیز اور حیرت زا اس مذہب کا وہ پہلو ہے جس میں حضرت ابراہیمؑ اور ان کی نسل کے دیگر پیغمبروں کی شدید مخالفت بلکہ عداوت پنہاں ہے' یہ حیرت زائی اور تعجب انگیزی ایک اہم نکتہ کی طرف ہماری رہبری کرتی ہے' یہ معلوم ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا مولد بابل کا شہر اُور اور منشا حران ہے' یہ وہ مقامات ہیں جو صابیت کے مرکز اور درسگاہ ہیں۔ اس بنا پر ہمارے مفسرین اور خصوصاً علامہ ابن تیمیہؒ کا یہ دعویٰ قابل قبول ہونا چاہیے کہ یہی وہ بدبخت قوم ہے جس میں خلیلؑ بت شکن نے ظہور پایا تھا۔ اور ان کے بتوں اور مورتوں کو توڑ کر ستارہ پرستی سے روکا

تھا لیکن شومی قسمت نے ان کی دعوت کے قبول کی بجائے ان کا دشمن بنا دیا اور وہی دشمنی اور عداوت کا خمیر اب تک اس فرقہ کا عنصر بطور وراثت موجود ہے اور خدا جانے کتنے قدیم زمانہ سے اس نے عقیدہ کی صورت اختیار کر لی ہے؛ غالباً یہی سبب ہے کہ نسل ابراہیمؑ کی ایک بڑی شاخ (عرب) میں صابی کا لفظ مرتد، بے دین اور بد مذہب کے معنی میں مستعمل ہے۔

"لفظ صابی کی لغوی تشریح بھی کسی قدر تفصیل طلب ہے۔ کہتے ہیں کہ "صبا" عبری لفظ "صبع" کا آرامی تلفظ ہے۔ "صبع" عربی لفظ "صبغ" کے ہم معنی ہے جس سے عربی میں دوسرا لفظ "اصطباغ" بنا ہے اس کے معنی نہلانے دھونے کے ہیں اور اصطباغ بپتسمہ کے معنی میں بولا جاتا ہے، چونکہ یہ فرقہ مذہباً دن میں کئی مرتبہ غسل کرتا ہے اس لیے ان کا آرامی نام "صابئی" پڑا اور اسی سے عربی میں آیا، لیکن ہمارے سامنے ایک اور لغوی تشریح اس سے زیادہ سہل اور بامعنی موجود ہے۔ اصل یہ ہے کہ سامی زبانوں میں "صبا" کا لفظ ستاروں کے مفہوم میں عام طور پر مستعمل ہے، عبرانی میں اس کے معنی جماعت ستارگان کے ہیں۔ عربی میں "صبا" کے معنی ستارے کے طلوع ہونے اور نکلنے کے ہیں (لسان العرب لفظ "صبا") چنانچہ قاضی بیضاوی نے صابی کا اشتقاق اسی لفظ سے کیا ہے۔

"ستارہ پرستی اور چاند سورج وغیرہ کی پرستش کی تردید و ابطال میں قرآن مجید نے جو کچھ کہا ہے اس کا اصلی مخاطب انھی سے ہے (دیکھو سورہ انعام، صٰفٰت، مریم، واقعہ، شمس، طارق، نجم، انشقت، تکویر، لقمان، یونس، نوح، فرقان، سبا وغیرہ)" [۱]

---

[۱] ملخص و منتخص "ارض القرآن" جلد دوم صفحہ ۲۰۱ تا ۲۱۶ - باب "قرآن مجید اور مذاہب عرب قبل اسلام"

حضرت ابراہیمؑ کے عہد میں بابلی اور مصری اقوام کا مذہب

حضرت ابراہیم علیہ السلام جس زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں، علامہ سید سلیمان ندوی کی تصریح کے مطابق، اس وقت بابل اور مصر پر بھی قدیم سامی قومیں حکمران تھیں جن کو ہم عاد و ثمود کہتے ہیں۔ بابلی قوم (صابی) کے متعلق، اوپر گذر چکا ہے کہ ستارہ پرست تھے۔ قرآن مجید نے بتایا ہے کہ ستارہ پرستی کے علاوہ بت پرستی بھی ان کا شیوہ تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کی زبانی مذکور ہے :

(۱) اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً (سورہ انعام ۷۵)	جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ آپ اپنے بتوں کو خدا بناتے ہیں ؟
(۲) اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ (انبیاء ۵۲)	جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور قوم کے لوگوں سے کہا یہ کیا مورتیں ہیں جن کو آپ گھیرے رہتے ہیں۔
(۳) اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ (عنکبوت ۷۲)	خدا کو چھوڑ کر، بتوں کو پوجتے ہو، جھوٹ گھڑ کے،

یہ بُت انھی کواکب کی شبیہ ہوں گے۔

اس زمانہ کے سامیوں کا یہ اعتقاد تھا کہ تمام دنیا ارواح سے بھری ہوئی ہے جن میں زیادہ تر ارواح خبیثہ اور کچھ ارواح طیّبہ ہیں ان کے مذہب کا خلاصہ یہ تھا کہ ارواح خبیثہ کو نذر و نیاز قربانی اور چڑھاوے سے خوش کرنا چاہیے اور ارواح طیبہ کو مدح وثنا کر کے ان کے مقابلہ کے لیے تیار کرنا چاہیے۔ ان میں سے ہر روح کا مسکن ایک ستارہ ہے، بابل کے کھنڈروں میں جو تختیاں اور ہیکلوں کے جو کتبات پڑھے گئے ہیں ان میں بیسیوں معبودوں کے نام ملے ہیں جن میں کچھ یہ ہیں آی (ایا) پانی کا دیوتا۔ سن (چاند) شمس (آفتاب) اشتار (ستارہ زہرہ، محبت و حسن کی دیوی) بلیت الیین (قوت کی دیوی) وغیرہ۔ سب سے بڑا بت "شمس" تھا۔ اس کے ماتحت الگ الگ

چند اہم اثری انکشافات جن سے قدیم مصر کی تہذیب و معاشرت پر روشنی پڑتی ہے۔
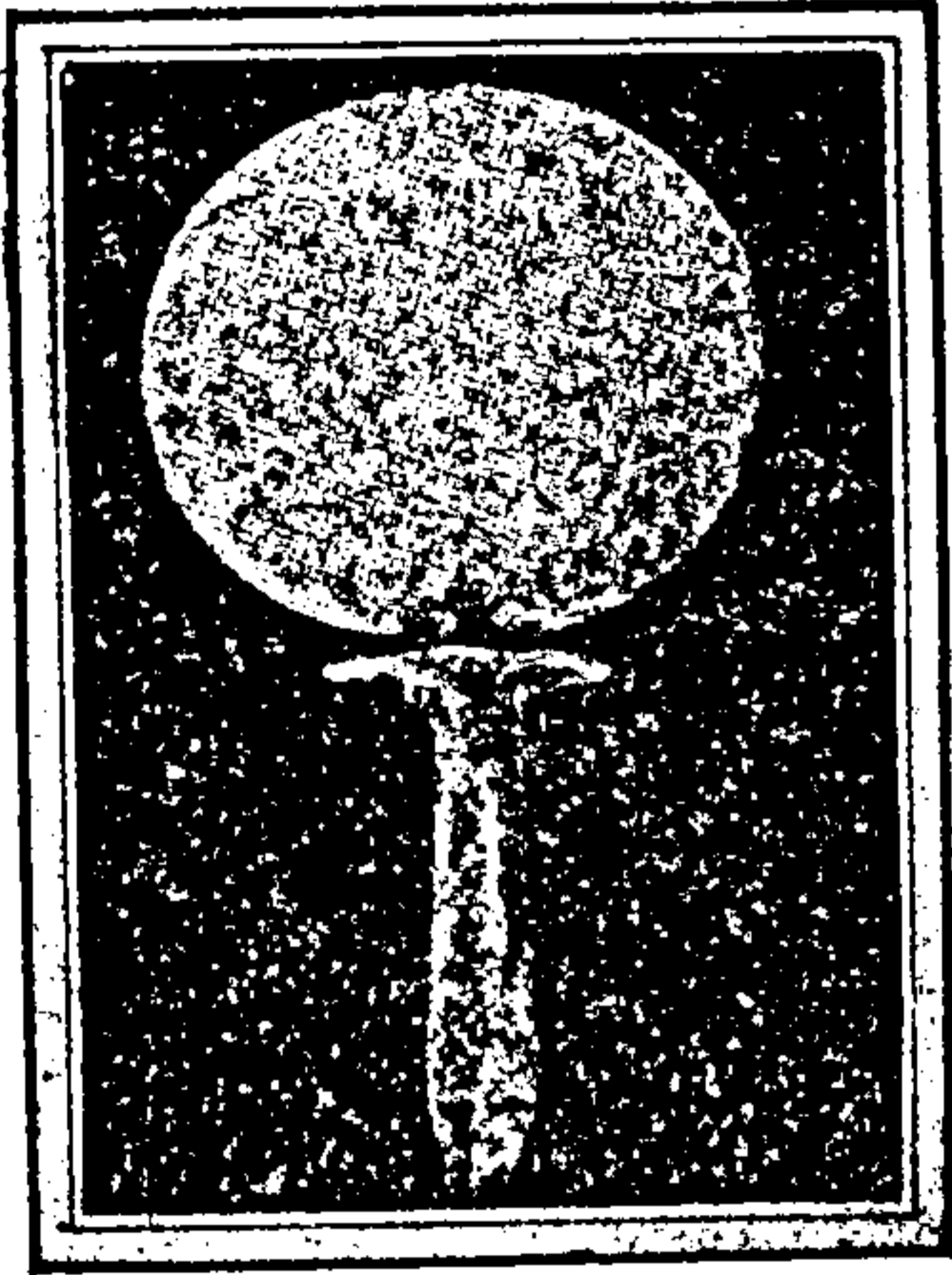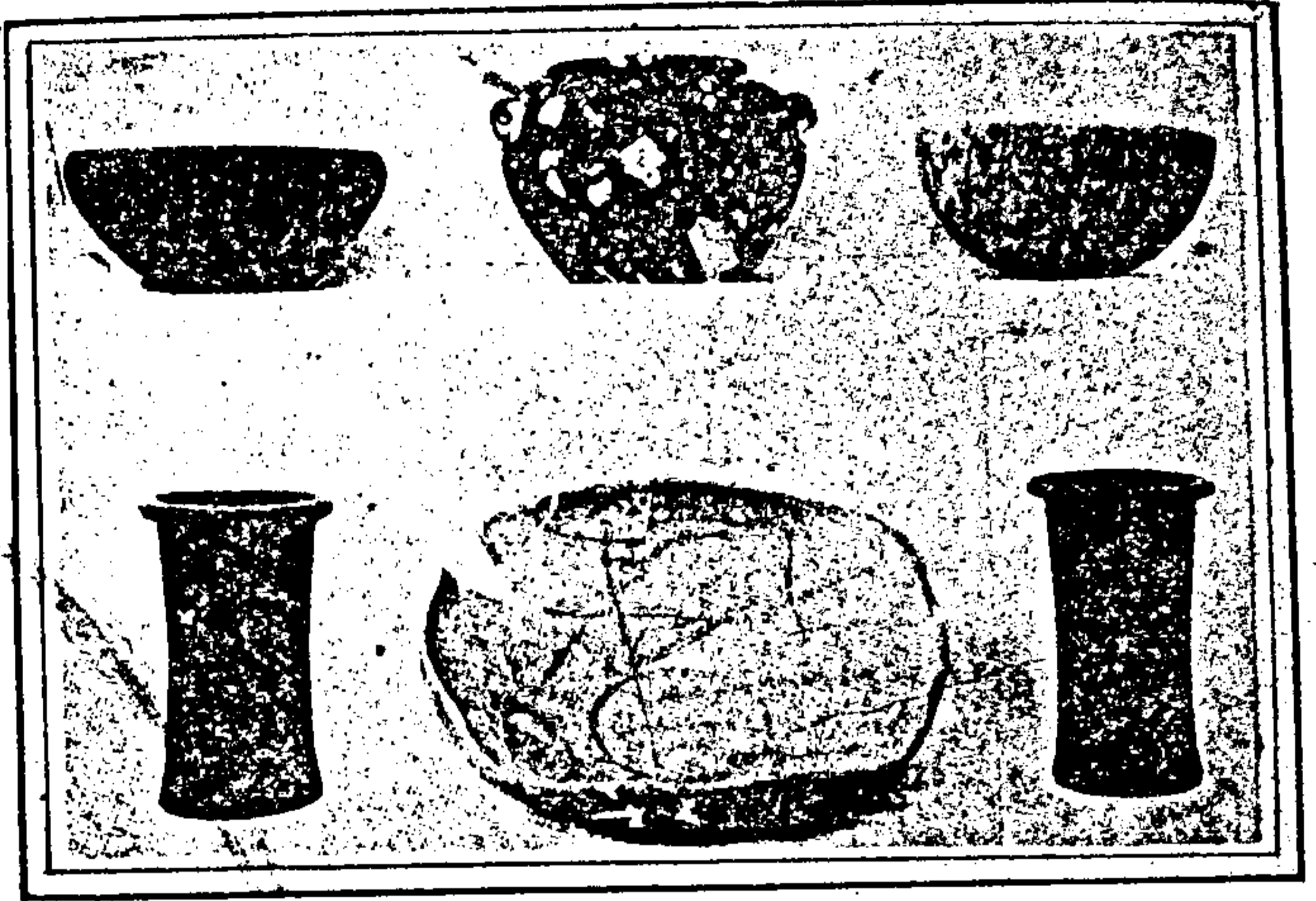
تانبہ کا آئینہ
جس کا دستہ لکڑی کا ہے۔

(سفارت مملکت مصر، کراچی
کے شکریہ کے ساتھ)

حوالہ صفحہ نمبر ۱۷۴

فرعونِ مصر کیاپس (CHEOPS) کی نعش

جو مصر میں ۱۹۵۴ء کی اثری مہم میں برآمد ہوئی اور جس کی رسمِ نقاب کشائی صدر جمال عبدالنّاصر کی موجودگی میں ۳۰ رجون ۱۹۵۴ء کو ادا کی گئی۔ اس کو کوفو (KHAFU) بھی کہتے ہیں۔

(سفارت مملکت مصر، کراچی کے شکریہ کے ساتھ)

حوالہ صفحہ نمبر ۱۷۶

ت مختلف قبیلوں، طاقتوں اور آبادیوں کے تھے۔ شہر اُور کا محافظ بُت "نانعار" یعنی چاند تھا۔
ن کے مندر کے آثار حال ہی میں برآمد ہوئے ہیں۔

مشترک خداؤں میں بیل جو دوسری سامی زبانوں میں بعل ہے اس کے معنی قوت اور تسلط کے
ہیں، بعل کے دوسرے معنی قوی، سلطان اور مالک کے ہیں، عربی میں اسی سے "بعل" کے معنی شوہر
کے ہیں، یہ بابل کا حال ہے۔

مصر میں سامیہ اولی کے زمانہ میں اسی قسم کی ستارہ پرستی جاری تھی، سب سے بڑا دیوتا "آفتاب"
تھا جس کو وہ اپنی زبان میں رع کہتے تھے۔ ان کے دارالحکومت کا نام مدینۃ الشمس تھا جس کو
مصری آن کہتے ہیں یہیں آفتاب دیوتا کا مندر تھا، بادشاہ کو آفتاب دیوتا کا بیٹا سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے اس کا
لقب رعمسیس ہوتا تھا یعنی ابن الشمس اور یہی سبب ہے کہ سلاطین مصر کو خدائی کا دعویٰ تھا۔

حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں شام کی تہذیب و تمدن

یہاں غالباً اس امر کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ حال ہی میں شام
کے شمالی علاقہ میں کم و بیش اس ہی زمانہ کا ایک قدیم محل دریافت ہوا ہے جس میں پائی جانے والی
اشیاء سے اس زمانہ کی تہذیب اور تمدنی ارتقاء پر کافی روشنی پڑتی ہے، مشہور فرانسیسی ماہر اثریات
پروفیسر کلاڈ شیفنے (Prof. Claude Sheffer) نے، جن کی سرکردگی میں اس
وقت یہ اثری مہم شمالی شام میں کام کر رہی ہے، ۱۱۔ جنوری ۱۹۵۵ء کو دمشق میں تقریر کرتے ہوئے
اس امر کا انکشاف کیا ہے، اگارت (Ugarit) کے مقام پر جو شام کے شمالی حصہ میں
راس شمر (Ras Saamra) کے قریب واقع ہے تقریباً چار ہزار سال پہلے کا ایک شاہی
محل برآمد ہوا ہے، پروفیسر موصوف کا کہنا ہے کہ دنیا میں یہ اپنی قسم کا سب سے بڑا محل ہے۔ محل میں
دربار شاہی کے لیے جو جگہ مخصوص تھی اس کی دیواروں پر اعلیٰ قسم کا ہاتھی دانت منڈھا ہوا ہے، علاوہ ازیں
یہاں جو میزیں، کرسیاں اور مجسمے ملے ہیں وہ بھی ہاتھی دانت کے بنے ہوئے ہیں اور ان میں سونے سے مینا کاری

لہ ماخوذ از ارض القرآن جلد دوم صفحہ ۱۷۵ تا ۱۹۰ باب ادیان العرب قبل الاسلام

کا کام کیا گیا ہے، محل میں پانی کا ایک فوارہ بھی برآمد ہوا ہے، پروفیسر شیفر نے تصریح کی ہے کہ دمشق میں مشرقی طرز کی تعمیرات اور خصوصاً العزم کے محل میں جو فوارے ہیں وہ اسی قدیم فوارہ کی طرز پر بنائے گئے ہیں، یہاں کھدائی میں اس زمانہ کا اینٹوں کا ایک بھٹہ اور اس میں کچھ نیم پختہ اینٹیں بھی برآمد ہوئی ہیں۔ یہ بھٹہ بھی ٹھیک اسی قسم کا ہے جیسے بھٹے آج تک شام کے دیہاتوں میں پائے جاتے ہیں، یہاں جو لوحیں برآمد ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً دو ہزار قبل مسیح کے قریب محل کی ایک دیوار اچانک گر پڑی تھی، پروفیسر موصوف نے بتایا ہے کہ یہ حادثہ حمورابی (Hawaurabi) کے دوران حکومت میں پیش آیا، ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ حمورابی، حضرت ابراہیمؑ کا ہمعصر تھا۔

محل میں ایک کتب خانہ بھی برآمد ہوا ہے جو چار حصوں میں منقسم ہے (۱) شعبہ محاصل (۲) شعبہ جائداد و حقوق ملکیت (۳) شعبہ مراسلت شاہی اور (۴) شعبہ مراسلت سیاسی، شاہ ماری اور قرب و جوار کے حکمرانوں کے ان خطوط سے جو یہاں برآمد ہوئے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں یہ ایک با اثر اور زبردست سلطنت تھی پروفیسر شیفر نے بتایا ہے کہ یہاں اس زمانہ میں مسلیں رکھنے کا کم و بیش وہی طریقہ رائج تھا جو آجکل پایا جاتا ہے، اسی محل میں محکمہ انتظامیہ کے دفاتر بھی واقع تھے یہاں ایک قبرستان بھی برآمد ہوا ہے جو پروفیسر مذکور کے خیال کے مطابق ۱۸۰۰ء قبل مسیح سے تعلق رکھتا ہے، پروفیسر شیفر فرانس سے واپسی پر اپنی اگلی مہم میں اس سلسلہ میں مزید کام کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں (اخبار "ڈان" کراچی مورخہ ۱۲۔ جنوری ۱۹۵۵ء)۔

حضرت ابراہیمؑ کی زبان عام طور سے حضرت ابراہیمؑ کی زبان عبرانی بتائی گئی ہے مگر علامہ سید سلیمان ندوی نے اس عام خیال کی تردید کی ہے اور بالتصریح بتایا ہے کہ آپ کی زبان آرامی عربی تھی۔ اس سلسلہ میں علامہ ممدوح لکھتے ہیں:

"اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عبرانی زبان سب سے قدیم ہے اور یہی حضرت ابراہیمؑ کی زبان تھی، لیکن یہ غلط ہے، حضرت ابراہیمؑ کی زبان آرامی عربی تھی، چنانچہ ایک عیسائی فاضل قیس جبرائیل قرداحی نائب پیٹریارک و پروفیسر عربی و سریانی مدرسہ مارونیہ واقع رومیہ اپنی کتاب متعلقہ سریانی میں لکھتا ہے:

"علماے سریانی نے آرامی زبان کی قدامت میں بہت مبالغہ کیا ہے'
یہاں تک کہ ان کا بیان ہے کہ حضرت آدم کی زبان یہی تھی لیکن اہل تحقیق اس سے زیادہ
تسلیم نہیں کرتے کہ یہ عبرانیوں کے پدر اعلیٰ ابراہیمؑ کی زبان ہے" لہ

حضرت ابراہیمؑ کی ابتدائی زندگی اور خداشناسی کا تدریجی تخیل

تارخ کے تین بیٹے تھے اور مذہبی تاریخ میں یہ تینوں بڑی اہم شخصیتیں ہیں (۱) ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام (۲) نحور اور (۳) حاران والد لوط علیہ السلام۔ نحور کی زوجہ کا نام ملکاہ (Milcah) تھا جو حاران کی بیٹی اور لوط علیہ السلام کی بہن تھیں۔ نحور (Nahor) اور ملکاہ کی متعدد اولادوں میں ایک بیٹے کا نام بتوایل تھا جن کی بیٹی ربقہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی بیوی اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی ماں تھیں۔ ربقہ کے بھائی یعنی بتوایل کے بیٹے کا نام لابن تھا۔ لابن کی دو بیٹیاں تھیں لیاہ اور راخل، یہ دونوں حضرت یعقوب علیہ السلام کے عقد میں آئیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام جس وقت پیدا ہوئے بابل پر نمرود کی حکومت تھی جس کو خدائی کا دعویٰ تھا۔ توراۃ کے بیان کے مطابق نمرود کا شجرۂ نسب یہ ہے :

حضرت نوحؑ

یام	JAPETH یافث	HEM حام	SHEM سام
		CUSH کوش	
		NINROD نمرود	

اوپر کی تصریحات میں گذر چکا ہے کہ اس وقت بابل شرک، بت پرستی اور کواکب پرستی کا مرکز تھا۔ ہمارے مفسرین نے لکھا ہے کہ آپ کی ولادت سے پیشتر ہی نمرود نے خواب دیکھا تھا کہ ایک بڑا روشن ستارہ آسمان پر نکلا ہے اس نے اس وقت کے نجومیوں سے خواب بیان کیا انھوں نے جواب دیا کہ اس

لہ ارض القرآن جلد دوم باب السنۃ العرب قبل الاسلام صفحہ ۱۳۳ و ۱۳۴ بحوالہ الہلال مصر ۲۴ صفر ۱۳۲۰ھ

سال ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کے سبب سے تیری سلطنت تباہ ہوجائے گی اس خوف سے نمرود نے اپنی دانست میں اس امر کا انتظام کیا کہ اس سال اس کے ملک میں عورتوں اور مردوں کا اختلاط نہ ہونے پائے کہ کوئی بچہ پیدا ہوسکے اور اگر ہو تو زندہ نہ رہنے پائے۔ لیکن خدا کے حکم کو نمرود نہیں روک سکتا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام تولد ہوئے اور ماں نے اس ڈر سے کہ بچہ کو مار نہ ڈالا جائے آپ کو سات برس کی عمر تک تہ خانہ میں پالا[1]

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب آنکھ کھولی تو ہر طرف ستاروں اور ان کی شبیہوں (بتوں) کی پوجا ہوتے ہوئے دیکھی لیکن وہ قلب سلیم جو ابتداء ہی سے ایمان و عرفان کا خزینہ اور انوار الٰہی کا گنجینہ تھا بھلا اس شرک و کفر کے منظر پر کب خاموش رہ سکتا تھا۔ چنانچہ آپ جب اس سفاہت و حماقت اور گمراہی و ضلالت کو برداشت نہ کرسکے تو اپنے باپ سے فرمایا :

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ (انعام ۷۵)

اور (وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے) جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے کہا تم کیا بتوں کو معبود بناتے ہو، میں دیکھتا ہوں کہ تم اور تمھاری قوم صریح گمراہی میں ہو۔

اس وقت غالباً باپ نے اس پیغمبرانہ ارشاد کو ایک طفلانہ بات سمجھا ہوگا، سورہ انعام میں آپ کے اس ارشاد کے بعد باپ کا جواب مذکور نہیں ہے۔

اسی سورہ انعام میں اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے :

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ○ (انعام ۷۶)

اور اسی طرح ہم ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کے عجائبات دکھانے لگے تاکہ وہ خوب یقین کرنے والوں میں ہوجائیں۔

---

[1] ابن کثیر

یعنی علویات وسفلیات کے نہایت محکم نظام کی گہرائیوں پر بھی ان کو مطلع کر دیا تا کہ اسے دیکھ کر خدا کے وجود و وحدانیت پر اور تمام مخلوقات سماوی و ارضی کے محکومانہ عجز و بیچارگی پر استدلال اور اپنی قوم کے عقیدۂ ستارہ پرستی و بت تراشی کو علیٰ وجہ البصیرت رد کر سکیں اور خود بھی حق الیقین کے اعلیٰ مرتبہ پر فائض ہوں۔ بلاشبہ عالم کا یہ مکمل و محکم نظم و نسق ہی ایسی چیز ہے جسے دیکھ کر بالبداہت خدا کی ہستی اور وحدانیت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے جگہ جگہ خصوصیت کے ساتھ کائنات خلقت کے مطالعہ و تفکر کی دعوت دی، وہ کہتا ہے کہ کائنات خلقت کے مطالعہ و تفکر سے انسان پر "تخلیق بالحق" کی حقیقت واضح ہوتی ہے یعنی وہ دیکھتا ہے کہ اس کارخانہ ہستی کی کوئی چیز ایسی نہیں جو کسی ٹھہرائے ہوئے مقصود و مصلحت سے خالی ہو اور کسی بالائی قانون خلقت کے ماتحت وجود میں نہ آئی ہو، یہ سارا پُراز حکمت اور محکم نظام محض بخت و اتفاق اور صرف ایک اندھی بہری نطرت اور بے جان و بے حس مادہ سے ظہور میں نہیں آسکتا بلکہ یقیناً اس میں کسی حکیم و علیم اور قادر مطلق ہستی کا ہاتھ کارفرما ہے۔

یورپ کا مشہور و معروف سائنسدان نیوٹن اسی کائنات خلقت کا مطالعہ کر کے چیخ اٹھا تھا:

> "کواکب کی حرکات حالیہ ممکن نہیں کہ محض عام قوتِ جاذبہ کے فعل کا نتیجہ ہوں، یہ قوتِ جاذبہ تو کواکب کو سورج کی طرف ڈھکیلتی ہے، اس لیے کواکب کو سورج کے گرد حرکت دینے والا ضروری ہے کوئی خدائی ہاتھ ہو جو باوجود قوت جاذبہ کی عام کشش کے ان کو اپنے مدارات پر قائم رکھ سکے کوئی طبعی سبب ایسا نہیں بتلایا جا سکتا جس نے تمام کواکب کو کھلی فضا میں جکڑ بند کر دیا ہو کہ وہ سب سورج کے گرد چکر لگانے وقت ہمیشہ معین مدارات پر اور ایک خاص جہت ہی میں حرکت کریں جس میں کبھی تخلف نہ ہو

بھر کواکب کی حرکات اور درجات سرعت میں ان کی اور سورج کی درمیانی مسافت کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو دقیق تناسب اور عمیق توازن قائم رکھا گیا ہے کوئی سبب طبعی نہیں جس سے ہم ان منظم و محفوظ نوامیس کو وابستہ کر سکیں، ناچار اقرار کرنا پڑتا ہے کہ یہ سارا نظام کسی ایسے زبردست حکیم و علیم کے ماتحت ہے جو ان تمام اجرام سماویہ کے مواد اور ان کی کمیات سے پورا پورا واقف ہے"

پروفیسر ولیم میکبرایڈ کہتا ہے :

Can anyone seriously suggest that this directing and regulating power originated in chance encounters of atoms?

کیا کوئی شخص سنجیدگی سے یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ نظم و نسق قائم رکھنے والی قوت محض سالمات کے اتفاقیہ تصادم سے وجود میں آگئی ہے۔

ذرات خوردبینی کا سالہا سال تک مطالعہ کرنے کے بعد لارڈ کلوِن نے کہا تھا :

It is impossible to conceive either the beginning of the continuance of life without an over-ruling creative power. Overpowering strong proofs of benevolent and intelligent design are to be found around us, teaching that all living things depend on one everlasting Creator and Ruler.

قیام حیات کی ابتداء کا بھی تصور بغیر ایک قادر مطلق تخلیقی قوت کے تصور کے ممکن نہیں۔ ہمارے چاروں طرف ایک نفع بخش اور ہوشمندانہ نظام کی موجودگی کے غیر قابل تردید ثبوت موجود ہیں جو ہمیں بتاتے ہیں کہ تمام ذی حیات اشیاء کا دارو مدار ایک ایسے خالق و حاکم پر ہے جو حیّ و قیوم ہے

کائنات خلقت کے مطالعہ کا عام انسانی ذہنوں پر یہ اثر ہے تو ظاہر ہے کہ ایک اولوالعزم پیغمبر کی بصیرت کا کیا عالم ہوگا جس کے سامنے معلم حقیقی نے صحیفہ فطرت کو کھول کر رکھ دیا ہو اور اس کے رازوں پر سے خود پردے ہٹا دیے ہوں۔

قرآن مجید کی اسی سورۃ میں اس کے بعد آپ کی خدا پرستی کا وہ تدریجی تخیل ملتا ہے جو مطالعۂ فطرت کا نتیجہ تھا اس تدریجی تخیل کے مختصر تذکرہ میں انسان کی مذہبی تاریخ کا نچوڑ سما گیا ہے۔ زمین کے ذروں سے لیکر آسمان کے ستاروں تک انسان کی نظر جس جس چیز پر پڑی ہے جو اسے عجیب، حسین یا مہیب نظر آئی، یا جس میں نفع یا نقصان کا کوئی پہلو دکھائی دیا، یا جس کی گتھی کو اس کا ابتدائی ذہن نہ سلجھا سکا اس نے اس کے آگے سر نیاز و بندگی خم کر دیا، اور سیکڑوں صدیوں میں انسان کا ذہن جیسے جیسے ترقی کرتا گیا، ویسے ہی ویسے وہ اپنی ان ابتدائی گمراہیوں سے گریز و احتراز کرتا گیا لیکن جن منازل کو عام انسانی ذہن سیکڑوں صدیوں میں بھی طے نہ کر سکا وہ حضرت ابراہیم نے تائید ایزدی سے بیک وقت طے کر لیں اور اس بلندی پر پہنچ گئے جو قیامت تک آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے نصب العین، نمونہ اور معیار قرار دی گئی۔

سورہ انعام میں آپ کی خدا شناسی کا جو تخیل پیش کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کی قوم نے جن ستاروں کو اپنا معبود بنا رکھا تھا آپ نے ان میں سے ایک ایک کو دیکھا، الوہیت کی کسوٹی پر کسا اور ناقص پا کر رد کر دیا اور پھر ان سب معبودان باطل سے کنارہ کش ہو کر معبود حقیقی کی طرف جھک گئے، قرآن اس واقعہ کا تذکرہ اس طرح کرتا ہے :

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ	جب رات نے ان کو ڈھانپ لیا تو ایک ستارا نظر پڑا، کہنے لگے یہ میرا پروردگار ہے، جب وہ غائب ہو گیا تو کہنے لگے کہ مجھے غائب ہونے والے تو پسند نہیں، پھر جب چاند کو دیکھا کہ چمک رہا ہے تو کہنے لگے یہ میرا پروردگار ہے

الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○

(انعام ۷۷ تا ۸۰)

لیکن جب وہ بھی چھپ گیا تو بول اٹھے کہ اگر میرا پروردگار مجھے سیدھا راستہ نہیں دکھائے گا تو میں ان لوگوں میں سے ہو جاؤں گا جو بھٹک رہے ہیں پھر جب سورج کو دیکھا کہ جگمگا رہا ہے تو کہنے لگے میرا پروردگار یہ ہے یہ سب سے بڑا ہے مگر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہنے لگے لوگو! جن چیزوں کو تم (خدا کا) شریک بناتے ہو میں ان سے بیزار ہوں میں نے سب سے یکسو ہو کر اپنے تئیں اسی ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں نہیں ہوں

ان آیات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد "ترجمان القرآن" میں لکھتے ہیں :

"حضرت ابراہیمؑ کا ظہور ایک ایسے عہد و ملک میں ہوا جب بابل اور نینوی کی عظیم الشان قومیں اجرام سماویہ کی پرستش میں مبتلا تھیں اور شہر "اور" میں زہرہ، چاند اور سورج کے معبد تھے جہاں صبح و شام پرستاری کے لیے لوگ جمع ہوا کرتے تھے۔

لیکن حضرت ابراہیمؑ کے قلب سلیم پر خدا پرستی کی صداقت کھول دی گئی تھی خدا نے ان پر اپنی بادشاہت اور کارفرمائی کے جلوے کچھ اس طرح روشن کر دیے کہ جہل و غفلت کا کوئی پردہ بھی ان کی معرفت میں حائل نہ ہو سکا۔

یہ حقیقت جب ان پر کھول لی گئی تو علم و بصیرت کی کون سی حجت تھی جس نے ان کی رہنمائی کی؟ قرآن نے ایک ایسے پیرایۂ بیان میں جو اس کی معجزانہ بلاغت کا مظہر ہے یہاں اس کا مرقع ہمارے سامنے کھینچ دیا ہے۔

غلہ ذخیرہ کرنے کے برتن
جو اس زمانہ میں استعمال ہوتے تھے۔ یہ بھی مصر میں ۱۹۵۴ء کی اثری مہم میں برآمد ہوئے ہیں
(سفارت مملکتِ مصر کراچی کے شکریہ کے ساتھ)

حوالہ صفحہ نمبر ۱۸۲
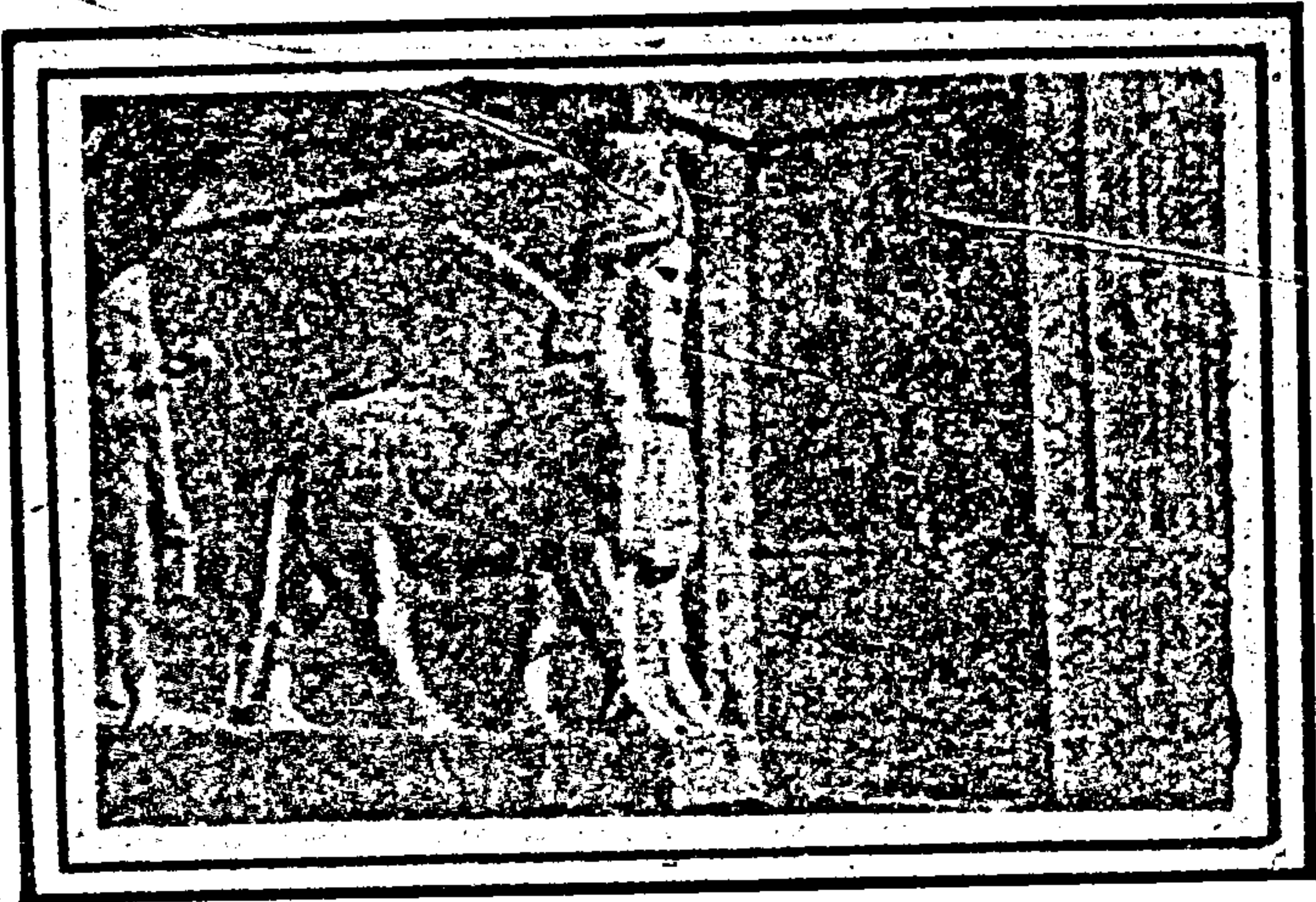
دو قدیم بابلی بُت
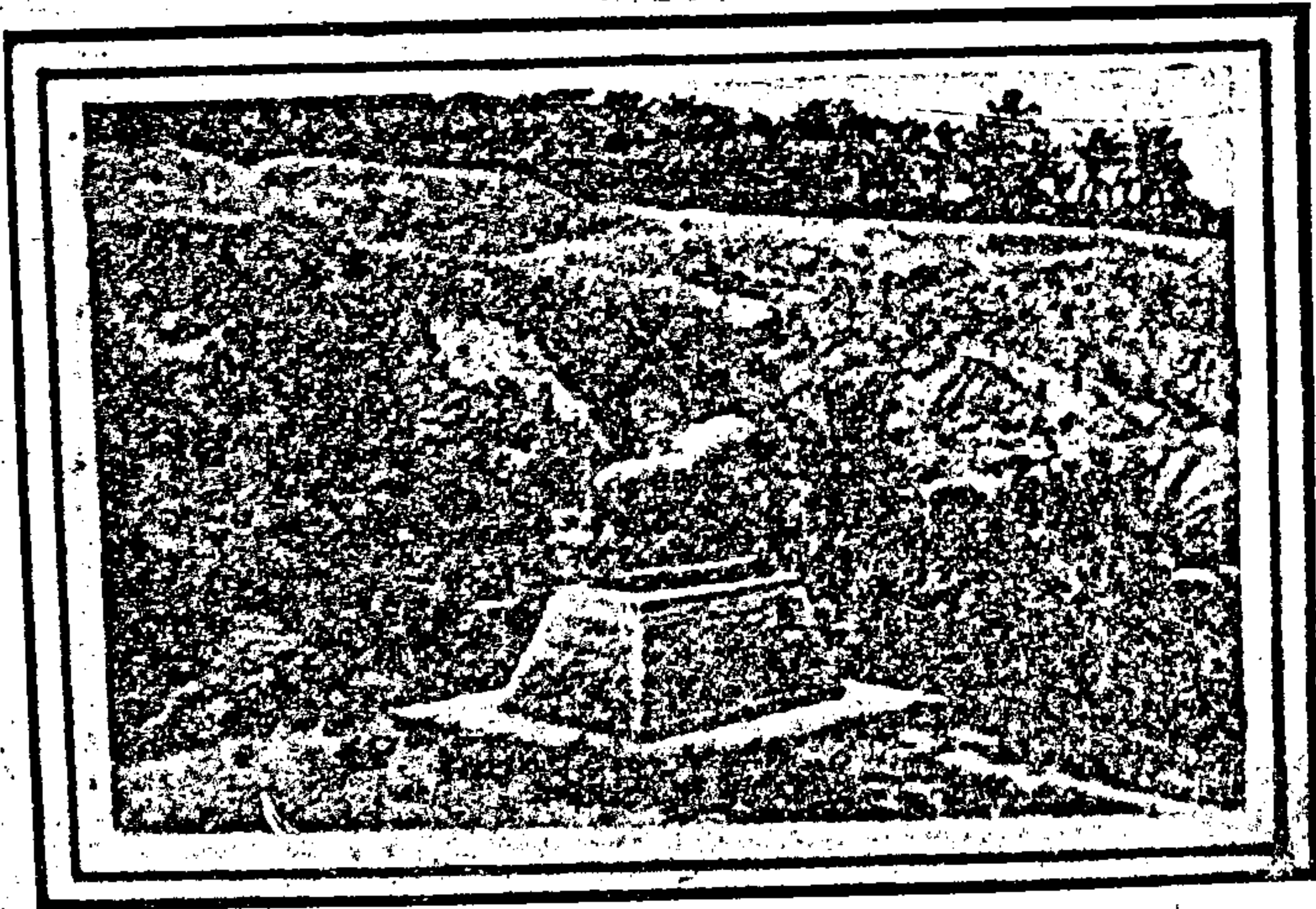
حوالہ صفحہ نمبر ۱۹۰

جب شام ہوئی تو زہرہ نکلی اور اپنی ساری درخشانیوں کے ساتھ پردۂ ظلمت سے جھانکنے لگی حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کا عقیدہ نقل کرتے ہوئے کہا یہ چمکتا ہوا کوکب میرا پروردگار ہے، کیونکہ اسی کی تمثال کی پوجا کی جاتی ہے لیکن کچھ دیر کے بعد وہ ڈوب گیا تو انھوں نے کہا، جو ہستیاں ڈوب جانے والی اور چھپ جانے والی ہیں میں ان کا پرستار نہیں، کیونکہ جو ہستی اپنے طلوع و غروب میں کسی ٹھہرائے ہوئے قاعدہ و حکم کی پابند ہوئی تو وہ پروردہ ہوئی، پروردگار نہیں ہو سکتی۔

پھر پردۂ ظلمت چاک ہوا اور چاند چمکتا ہوا نکل آیا، وہ بولے "یہ پروردگار ہے"؟ لیکن وہ بھی نہ ٹک سکا اور غروب ہو گیا۔

اب صبح ہوئی اور مہر جہاں تاب درخشاں ہو گیا، یہ سب سے بڑا ہے کہ اس سے بڑا اجرام سماویہ میں کوئی نہیں، لیکن دیکھو وہ بھی تو کسی کے حکم کے آگے جھکا ہوا ہے اس کی روشنی کو بھی قرار نہیں۔ پہلے بڑھنے لگی، پھر ڈھلنے لگی، پھر رفتہ رفتہ غروب ہو گئی۔

حضرت ابراہیمؑ نے کہا، نہیں ان میں سے کوئی بھی پروردگار نہیں ہو سکتا، کیونکہ سب زبان حال سے کہہ رہے کہ ہم مختار نہیں مجبور ہیں، حاکم نہیں محکوم ہیں، ہم سے بھی ایک بالاتر ہستی ہے جس نے ہمیں اپنے حکموں اور قاعدوں کے آگے جھکا دیا ہے، پس وہ جو، ان سب سے بالاتر اور ان سب کا بنانے والا ہے، میں صرف اسی کا ہو رہا۔ میری راہ شرک کرنے والوں کی راہ نہیں،

(ترجمان القرآن جلد اول صفحہ ۴۳۱/۴۳۲)

قوم اپنے آبائی معبودوں کے خلاف اس پکار پر چونکی، بپھری اور برس پڑی، قوم کی کج بحثی اور الجھنے پر حضرت ابراہیم نے جو بصیرت افروز کلمات ارشاد فرمائے۔

وہ یاد رکھنے کے لائق ہیں :

وَحَآجَّهُ قَوْمُهُ ۚ قَالَ أَتُحَاجُّوٓنِّى فِى ٱللَّهِ وَقَدْ هَدَىٰنِ ۚ وَلَآ أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِۦٓ إِلَّآ أَن يَشَآءَ رَبِّى شَيْـًٔا ۗ وَسِعَ رَبِّى كُلَّ شَىْءٍ عِلْمًا ۗ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ۝ وَكَيْفَ أَخَافُ مَآ أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُم بِٱللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِۦ عَلَيْكُمْ سُلْطَـٰنًا ۚ فَأَىُّ ٱلْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِٱلْأَمْنِ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

(انعام ۸۱، ۸۲)

اور ان کی قوم ان سے بحث کرنے لگی تو انھوں نے کہا کہ تم مجھ سے خدا کے بارے میں بحث کرتے ہو؟ اس نے تو مجھے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے اور جن چیزوں کو تم اس کا شریک بناتے ہو میں ان سے نہیں ڈرتا ہاں جو میرا پروردگار کچھ چاہے، میرا پروردگار اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے، کیا تم خیال نہیں کرتے؟ بھلا میں ان چیزوں سے جن کو تم (خدا کا) شریک بناتے ہو کیونکر ڈروں جبکہ تم اس سے نہیں ڈرتے کہ خدا کے ساتھ شریک بناتے ہو جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی اب دونوں فریق میں سے کون سا فریق امن (اور جمعیت خاطر) کا مستحق ہے؟ اگر سمجھ رکھتے ہو تو بتاؤ

یعنی تم باطل پرست ہو کر خدا سے نہیں ڈرتے، میں خدا پرست ہو کر باطل سے کیونکر ڈر سکتا ہوں، تم شک و گمان اور میں یقین و عرفان کی منزل میں ہوں، تمھارے انکار کا آخری استدلال یہ ہے کہ "ہم نہیں جانتے" اور میرے ادعا کی پہلی پکار یہ ہے کہ "میں علم و بصیرت رکھتا ہوں اور جانتا ہوں" اب تم ہی فیصلہ کرو کہ ان دونوں میں سے کون سا فریق حق پر ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں :

" پھر جب ان کی قوم نے رد و کد کی، تو انھوں نے کہا، مجھے تم اپنے معبودان باطل سے نہ ڈراؤ۔ دیکھو ہم دو فریق ہیں، ایک میں ہوں کہ انہیں نہیں

ماننا جن کے ماننے کے لیے کوئی دلیل اور روشنی موجود نہیں ایک تم ہو کہ ان سب کی پرستاری کرتے ہو جن کی پرستاری کے لیے کوئی دلیل و روشنی موجود نہیں بتلاؤ دونوں فریقوں میں سے کس کی راہ امن کی راہ ہوئی۔

یہ حقیقت کہ پرستش اسی کی کرنی چاہیے جس کی پرستش کے لیے علم و بصیرت کی شہادت موجود ہو اور بنیاد اس معاملہ کی علم و حقیقت ہے نہ کہ رسم و تقلید، وہ حجت بالغہ ہے جو اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کے قلب پر کھول دی تھی یہی وہ بنیادی صداقت ہے جس سے راہ خداپرستی کی تمام صداقتیں ظہور میں آئیں۔"

(ترجمان القرآن جلد اول صفحہ ۴۳۳)

اسی "حجت بالغہ" کا تذکرہ قرآن کرتا ہے:

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ○ (انعام ۸۴)	اور یہ ہماری حجت تھی جو ہم نے ابراہیمؑ کو ان کی قوم کے مقابلہ میں عطا کی تھی، ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کر دیتے ہیں بیشک تمھارا پروردگار دانا اور خبردار ہے

حضرت سارہ سے شادی اور چند دیگر واقعات | توراۃ کا بیان ہے کہ:

"تارح ستر برس کا تھا جب اس سے ابرامؑ اور نحور اور حاران پیدا ہوئے"

(کتاب پیدائش باب ۱۱، ۲۶)

اس سے استنباط ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور نحور و حاران توام بھائی تھے۔ حاران (لوط علیہ السلام کے والد) کا انتقال شہر "اور" ہی میں ہو گیا اور حضرت لوطؑ کو حضرت ابراہیمؑ نے اپنی کفالت و سرپرستی میں لے لیا۔ حضرت ابراہیمؑ کی شادی حضرت سارہ سے ہو گئی اور نحور کا عقد حاران کی بیٹی ملکاہ (Milcah) سے ہوا۔ (توراۃ۔ کتاب پیدائش باب ۱۱۔ ۲۷ تا ۲۹)

حاران کو ہجرت | قوم کے معبودوں کے خلاف حضرت ابراہیم کی پکار پر تمام قوم برہم ہو گئی تھی اور دشمن بن گئی تھی۔ غالباً اسی برہمی اور دشمنی کے پیش نظر، تارح نے حضرت ابراہیمؑ،

حضرت لوطؑ اور حضرت سارہ کو ہمراہ لیا اور سب "شہر" "اور" سے ملک کنعان[1] کو روانہ ہوئے لیکن حاران تک آکر وہیں مقیم ہو گئے اور حضرت ابراہیمؑ کی زندگی کے بعض اہم واقعات یہیں ظہور پذیر ہوئے۔ حاران، کنعان کے شمال میں دریائے فرات کے مشرق میں، فدان ارم کے علاقہ میں واقع تھا۔

نصیحت حضرت ابراہیمؑ نے جب آنکھ کھولی تو خود اپنے گھر میں بت پرستی پائی۔ چنانچہ آپ کی تبلیغ کی ابتداء بھی گھر ہی سے ہوئی۔ پہلے آپ نے نہایت لطیف پیرایہ میں باپ[2] کو توحید کی تعلیم دی:

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ○ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ○ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ○ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ○

(مریم ۴۲ تا ۴۵)

جب انھوں نے اپنے باپ سے کہا کہ ابا آپ ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہیں جو نہ سنیں اور نہ دیکھیں اور نہ آپ کے کچھ کام آسکیں، ابا مجھے ایسا علم ملا ہے جو آپ کو نہیں ملا، تو میرے ساتھ ہو جئے میں آپ کو سیدھی راہ پر چلا دوں گا۔ ابا! شیطان کی پوجا نہ کیجیے، بے شک شیطان خدا کا نافرمان ہے، ابا مجھے ڈر لگتا ہے کہ آپ کو خدا کا عذاب آپکڑے تو آپ شیطان کے ساتھی ہو جائیں۔

نصیحت کا جواب لیکن بدبخت نے قبول حق سے اعراض کیا اور آپ کی اس بہی خواہی اور محبت بھری نصیحت و تبلیغ پر بگڑ کر بولا:

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ

اس نے کہا کہ ابراہیمؑ! کیا تو میرے معبودوں سے برگشتہ ہے؟ اگر تو باز نہ آئے گا تو میں تجھے سنگسار

---

[1] فلسطین یا موجودہ شام، حضرت نوحؑ کے پوتے کنعان بن حام کا ملک تھا اسی وجہ سے پچھلے زمانہ میں اس کو "کنعان کا ملک" کہتے تھے۔ [2] چچا۔

مَلِيًّا ۝ (مریم ۴۶) | کر دوں گا اور تو ہمیشہ کے لیے مجھ سے دُور ہو جا

آزر سے جُدائی اور اُس کی مغفرت کے لیے دُعا

یہ سُن کر حضرت ابراہیمؑ نے آزر کو رخصت و متارکت کا سلام کیا اور فرمایا:

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ج سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ط اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ۝ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ز عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ۝ (مریم ۴۷، ۴۸)

(ابراہیمؑ نے سلام علیکم کہا اور فرمایا) میں آپ کے لیے اپنے پروردگار سے بخشش طلب کروں گا، بیشک وہ مجھ پر نہایت مہربان ہے، اور میں آپ لوگوں سے اور جن کو آپ خدا کے سوا پکارتے ہیں ان سے کنارہ کرتا ہوں اور اپنے پروردگار ہی کو پکاروں گا، امید ہے کہ میں اپنے پروردگار کو پکار کر محروم نہیں رہوں گا

آزر کے لیے حضرت ابراہیمؑ کے طلب استغفار کے اس وعدہ کا ذکر سورۂ ممتحنہ میں بھی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَاۤ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ط (ممتحنہ ۔ ۴)

ہاں ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے یہ کہا کہ میں آپ کے لیے مغفرت مانگوں گا اور میں خدا کے سامنے آپ کے بارے میں کسی چیز کا کچھ اختیار نہیں رکھتا۔

چنانچہ اس وعدہ کے مطابق آپ برابر استغفار کرتے رہے، سورۂ شعراء میں آپ کا یہ استغفار مذکور ہے:

وَاغْفِرْ لِاَبِيْۤ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝ لا وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ۝ لا (الشعراء ۲۶)

اور میرے باپ کو بخش دے کہ وہ گمراہوں میں سے ہے، اور جس دن لوگ اٹھا کر کھڑے کیے جائیں گے، مجھے رسوا نہ کیجیو۔

مولانا شبیر احمد عثمانی نے تصریح کی ہے کہ:

"اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ابراہیم علیہ السلام ایک مشرک کی حالت شرک

پر قائم رہتے ہوئے مغفرت چاہتے تھے نہیں، غرض یہ تھی کہ اسے توفیق دے کہ حالت شرک سے نکل کر آغوش اسلام میں آجائے اور قبول اسلام اس کی خطاؤں کے معاف ہونے کا سبب بنے۔ "اِنَّ الْاِسْلَامَ یَھْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَهٗ" ابراہیم علیہ السلام کے استغفار کو قرآن میں پڑھ کر بعض صحابہ کے دلوں میں خیال آیا کہ ہم بھی اپنے مشرک والدین کے حق میں استغفار کریں، اس کا جواب حق تعالیٰ نے دیا کہ ابراہیمؑ نے وعدہ کی بنا پر صرف اس وقت تک اپنے باپ کے لیے استغفار کیا جب تک یقینی طور سے یہ واضح نہیں ہوا تھا کہ اسے کفر و شرک اور خدا کی دشمنی پر مرنا ہے کیونکہ مرنے سے پہلے احتمال تھا کہ توبہ کر کے مسلمان ہو جائے اور بخشا جائے پھر جب کفر و شرک پر خاتمہ ہونے سے صاف کھل گیا کہ وہ حق کی دشمنی سے باز آنے والا نہ تھا تو ابراہیم علیہ السلام اس سے بالکلیہ بیزار ہو گئے اور دعا و استغفار وغیرہ ترک کر دیا، پہلے نرم دلی اور شفقت سے دعا کرتے تھے، جب توبہ و رجوع کے احتمالات منقطع ہو گئے تو آپ نے اس کی خیر خواہی سے ہاتھ اٹھا لیا اور اس حادثہ کو پیغمبرانہ صبر و تحمل سے برداشت کیا۔"[1]

چنانچہ سورہ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ۝ (التوبہ ۱۱۳، ۱۱۴)

پیغمبر اور مسلمانوں کو شایاں نہیں کہ جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ مشرک اہل دوزخ ہیں تو ان کے لیے بخشش مانگیں گو وہ ان کے قرابت دار ہی ہوں، اور ابراہیمؑ کا اپنے باپ کے لیے بخشش مانگنا تو ایک وعدہ کے سبب تھا جو وہ اس سے کر چکے تھے لیکن جب ان کو معلوم ہو گیا کہ وہ خدا کا دشمن ہے تو (وہ) اس سے بیزار ہو گئے، کچھ شک نہیں کہ ابراہیمؑ بڑے نرم دل اور متحمل تھے۔

[1] ترجمہ قرآن مجید شیخ الہند حواشی صفحہ ۲۶۶

آزر کی موت اور انجام توراۃ کے بیان کے مطابق حضرت ابراہیمؑ کے باپ کا انتقال دو سو پانچ برس کی عمر میں حاران میں ہوا[1]۔ اس کے انجام پر حدیثِ نبوی نے اطلاع دی ہے۔ صحیح بخاری کتاب الانبیاء میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ

"حضور اقدس صلعم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن حضرت ابراہیمؑ کی آزر سے ملاقات ہوگی، آزر کے منہ پر اس وقت سیاہی اور خاک پڑی ہوگی، حضرت ابراہیمؑ کہیں گے کیا میں نے تجھ سے نہ کہا تھا کہ میری نافرمانی نہ کر، آزر کہے گا، آج میں تمہاری نافرمانی نہیں کروں گا، ابراہیمؑ بارگاہِ الٰہی میں عرض کریں گے، الٰہی! کیا تو نے مجھ سے وعدہ نہیں فرمایا تھا کہ جس روز لوگوں کا حشر ہوگا، اس روز تجھے رسوا نہ کروں گا۔ آج اس سے زیادہ اور کون سی رسوائی ہوگی کہ میرے دُور کے باپ کا یہ حال ہے، خداوند تعالیٰ فرمائے گا، میں نے کافروں پر جنت حرام کر دی ہے، پھر حکم ہوگا، ابراہیمؑ! اپنے پاؤں کے نیچے دیکھو، ابراہیمؑ پاؤں کے نیچے دیکھیں گے تو ایک بجّو خاک میں اٹا ہوا نظر آئے گا، اور اس کی ٹانگیں پکڑ کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔"

شاید یہ اس لیے ہو کہ لوگ آپ کے باپ کو پہچان نہ سکیں، کیونکہ رسوائی کا دار و مدار شناخت پر ہے جب شناخت نہ رہے گی کہ کون دوزخ میں پھینکا گیا تو پھر بیٹے کی رسوائی کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔

تبلیغ عام اور قوم سے جرح پھر آپ نے گم کردہ راہ قوم کو للکارا، اس کے سوئے ہوئے وجدان کو جھنجھوڑا۔ اس کو غور و فکر کی دعوت دی اور توحید کی طرف بلایا۔ سورہ انبیاء، شعراء اور عنکبوت میں جو آپ کا قوم سے مکالمہ مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے نہایت لطیف اور دلپذیر پیرایہ میں قوم پر اس حقیقت کا انکشاف

---

[1] کتاب پیدائش باب ۱۱، ۳۲

فرمایا کہ خدا پرستی کی راہ میں آبا و اجداد کی پیروی اور رسم و تقلید کا کوئی مقام نہیں بلکہ پرستش اسی کی کرنا چاہیے جس کی پرستش پر علم و بصیرت اور عقل و وجدان گواہی دے۔ آپ نے بتایا کہ زندہ اور زندگی حیات مخلوق کا خدا، کوئی اندھی بہری، بے جان اور بے حس شے نہیں ہو سکتی، زندوں کا ناتا تو صرف وہ خدا، زندہ ہی ہو سکتا ہے جو سمیع و بصیر بھی ہو اور علیم و خبیر بھی، جو عزیز و حکیم بھی ہو اور حیّ و قیوم بھی' آپ نے خداوند قدوس کی خالقیت اور ربوبیت سے استدلال کیا اور ان کو راہِ حق کی دعوت دی۔

آپ نے اپنے باپ اور قوم کے لوگوں سے پوچھا :

مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِيٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ○ (الانبیا - ۵۲)	یہ کیا مورتیں ہیں جن پر تم معتکف (قایم) ہو؟

قوم نے جواب دیا :

قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ○ (الانبیا ۵۳)	وہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی پرستش کرتے دیکھا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا :

لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ الانبیا ۵۴	تم بھی (گمراہ ہو) اور تمھارے باپ دادا بھی صریح گمراہی میں پڑے رہے۔

قوم نے اس نبیؑ اور بے باک ندا سے حق پہ حیران ہو کر پوچھا :

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ○ (الانبیا - ۵۵)	وہ بولے کیا تم ہمارے پاس (واقعی) حق لائے ہو یا (ہم سے) کھیل کرتے ہو؟

آپ نے فرمایا :

بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ	بلکہ تمھارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے اور

مِنَ الشّٰہِدِیْنَ ۝ (انبیاء ۵۶)	میں اس بات کا گواہ (اور اسی کا قائل) ہوں۔

سورۂ شعراء میں ہے :

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور قوم کے لوگوں سے پوچھا :

مَا تَعْبُدُوْنَ (شعراء ۷۰)	تم کس چیز کو پوجتے ہو ؟

قوم نے جواب دیا :

نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَھَا عٰکِفِیْنَ ۝ (شعراء ۷۱)	ہم بتوں کو پوجتے ہیں اور ان کی (پوجا) پر قائم ہیں۔

آپ نے فرمایا :

ھَلْ یَسْمَعُوْنَکُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ۝ اَوْ یَنْفَعُوْنَکُمْ اَوْ یَضُرُّوْنَ ۝ (شعراء ۷۲، ۷۳)	جب تم ان کو پکارتے ہو تو کیا وہ سنتے ہیں ؟ یا تمہیں کچھ نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں ؟

قوم بولی، نہیں :

بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا کَذٰلِکَ یَفْعَلُوْنَ ۝ (شعراء ۷۴)	بلکہ (ہم اس لیے ان کی پرستش کرتے ہیں کہ) ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے ارشاد فرمایا :

اَفَرَءَیْتُمْ مَّا کُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۝ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ۝ فَاِنَّھُمْ عَدُوٌّ لِّیْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَھُوَ یَھْدِیْنِ ۝ وَالَّذِیْ ھُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ۝ وَاِذَا مَرِضْتُ فَھُوَ یَشْفِیْنِ ۝	کیا تم نے دیکھا کہ جن کو تم پوجتے رہے ہو، تم بھی اور تمہارے اگلے باپ دادا بھی، وہ میرے دشمن ہیں مگر خدائے رب العالمین (میرا دوست ہے) جس نے مجھے پیدا کیا، اور وہی مجھے راستہ دکھاتا ہے اور وہ جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو مجھے شفا بخشتا

وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ۝ وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ۝ (شعراء آیۃ ۷۵ تا ۸۲)

ہے اور وہ جو مجھے ماریگا اور پھر زندہ کریگا اور وہ جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے گناہ بخشے گا۔

دُوسرے لفظوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم پر یہ حقیقت واضح کر دی کہ پروردگاری اور پرستش کے لایق وہی ہستی ہے اور ہو سکتی ہے جو کائنات عالم کی ہر چیز کو پیدا کرنے والی اور اس کو پالنے والی ہو، جو فلاح دارین کی راہ دکھاتی ہو اور مادی و رُوحانی فوائد و منافع کی طرف رہنمائی کرتی ہو، جو بھوک میں رزق اور بیماری میں شفا بخشتی ہو اور جو مارتی و جلاتی ہو اور اعمال کا حساب لیکر جزاء و سزاء دیتی ہو اور چونکہ تم اپنے فرضی اور خود ساختہ بتوں کے متعلق ان میں سے کسی ایک چیز کا بھی دعویٰ نہیں کر سکتے اس لیے تم پر واضح ہو جانا چاہیے کہ وہ ہرگز پرستش کے لایق نہیں، پرستش کے لایق تو وہی ہستی ہے جس کی طرف میں تمھیں بلا رہا ہوں اور جو ان تمام صفات سے متصف ہے۔

پھر حق تعالیٰ کے کمالات اور الطاف و اکرام کا ذکر کرتے ہوے حضرت ابراہیمؑ نے غلبۂ حضور سے دعا شروع کر دی جو کمال عبدیت کے لوازم میں سے ہے:

رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۝ وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ۝ وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ ۝ وَاغْفِرْ لِاَبِیْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ ۝ وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ۝ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ۝ (شعراء ۸۳ تا ۸۹)

اے پروردگار مجھے علم و دانش عطا فرما اور نیکوکاروں میں شامل کر اور پچھلے لوگوں میں میرا ذکر نیک (جاری) کر اور مجھے نعمت کی بہشت کے وارثوں میں کر اور میرے باپ کو بخش دے کہ وہ گمراہوں میں سے ہے اور جس دن لوگ اٹھا کھڑے کیے جائیں گے مجھے رسوا نہ کیجیو، جس دن نہ مال ہی کچھ فائدہ دے سکیگا اور نہ بیٹے، ہاں جو شخص خدا کے پاس پاک دل لے کر آیا (وہ بچ جائے گا)

ایک قدیم آشوری بُت

حوالہ صفحہ نمبر ۱۹۲
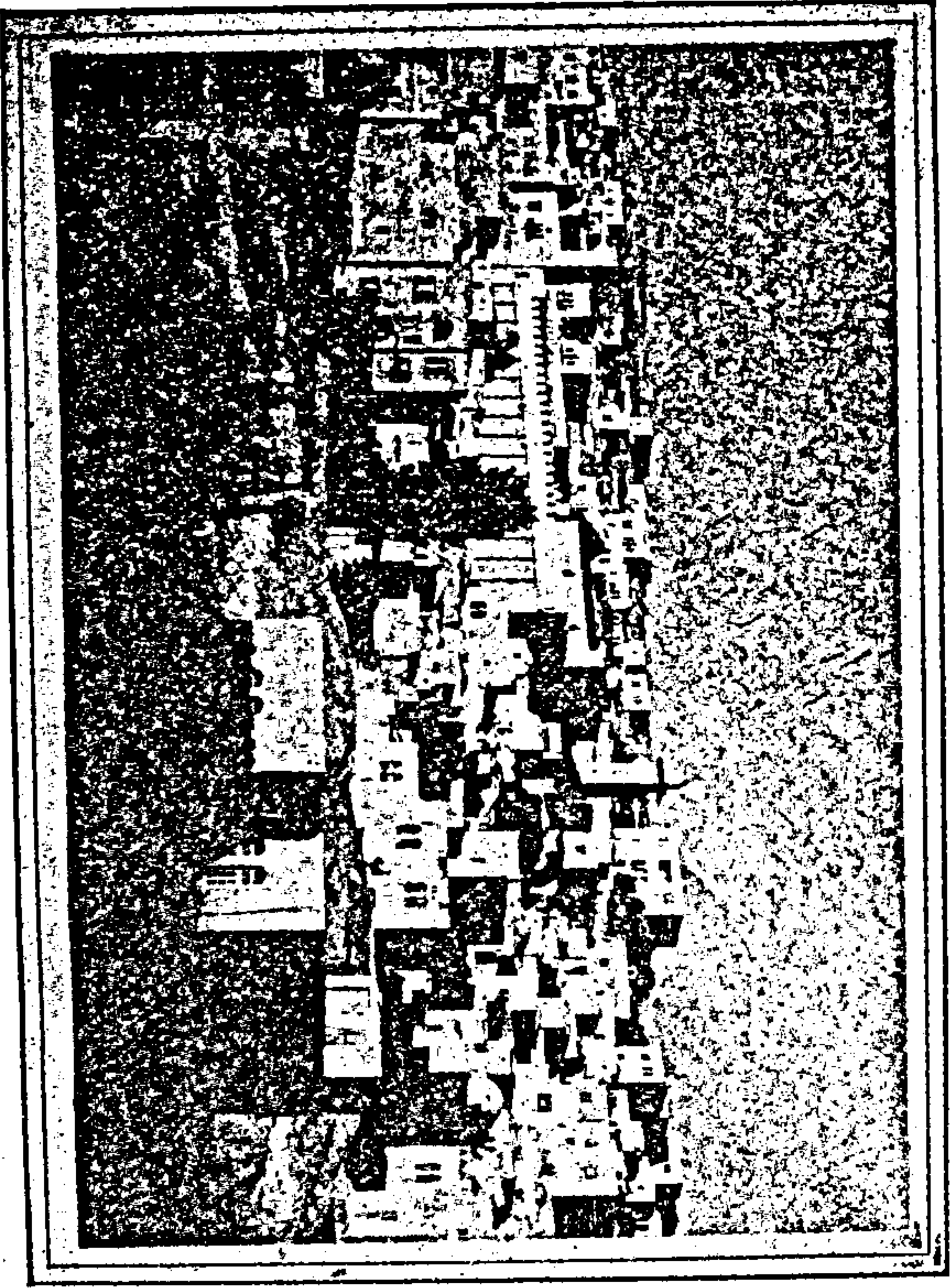
جبرون کے موجودہ شہر کا ایک منظر۔ جبرون بیت المقدس سے تقریباً ۲۰ میل جنوب میں واقع ہے۔ اس کو حضرت ابراہیمؑ نے آباد کیا اور اس کا شمار دُنیا کے قدیم ترین شہروں میں ہوتا ہے۔ یہ حضرت داؤدؑ کا مولد اور دارالسلطنت بھی رہا ہے۔ اس شہر کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس میں حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحٰقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت سارہؓ، جناب ربقہؓ اور جناب لیاہؓ محو خواب ہیں۔ تصویر میں سامنے جس مسجد کے مینار نظر آتے ہیں، یہ مزارات اسی میں واقع ہیں۔
(سفارت مملکتِ اردن کراچی کے شکریہ کے ساتھ)

حوالہ صفحہ نمبر ۲۲۰

سورۂ عنکبوت میں آپ کا ایک نہایت موثر خطبہ مذکور ہے جو آپ نے قوم کو دیا، قرآن کے یہ مختصر معجزانہ الفاظ معرفت و حکمت کا ایک گنجینہ ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے شرک و بت پرستی کی تردید کی اور فرمایا کہ توحید و حق پرستی کے راستے میں اکثر دنیاوی مال و دولت اور روزی کا خیال حائل ہو جاتا ہے، اگر تمھاری گمراہی بھی اسی وجہ سے ہے تو یاد رکھو کہ اللہ کے سوا کوئی روزی دینے والا نہیں اور وہ وہی کچھ دیتا ہے جو اس کی مشیت کا مقتضی ہوتا ہے، لاطائل دوادوش اور غلط راستوں پر بھٹکنے سے اس میں ذرہ بھر اضافہ ممکن نہیں اس لیے اس کے شکرگذار بندے بنو اور اسی کی پرستش کرو چونکہ بالآخر تم کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے، اور اگر تم دوبارہ جی اٹھنے کی طرف سے شک میں ہو، تو خود اپنی ذات میں غور کرو، پہلے تم کچھ نہ تھے، اللہ نے تم کو پیدا کیا، اسی طرح مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرے گا۔ یہ اس کے لیے بالکل آسان ہے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ پیغمبر کا کام صرف تبلیغ اور پیغام حق کا پہنچا دینا ہے جو میں نے ادا کر دیا، پیغمبر کی تکذیب پیغمبر کا کچھ نہیں بگاڑتی، البتہ تکذیب کرنے والوں کو تباہ و برباد کر دیا کرتی ہے۔

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ

اور ابراہیم کو (یاد کرو) جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو، اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو یہ تمھارے حق میں بہتر ہے تم تو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے ہو اور طوفان باندھتے ہو، تو جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو وہ تم کو رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے پس خدا ہی کے یہاں سے رزق طلب کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر کرو، اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے، اور اگر تم (میری) تکذیب کرو تو تم سے پہلے بھی امتیں (اپنے پیغمبروں کی) تکذیب کر چکی ہیں اور پیغمبر کے ذمہ کھول کر سنا دینے کے سوا اور

يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝

(عنکبوت ۱۶ تا ۱۹)

کچھ نہیں۔ کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ خدا کس طرح خلقت کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر اس کو دہرائیگا یہ خدا کو آسان ہے۔

آپ کے رد شرک اور تعلیم توحید کا مختصر تذکرہ سورہ صافات میں ہے، ارشاد ہوتا ہے:

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ۝ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ۝ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (والصّٰفّٰت ۸۵ تا ۸۷)

جب انھوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کن چیزوں کو پوجتے ہو؟ کیوں جھوٹ (بناکر) خدا کے سوا اور معبودوں کے طالب ہو؟ بھلا پروردگار عالم کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟

سورۂ زخرف میں ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ۝

(الزخرف ۲۵، ۲۶)

اور جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ جن چیزوں کو تم پوجتے ہو میں ان سے بیزار ہوں، ہاں جس نے مجھے پیدا کیا وہی مجھے سیدھا راستہ دکھائے گا۔

اور بالآخر آپ نے قوم کو کھلا ہوا چیلنج دے دیا:

اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ

(الممتحنہ ۔ ۴)

ہم تم سے اور ان (بتوں) سے جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو بے تعلق ہیں، (اور تمھارے معبودوں کے کبھی) قائل نہیں (ہوسکتے) اور جب تک تم خدائے واحد پر ایمان نہ لاؤ، ہم میں اور تم میں ہمیشہ کھلم کھلا عداوت اور دشمنی رہیگی

سورۂ انعام کی یہ آیت اوپر گذر چکی ہے کہ

وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ

اور میں ڈرتا نہیں ہوں ان چیزوں سے جن کو

يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْئًا ط (الانعام-۸۱)	تم اس کا شریک بناتے ہو۔

یعنی اگر ان میں کوئی طاقت ہو تو مجھ کو نقصان پہنچا دیکھیں۔

حضرت نوح ؑ نے بھی اپنی قوم کو اسی قسم کا چیلنج دیا تھا:

فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْا اِلَيَّ وَ لَا تُنْظِرُوْنِ (یونس-۷۱)	میں تو خدا پر بھروسہ رکھتا ہوں، تم اپنے شریکوں کے ساتھ مل کر ایک کام مقرر کر لو اور وہ تمہاری تمام جماعت سے پوشیدہ نہ رہے پھر وہ کام میرے حق میں کر گذرو اور مجھے مہلت نہ دو۔

اور حضرت ہود ؑ نے اپنی قوم سے فرمایا تھا:

اِنِّيْ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ○ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ط (ہود ۵۴ تا ۵۶)	میں خدا کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ جن کو تم (خدا کا) شریک بناتے ہو میں اس سے بیزار ہوں (یعنی جن کی) خدا کے سوا (عبادت کرتے ہو) تم سب مل کر میرے بارے میں (جو تدبیر کرنی چاہو) کر لو اور مجھے مہلت نہ دو، میں خدا پر بھروسہ رکھتا ہوں جو میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے

واقعۂ بت شکنی اور حضرت ابراہیم ؑ

بالآخر جب آپ نے دیکھا کہ قوم کی گمراہی اور جہالت اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ اب صرف وعظ و نصیحت اور دلیل و حجت سے کام نہیں چلے گا جب تک ان کے اعتقاد اور ان کے معبودوں کے اقتدار پر ضرب کاری نہ پڑے تو آپ نے اعلان فرما دیا:

تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ (الانبیا-۵۷)	اللہ کی قسم جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے تو میں تمہارے بتوں سے ایک چال چلوں گا۔

چنانچہ جب سالانہ تہوار کے موقعہ پر شہر کے باہر میلا لگا اور قوم کے لوگوں نے

آپ سے ہمراہ چلنے کو کہا تو۔

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ (صافات ۸۸)	تو انھوں نے ستاروں کو نظر بھر کر دیکھا۔

چونکہ یہ ستارے ان کی قوم کے معبود تھے اور ان کے بتوں کے ساتھ جس چال چلنے کا آپ نے اعلان کیا تھا اب اس پر عمل کرنے کا وقت آگیا تھا، اور

فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ۝ (صافات ۸۹)	کہا، میں تو بیمار ہوں

چنانچہ،

فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ (صافات ۹۰)	تب وہ ان سے پیٹھ پھیر کر لوٹ گئے۔

اس کے بعد،

فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ۝ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ۝ (صافات ۹۱ تا ۹۳)	(ابراہیمؑ) ان کے معبودوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ تم کھاتے کیوں نہیں؟ تمھیں کیا ہوا ہے، تم بولتے نہیں؟ پھر ان کو داہنے ہاتھ سے مارنا (اور توڑنا) شروع کیا۔

سورہ انبیاء میں ہے:

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ۝ (الانبیاء ۵۸)	پھر ان کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا مگر ایک بڑے (بت) کو (نہ توڑا) تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔

قوم کو جب یہ حال معلوم ہوا تو ایک ہنگامہ برپا ہو گیا،

اور

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (الانبیاء ۵۹)	کہنے لگے کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ معاملہ کس نے کیا؟ وہ تو کوئی ظالم ہے۔

لوگوں نے کہا:

سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ۝ (انبیاء ۶۰)

ہم نے ایک جوان کو ان کا ذکر کرتے ہوئے سُنا ہے، اسے ابراہیمؑ کہتے ہیں۔

قوم بولی :

فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ۝ (انبیاء ۶۱)

اسے لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ وہ گواہ رہیں۔

چنانچہ

فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ۝ (صٰفٰت ۹۴)

وہ لوگ ان کے پاس دوڑے ہوئے آئے

قوم نے پوچھا :

ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ (الانبیاء ۶۲)

ابراہیمؑ! کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کام تو نے کیا ہے؟

آپ نے ارشاد فرمایا :

بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ۝ (انبیاء ۶۳)

بلکہ یہ ان کے بڑے نے کیا۔ اگر یہ بولتے ہوں تو ان سے پوچھ لو۔

ضرب کاری تھی،

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَاۗءِ يَنْطِقُوْنَ ۝ (انبیاء ۶۵)

انھوں نے اپنے دل میں غور کیا تو آپس میں کہنے لگے، بے شک تم ہی بے انصاف ہو، پھر (شرمندگی سے) سر نیچا کر لیا (اور ابراہیمؑ سے کہنے لگے کہ) تم جانتے ہو یہ بولتے نہیں۔

آپ نے اس نفسیاتی لمحہ کو رائیگاں نہیں جانے دیا اور فوراً آپ نے قوم کے منفعل ضمیر کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا :

اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا

پھر تم خدا کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو کیوں پُوجتے

يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ○ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (الانبیاء ۶۶-۶۷)

ہو جو نہ تمھیں کچھ فائدہ دے سکیں اور نہ نقصان پہنچا سکیں۔ تف ہے تم پر اور جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو، کیا تم عقل نہیں رکھتے؟

سورہ صافات میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ○ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ○ (صافات ۹۵-۹۶)

تم ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہو جن کو خود تراشتے ہو؟ حالانکہ تم کو اور جو تم بناتے ہو اس کو خدا ہی نے پیدا کیا ہے۔

آتش سوزاں اور خلیل بت شکن

اپنی اس شکست و فضیحت پر قوم فرط غضب سے پاگل ہو گئی اور چاروں طرف سے آوازیں بلند ہونے لگیں:

اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ (عنکبوت ۲۴)

کہنے لگے اسے مار ڈالو یا جلا دو۔

حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ○ (الانبیاء ۶۸)

اگر تم کو کچھ کرنا ہے تو اس کو جلا ڈالو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔

قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِى الْجَحِيْمِ ○ (والصّٰفّٰت ۹۷)

وہ بولے کہ اس کے لیے ایک عمارت بناؤ پھر اس کو آگ کے ڈھیر میں ڈال دو۔

ان سے آپ کی دلیل و حجت کا کوئی جواب نہ بن پڑا اور بروقت تبلیغ سے خود قوم کے افراد کا اپنے احمقانہ آبائی مسلک سے برگشتہ ہو جانے کا خطرہ پیدا ہوا تو یہ تجویز کی کہ ایک بڑا آتش خانہ تعمیر کر کے ابراہیمؑ کو اس میں ڈال دو، اس تدبیر سے لوگوں کے دلوں میں بتوں کی عقیدت راسخ ہو جائے گی اور ہیبت بیٹھ جائے گی کہ ان کی مخالفت کا انجام یہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ ایک بڑا آتش خانہ تیار ہوا۔ نہایت کثیر مقدار میں لکڑیاں جمع کر کے ان میں آگ لگائی گئی اور آپ کو بھڑکتے ہوئے شعلوں کی نذر کر دیا گیا۔

یہ بڑی سخت آزمایش کا وقت تھا مگر وہ جس کو خود اللہ نے موحد اور اپنا خلیل کہا ہو اس کے پائے استقلال میں جنبش کس طرح آسکتی تھی اور خود اللہ کو اپنے خلیل کا بال بیکا ہونا کس طرح گوارا ہو سکتا تھا' ادھر دشمنانِ خدا نے خدا کے محبوب کو آگ میں پھینکا اُدھر خدا کی بارگاہ سے حکم صادر ہوا :

یَانَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ ۝ (الانبیا-۶۹)	اے آگ سرد ہو جا اور ابراہیمؑ پر (موجب سلامتی) بن جا)

اور آتش سوزاں خلیل اللہ کے لیے گلزار بن چکی تھی' اور اس طرح اللہ نے قوم کی تدبیر اسی پر لوٹا دی اور یہ ثابت کر دیا کہ ساری قوم اور اس کے سارے معبودان باطل مل کر بھی خدائے واحد کے ایک مخلص اور بظاہر بے یار و مددگار بندے کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے آگ کی مجال نہیں کہ خدا کی اجازت و مشیت کے بغیر ایک بال بھی جلا سکے چنانچہ ارشاد ہوا ہے :

فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ۝ (والصّٰفّٰت - ۹۸)	غرض انھوں نے ان کے ساتھ ایک چال چلنی چاہی اور ہم نے انہی کو زیر کر دیا۔

سورۂ انبیاء میں ہے :

فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۝ (الانبیاء-۷۰)	ان لوگوں نے برا تو ان کا چاہا تھا مگر ہم نے انھی کو نقصان میں ڈال دیا۔

تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے کہ چالیس روز تک حضرت ابراہیمؑ آگ میں رہے' فرمایا کرتے تھے کہ ان دنوں سے زیادہ آرام میں نے اپنی عمر میں نہیں دیکھا۔ جب نمرود نے بالاخانے سے دیکھا کہ حضرت ابراہیمؑ صحیح و سالم آگ میں بیٹھے ہیں تو اس نے چلا کر کہا کہ ابراہیمؑ! بیشک تمھارا خدا قدرت والا ہے جس نے تم کو آگ میں نہیں جلنے دیا۔ میں بھی تمھارے خدا کے نام کی قربانی کروں گا۔ آزر اور دوسرے لوگ بھی یہ حال دیکھ کر خدا کی قدرت کے قائل تو ہوئے

مگر ایمان نہ لائے۔

توراۃ آپ کی تعلیم وارشاد اور آپ کے معجزات کے مذکورہ بالا تمام تذکرہ سے یکسر خاموش ہے۔

حدیثِ کذباتِ ثلاثہ اور حضرت ابراہیمؑ

عام طور پر مفسرین نے یہ بات تسلیم کرلی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے تین موقعوں پر ایسی بات کہی جس پر بظاہر جھوٹ کا اطلاق ہو سکتا ہے، ان میں سے دو موقعے تو اسی واقعہ بت شکنی سے متعلق ہیں، ایک یہ کہ جب آپ سے پوچھا گیا کہ کیا تم نے بتوں کو توڑا ہے تو آپ نے فرمایا، بلکہ ان کے بڑے نے ایسا کیا ہوگا (سورۂ انبیا) دوسرے یہ کہ انھوں نے میلے میں جانے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ میں "سقیم" (بیمار) ہوں (سورۂ صافات) اور تیسرے یہ کہ انھوں نے بادشاہ مصر کے آگے اپنی بیوی حضرت سارہ کو اپنی بہن بتایا۔ ان میں سے پہلی دونوں باتوں کا ذکر قرآن نے کیا ہے، تیسرا واقعہ صرف توراۃ میں مذکور ہے جس کا ذکر آگے آئیگا۔

اس سلسلہ میں استدلال صحیح بخاری کی ایک حدیث سے کیا جاتا ہے، کتاب الانبیاء میں ہے:

"حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں، حضور گرامیؐ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ نے کبھی کوئی ایسی بات نہیں کی جو حقیقت میں تو سچ اور بظاہر جھوٹ معلوم ہوتی ہو، ہاں اس طرح کی تین باتیں کی تھیں، دو باتیں تو خدا کے متعلق کہی تھیں اور ایک حضرت سارہ کے متعلق، پہلی دو باتیں تو یہ ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا، میں بیمار ہوں، اور یہ فرمایا تھا کہ یہ فعل (بت شکنی) بڑے بت کا ہے۔ اور تیسری بات کی یہ صورت ہوئی کہ حضرت ابراہیمؑ اور سارہ کا ایک گاؤں میں گذر ہوا، وہاں ایک ظالم بادشاہ موجود تھا، بادشاہ سے کسی نے کہا کہ یہاں ایک شخص آیا ہے جس کے ساتھ ایک حسین عورت ہے، بادشاہ

نے ایک آدمی حضرت ابراہیمؑ کے پاس بھیجکر دریافت کرایا کہ یہ عورت کون ہے؟ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا میری بہن ہے، پھر حضرت سارہ سے آکر فرمایا کہ روئے زمین پر میرے اور تمھارے سوا کوئی اور ایماندار نہیں ہے اور اس ظالم نے مجھ سے تمھارے متعلق دریافت کیا تھا، میں نے اس سے کہہ دیا کہ تم میری بہن ہو، لہٰذا تم میری تکذیب نہ کرنا، اس کے بعد بادشاہ نے حضرت سارہ کو بلوایا، سارہ چلی گئیں، بادشاہ کچھ دراز دستی کرنے لگا، لیکن خدا تعالیٰ نے فوراً اس کی گرفت کر لی، حضرت سارہ سے کہنے لگا، آپ میرے لیے خدا سے دعا کیجیے، میں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا، حضرت سارہ نے دعا کی، خدا تعالیٰ نے چھوڑ دیا دوبارہ اس نے دراز دستی کرنی چاہی، لیکن پہلے سے زیادہ خدا نے اس کی گرفت کی، اس نے پھر حضرت سارہ سے دعا کی خواستگاری کی اور نقصان نہ پہنچانے کا قول کیا، حضرت سارہ نے دعا کی اور خدا نے گرفت سے اس کو رہائی دی، اخیر میں بادشاہ اپنے دربان سے کہنے لگا کہ تو میرے پاس آدمی کو نہیں لایا ہے بلکہ شیطان کو لایا ہے، یہ کہہ کر حضرت سارہ کو خدمت کے لیے ہاجرہ عطا فرمائی، حضرت سارہ ابراہیمؑ کے پاس واپس آگئیں، اس وقت حضرت ابراہیمؑ نماز پڑھ رہے تھے، اشارہ سے دریافت فرمایا کیا حال ہے؟ حضرت سارہ نے کہا، خدا تعالیٰ نے کافر کی دراز دستی روک دی اور اس نے مجھے خدمت کے لیے ہاجرہ دی ہے۔

لیکن دوسری طرف قرآن کا ارشاد ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ (مریم - ۴۱)	اور کتاب میں ابراہیمؑ کا ذکر کرو، بے شک وہ نہایت سچے پیغمبر تھے۔

اس آیت کے تحت مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

"صدیق، کے معنی ہیں بہت زیادہ سچ کہنے والا، جو اپنی بات کو عمل سے

سچا کر دکھائے، یا وہ راست باز پاک طینت جس کے قلب میں سچائی کو قبول کرنے کی نہایت اعلیٰ و اکمل استعداد موجود ہو، جو بات خدا کی طرف سے پہنچے بلا توقف اس کے دل میں اُتر جائے، شک و تردّد کی گنجائش ہی نہ رہے، ابراہیم علیہ السلام ہر ایک معنی سے صدیق تھے اور چونکہ صدیقیت کے لیے نبوت لازم نہیں اس لیے آگے "صِدِّيقًا" کے ساتھ "نَبِيًّا" فرما کر نبوت کی تصریح کر دی یہیں سے معلوم ہو گیا کہ کذبات ثلٰثہ کی حدیث اور "نَحْنُ اَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ اِبْرَاهِيْمَ" وغیرہ روایات میں کذب و شک کے وہ معنی مراد نہیں جو سطح کلام سے مفہوم ہوتے ہیں۔[1]

اس روایت کے سلسلہ میں ایک اور چیز بھی قابل غور ہے۔ روایت مندرجہ بالا میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے بادشاہ مصر کے قاصد کے آگے حضرت سارہ کو اپنی بہن بتانے کے بعد حضرت سارہ سے فرمایا "روئے زمین پر میرے اور تمھارے سوا کوئی اور ایماندار نہیں ہے" مگر قرآن بتاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ کچھ اور ایماندار لوگ بھی تھے، سورۂ ممتحنہ میں ہے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫...... (الممتحنہ۔۴)	تم کو نیک چال چلنی چاہیے ابراہیمؑ کی اور جو ان کے ساتھ تھے جب انھوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ ہم تم سے اور ان (بتوں) سے جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو بے تعلق ہیں۔

اور سورۂ عنکبوت میں تو آگ سے نجات پانے کے ذکر کے بعد حضرت لوط کے ایمان کا بالتصریح ذکر ہے، اور یہ واقعہ آپ کی ہجرت شام سے پہلے کا ہے جیسا کہ آیت سے واضح ہے:

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (عنکبوت ۲۶)	پس ان پر لوط ایمان لائے اور (ابراہیم) کہنے لگے کہ (میں) اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں بیشک وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

یہ معلوم ہے کہ آپ نے سفر مصر شام آنے کے بعد کیا، اس سے ثابت ہے کہ سفر مصر کے وقت

[1] ترجمہ قرآن مجید شیخ الہند، فواید صفحہ ۳۹۹۔

جس میں توراۃ کی تصریح کے مطابق حضرت لوطؑ بھی آپ کے ہمراہ تھے' آپ کے اور حضرت سارہ کے علاوہ بھی دنیا میں کوئی صاحب ایمان موجود تھا۔

اب رہا ان مخصوص واقعات کا معاملہ جن کے سلسلہ میں آپ کا بظاہر جھوٹ بات کہنا بیان کیا گیا ہے تو ان کا حال مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا ابوالکلام آزاد کی عالمانہ زبان سے سنیئے :

بت شکنی کے بعد قوم کے استفسار پر آپ کا یہ جواب کہ یہ کام ان کے بڑے نے کیا ہوگا سورۂ انبیاء میں مذکور ہے، اس کی تفسیر کے سلسلہ میں مولانا شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں :

"یعنی مجھ سے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ یہ فرض کر لیا جائے کہ اس بڑے گرو گھنٹال نے جو صحیح سالم کھڑا ہے اور توڑنے کا آلہ بھی اس کے پاس موجود ہے' یہ کام کیا ہوگا۔ لیجیے بحث و تحقیق کے وقت بطور الزام و تبکیت میں یہ دعویٰ کیے لیتا ہوں' کہ بڑے بت نے سب چھوٹوں کو توڑ ڈالا' اب آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ کیا دنیا میں ایسا ہوتا نہیں کہ بڑے سانپ چھوٹے سانپوں کو' بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگل جاتی ہے اور بڑے بادشاہ چھوٹی سلطنتوں کو تباہ کر ڈالتے ہیں' اس لیے بہترین صورت میرے تمہارے درمیان فیصلہ کی یہ ہے کہ تم خود اپنے معبودوں ہی سے دریافت کر لو کہ یہ ماجرا کس طرح ہوا۔ اگر یہ کچھ بول سکتے ہیں تو کیا ایسے اہم معاملہ میں بول کر میرے جھوٹ سچ کا فیصلہ نہ کر دیں گے؟ (تنبیہ) ہماری تقریر سے ظاہر ہوگیا کہ "بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا" کہنا خلافِ واقعہ خبر دینے کے طور پر نہ تھا' اس کو جھوٹ نہیں کہہ سکتے۔ ہاں بظاہر صورت جھوٹ کی معلوم ہوتی ہے' اسی لیے بعض احادیث میں اس پر لفظ کذب کا اطلاق صورۃً کیا گیا ہے۔ مفسرین نے اس کی توجیہ میں اور بھی کئی محمل بیان کیے ہیں مگر میرے نزدیک یہ ہی تقریر زیادہ صاف بے تکلف اور اقرب الی الروایات ہے' واللہ اعلم"[1]

---

[1] ترجمہ قرآن مجید شیخ الہند' فوائد صفحہ ۴۲۳

مولانا ابوالکلام آزاد نے اس سلسلہ میں جس انداز سے قلم اٹھایا ہے وہ آپ اپنی مثال ہے۔ مولانا لکھتے ہیں :

"غور کرو، یہاں[1] جو واقعہ بیان کیا گیا ہے، وہ خود قرآن کے صاف صاف لفظوں میں کیا ہے؟ سرزمین دجلہ و فرات میں نینوا اور بابل سے پہلے جو شہر آباد ہوئے ان میں ایک شہر "اور" تھا، یہ جنوبی عراق میں فرات کے کنارے پر آباد تھا اور محل وقوع وہ مقام تھا جو آج کل تل العبید کے نام سے پکارا جاتا ہے، اس کی تنقید و تحقیق کا سلسلہ ابھی جاری ہے لیکن جس قدر آثار و کتبات روشنی میں آچکے ہیں ان سے باشندگان شہر کے عقاید و اعمال کے بہت سے گوشے واضح ہو چکے ہیں، یہاں بت پرستی کی وہ ساری بنیادیں استوار ہو چکی تھیں جو آگے چل کر نینوا اور بابل میں زیادہ وسیع اور منظم شکل اختیار کر لیتی ہیں، پرستش کا مبداء کواکب تھے۔ سب سے بڑا بت "شمس" کا تھا، اس کے نیچے بہت سے بت مختلف طاقتوں یا قبیلوں اور آبادیوں کے تھے۔ خود شہر "اور" کا محافظ خدا "ننعار" تھا یعنی چاند۔ تل العبید کے ٹیلہ میں جس مندر کے آثار ملے ہیں، یقین کیا جاتا ہے کہ وہ ننعار کا مندر تھا۔

مندر کے خاص پجاریوں اور محافظوں کا ممتاز گروہ بھی پیدا ہو چکا تھا۔ اور انھیں دینی ریاست پیشگی (PRIEST Hood) کی نوعیت حاصل ہو چکی تھی

. . . .

(حضرت ابراہیمؑ) نے پہلے شرک و بت پرستی کے خلاف عقل سلیم کی حجتیں پیش کیں .... وہ حضرت ابراہیمؑ کی باتیں سنتے تو متعجب ہو کر کہتے، تمہارے ہوش و حواس کہاں گئے؟ تم سنجیدگی سے یہ بات کہہ رہے ہو یا ہم سے مزاح کر رہے ہو (آیت ۵۵۔ الانبیاء)، جب ابنائے قوم کی جہل و کوری کی یہ حالت دکھائی دی تو حضرت

---

[1] یعنی سورۂ انبیاء میں

ابراہیمؑ نے محسوس کیا کہ حجتوں اور دلیلوں کی روشنی ایسے لوگوں کے لیے بالکل بیکار ہے۔ ان کے دلوں میں بتوں کا اقتدار و تصرف کا وہم، اعتقاد بن کر جم گیا ہے، جب تک اس پر چوٹ نہیں لگے گی ان کی آنکھیں کھلنے والی نہیں .... انھوں نے تمام لوگوں کو کھلا چیلنج دے دیا " تاللہ لاکیدنّ اصنامکم بعد ان تولوا مدبرین " خدا کی قسم، میں ضرور تمھارے ان بتوں کے ساتھ ایک چال چلوں گا، جب تم سب پیٹھ پھیر کر چل دوگے (آیت ۵۷) لوگوں نے ان کا یہ اعلان سُنا، لیکن چونکہ دلوں میں بتوں کی عظمت و تقدیس رچی ہوئی تھی، اس لیے قابل التفات نہیں سمجھا۔

.... جونہی معبد خالی ہوا، حضرت ابراہیمؑ نے ایک ایک کر کے تمام بت توڑ ڈالے صرف بڑے بت یعنی "شمس" کو چھوڑ دیا، اس میں مصلحت یہ تھی کہ لعلھم الیہ یرجعون۔ اگر یہ باقی رہے گا تو شاید لوگ رجوع کریں یعنی یہ سوال اٹھایا جا سکے کہ اس کے سامنے بتوں پر آفت آئی اور خود یہ بھی کہ رب الارباب تھا کچھ نہ کر سکا، اب اسی سے بتوں کی تباہی کی کہانی سُن لی جائے۔

.... اب پجاریوں کے لیے سب سے زیادہ ضروری بات یہ تھی کہ معاملہ کی اشاعت عامۃ الناس سے پوشیدہ ہو جائے۔ اگر انھیں معلوم ہو گیا کہ ابراہیمؑ نے پہلے چیلنج دے دیا تھا اور پھر کر کے دکھا دیا تو ان کے عقیدے فوراً متزلزل ہو جائیں گے، دکھاوے کیلیے پجاریوں نے ایسا انداز اختیار کر لیا، گویا ابراہیمؑ والی بات کی انھیں خبر ہی نہیں۔ آپس میں پوچھنے لگے "یہ شرارت کس نے کی ہے؟" اس پر بعض دکھاوے کے لیے بول اُٹھے سمعنا فتیً یذکرھم یقال لہٗ ابراھیم (آیت ۶۰) ہمارے سننے میں آیا ہے ابراہیم ان مورتیوں کے بارے میں کچھ باتیں کہتا تھا، چنانچہ حضرت ابراہیمؑ بلائے گئے۔

اب وہ وقت آ گیا تھا کہ حضرت ابراہیمؑ نے انکشاف حقیقت کا جو

طریقہ اختیار کیا تھا اس کا نتیجہ آشکارا ہو جائے اور جس حقیقت سے لوگوں کو انکار تھا وہ خود انہی کے حلقوں سے اگلوائی جائے۔ اب اگر حضرت ابراہیمؑ اس کے جواب میں کہتے، میں تمھیں پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ ایسا کروں گا، اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے؟ تو انھیں ردوکد کرنے کا موقعہ مل جاتا مثلاً وہ عوام کے سامنے انکار کر دیتے......

پس انھوں نے جواب میں حجّت الزامی (جس کو ہمارے مناظر فرض الباطل مع الخصم حتی تلزمۃ الحجۃ سے تعبیر کرتے ہیں) کا ایسا طریقہ اختیار کیا کہ ردوکد کے سارے دروازے بند ہو گئے اور حقیقت آشکارا ہو گئی (آیت ۶۳) "بلکہ اس سب سے بڑے بُت شمس نے کیا ہے .... اگر فی الحقیقت مورتیاں سوالوں کا جواب دیا کرتی ہیں تو اسی سے پوچھ لو، مجھ سے کیوں سوال کرتے ہو؟"

یہ جواب سنتے ہی سناٹا چھا گیا، کیونکہ اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا، نہ تو وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ مورتی سے امید جواب نہیں، نہ مورتی سے سوال ہی کر سکتے تھے، ادھر عوام نتیجہ کے منتظر تھے فرجعوا الی انفسھم"۔ "انفسھم" یعنی پجاریوں کی جماعت عوام سے الگ ہو کر آپس میں باتیں کرنے لگی اور چونکہ اب حضرت ابراہیمؑ کا تیر ٹھیک نشانہ پر لگ چکا تھا اس لیے انھیں اقرار کرنا پڑا۔ "فقالوا انکم انتم الظالمون" بلاشبہ حق سے نافرمانی کرنے والے ہم ہی ہیں، ٹھیک بات تو وہی ہے جو ابراہیمؑ کہہ رہا ہے، بالآخر مجبور ہوئے کہ جو بات حضرت ابراہیمؑ ان سے کہلوانی چاہتے تھے وہ سر جھکا کر دبی زبان سے کہہ دیں "لقد علمت ما ھٰؤلاء ینطقون"۔ "لقد علمت" یعنی یہ حقیقت تو تجھے معلوم ہی ہو چکی ہے کہ مورتیوں کی صداؤں اور مندر کے ہاتف غیبی کے جوابوں کا معاملہ وہ نہیں ہے جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے، مورتیاں بولا نہیں کرتیں، پھر تیرا یہ کہنا کہ بڑے بُت سے پوچھ کر فیصلہ کیو کیا معنی رکھتا ہے؟ تب حضرت ابراہیمؑ نے تمام مجمع سے

مخاطب ہو کر ندائے حق بلند کر دی افتعبدون .... افلا تعقلون (آیت ۶۷) جب ان مورتیوں کے نطق و الہام کے سارے قصے من گھڑت ہیں اور ان کے عجز و درماندگی کا یہ حال ہے جو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو، تو پھر تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی پرستش پر جم گئے ہو، کیا اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھ سکتے۔

. . . .

لیکن جب حضرت ابراہیمؑ نے مجمع عام میں بت پرستی کے خلاف وعظ شروع کر دیا تو پجاری ڈرے اور انھوں نے چاہا، عوام کے بت پرستانہ جذبات بھڑکا کر اپنا کام نکال لیں۔ انھوں نے کہا "احرقوہ وانصروا الہتکم ان کنتم فعلین" اسے زندہ آگ میں جلا دو، کیونکہ تمام قدیم قوموں میں دستور تھا کہ مذہبی اور سیاسی مجرموں کو زندہ جلا دینے کی سزا دیا کرتے تھے، چنانچہ کالڈیا میں آخری زمانہ تک یہی دستور رہا۔ کتاب دانیال سے معلوم ہوتا ہے کہ کالڈیوں نے ان یہودیوں کو زندہ جلا دینا چاہا جنھوں نے پادشاہ کی معبودیت سے انکار کر دیا تھا۔

اب غور کرو اس تمام سرگذشت میں کون سی ایسی بات ہے جس سے حضرت ابراہیمؑ کا جھوٹ بولنا نکلتا ہو؟

چونکہ ہمارے مفسروں کے سامنے ایک روایت تھی اور اس کی تعمیل میں ضروری سمجھتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح جھوٹ کی بات بن جائے، اس لیے انھوں نے کوشش کی کہ جو بات قرآن میں نہیں ہے وہ محذوف بنا کر بڑھا دی جائے ...." [1]

---

[1] ترجمان القرآن۔ جلد دوم صفحہ ۴۹۵ تا ۴۹۹

ہمارے نزدیک اس کی ایک اور آسان اور قریب الفہم تشریح ممکن ہے اسی سورۂ انبیاء کے دوسرے رکوع میں قرآن کریم نے اپنے مخصوص انداز میں تعدد الٰہہ کے ابطال پر ایک نہایت پختہ اور واضح دلیل پیش کی ہے:

اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ۝ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝

(الانبیاء ۲۱، ۲۲)

کیا ٹھہرائے ہیں انھوں نے اور معبود زمین میں سے کہ جلا اٹھائیں گے ان کو، اگر زمین و آسمان میں خدا کے سوا اور معبود ہوتے تو زمین و آسمان درہم برہم ہو جاتے پس پاک ہے اللہ عرش کا مالک ان باتوں سے جو یہ بتلاتے ہیں

قرآن کریم نے متعدد مقامات پر اثبات توحید کے سلسلہ میں یہی عقلی اور ٹھوس دلیل پیش کی ہے، مثلاً سورۂ بنی اسرائیل ہے:

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا ۝ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝

(سورۂ بنی اسرائیل ۴۱، ۴۲)

کہہ دو کہ اگر خدا کے ساتھ اور معبود ہوتے جیسے یہ کہتے ہیں تو وہ ضرور (خدائے) مالک عرش کی طرف (لڑنے بھڑنے کے لیے) راستہ نکالتے۔ وہ پاک ہے اور جو کچھ یہ بکواس کرتے ہیں اس سے بہت بلند ہے۔

اور سورہ مومنون میں ہے:

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى

خدا نے نہ تو کسی کو (اپنا) بیٹا بنایا ہے اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی اپنی مخلوقات کو لے کر چل دیتا اور ایک دوسرے پر غالب آجاتا۔ یہ لوگ جو کچھ (خدا کے بارے میں) بیان کرتے ہیں خدا اس

عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ (المومنون ۹۱ و ۹۲)	سے پاک ہے، وہ پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے اور مشرک جو اس کے ساتھ شریک کرتے ہیں (اس کی شان) اس سے بلند ہے۔

یعنی اگر ان مشرکوں کے عقیدہ کے مطابق کئی خدا ہوتے تو ان میں باہم حصول غلبہ و تصرف کے لیے لامحالہ مقابلہ اور رسہ کشی ہوتی اور زمین و آسمان میں ایک فساد برپا ہو جاتا اور ان میں سب سے طاقتور بالآخر تمام کمزوروں پر غالب آ جاتا، یا بصورت دیگر صرف ایک صاحب قدرت و اختیار رہتا اور باقی سب ناقص و عاجز و مجبور۔ یاد رہے کہ یونان قدیم میں تعدد الٰہ کے ابطال پر اسی قسم کی دلیل سقراط نے بھی اپنی قوم کے سامنے پیش کی تھی۔

کیا عجب ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا یہ فعل اسی برہان قاطع کی ایک عملی تعلیم اور اسی حقیقت کا ایک محسوس و مرئی انکشاف ہو کہ اگر واقعی تمہارے معبودوں کی کوئی حقیقت ہوتی بھی تو لامحالہ ان کا یہ حشر ہوتا۔ پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ قوم کے استفسار پر آپ نے جو الفاظ ارشاد فرمائے وہ یہ نہیں ہیں کہ ان کے بڑے بت نے ایسا کیا بلکہ صرف یہ ہیں کہ :

بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا (الانبیا ۶۳)	بلکہ ان کے بڑے نے ایسا کیا۔

یعنی مٹی اور پتھر کے ان مجسموں میں کوئی قدرت و اختیار نہیں، ان سے تو انسان زیادہ باعظمت ہے کہ ان سے زیادہ قدرت و اختیار کا مالک ہے اور چونکہ میں ان سے بڑا ہوں اسی لیے ان کو توڑ سکا۔ اسی سے اندازہ کر لو کہ وہ اللہ جس کا میں صرف ایک بندہ اور پیغمبر ہوں اس کے قدرت و اختیار کا کیا عالم ہو گا۔

مولانا آزاد لکھتے ہیں :

"اس روایت میں حضرت ابراہیمؑ کی تین باتوں کو کذب سے تعبیر

کیا ہے، ایک تو یہی بات، دُوسری وہ جو سورۂ صافات میں ہے فقال انی سقیم (۸۹)، تیسری یہ کہ انھوں نے بادشاہ مصر کے آگے اپنی بیوی سارہ کو بہن کہا تھا آخری بات قرآن میں نہیں ہے تورات میں ہے اور ہم اس کے موجودہ نسخہ کی صحت کے ذمہ دار نہیں۔ باقی رہا انی سقیم والا قول تو .... یہاں اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ اس کا کوئی مطلب بھی ٹھرایا جائے اس میں جھوٹ کا پہلو کہاں سے نکل آیا، ایک شخص نے کہا "میں سقیم ہوں پھر کیوں اسے جھوٹ پر محمول کیا جائے"[1]

سورۂ صافات کے اس مقام کی تشریح کرتے ہوئے مولانا شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں :

"ان کی قوم میں نجوم کا زور تھا، حضرت ابراہیمؑ نے ان کے دکھانے کو تاروں کی طرف نظر ڈال کر کہا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں (اور ایسا دنیا میں کون ہے جس کی طبیعت ہر طرح ٹھیک رہے کچھ نہ کچھ عارض اندرونی یا بیرونی لگے ہی رہتے ہیں، یہ ہی تکلیف اور بدمزگی کیا کم تھی کہ ہر وقت قوم کی ردّی حالت دیکھ کر کڑھتے تھے) یا یہ مطلب تھا کہ میں بیمار ہونے والا ہوں (بیماری نام ہے مزاج کے اعتدال سے ہٹ جانے کا، تو موت سے پہلے تو ہر شخص کو یہ صورت پیش آنے والی ہے) بہرحال حضرت ابراہیمؑ کی مراد صحیح تھی لیکن ستاروں کی طرف دیکھ کر "اِنّیِ سَقِیْمٌ" کہنے سے لوگ یہ مطلب سمجھے کہ بذریعہ نجوم انھوں نے معلوم کر لیا ہے کہ عنقریب بیمار پڑنے والے ہیں ......

(تنبیہ) تقریر بالا سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت ابراہیمؑ کا "اِنّیِ سَقِیْمٌ" کہنا مطلب واقعی کے اعتبار سے جھوٹ نہ تھا، ہاں مخاطبین نے جو مطلب سمجھا اس کے اعتبار سے خلاف واقع تھا۔ اسی لیے بعض احادیث صحیحہ میں اس پر لفظ

---

[1] ترجمان القرآن جلد دوم صفحہ ۵۰۱

کذب کا اطلاق کیا گیا ہے حالانکہ فی الحقیقت یہ کذب نہیں "توریہ" ہے اور اس طرح کا "توریہ" مصلحات شرعی کے وقت مباح ہے جیسے حدیث ہجرت میں "مِمَّنِ الرجل" کے جواب میں آنحضرت صلعم نے فرمایا "مِنَ المَاءِ" اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک سوال کے جواب میں کہا "رَجُلٌ یَھْدِینِی السَّبِیْل" .... ؎۱

ہم اس بحث کا خاتمہ مولانا ابو الکلام آزاد ہی کے ان وقیع اور جامع الفاظ پر کرتے ہیں :

"......... باقی رہی صحیحین کی روایت لم یکذب ابراھیم الخ تو اگرچہ اس کی توجیہ و تاویل کی بہت سی راہیں لوگوں نے کھول لی ہیں مگر صاف بات وہی ہے جو امام ابو حنیفہؒ کی طرف منسوب ہے اور جسے امام رازیؒ نے بھی دہرایا ہے، یعنی ہمارے لیے یہ تسلیم کر لینا نہایت آسان ہے کہ ایک غیر معصوم راوی سے فہم و تعبیر حدیث میں غلطی ہو گئی بہ مقابلہ اس کے کہ ایک معصوم اور برگزیدہ پیغمبر کو جھوٹا تسلیم کر لیں، اگر ایک راوی کی جگہ سیکڑوں راویوں کی روایت بھی ناقص ٹھہر جائے تو بہر حال غیر معصوم انسانوں کی غلطی ہو گی، لیکن اگر ایک معصوم پیغمبر کو بھی غلط بیان تسلیم کر لیا گیا تو نبوت و وحی کی ساری عمارت درہم برہم ہو گئی۔ جب کبھی ایسا ہو گا کہ کسی راوی کی شہادت یقینیات قطعیہ سے معارض ہو جائے گی تو یقینیات اپنی جگہ سے نہیں ہلیں گے، غیر معصوم کو اپنی جگہ چھوڑنا پڑے گی ...." ؎۲

آزمائش آتش کے واقعہ کے بعد حضرت ابراہیمؑ کا قوم سے خطاب

آگ میں ڈالے جانے کے واقعہ کے بعد

؎۱ ترجمہ قرآن مجید شیخ الہند فوائد صفحہ ۵۸۳۔ ؎۲ ترجمان القرآن جلد دوم صفحہ ۴۹۹ تا ۵۰۰

سورۂ عنکبوت میں آپ کا قوم سے ایک اور خطاب مذکور ہے' آپ نے قوم کو مخاطب کرکے فرمایا :

وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا ۙ مَوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۝ (العنکبوت - ۲۵)

اور ابراہیمؑ نے کہا کہ تم جو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو لے بیٹھے ہو تو دنیا کی زندگی میں باہم دوستی کے لیے (مگر) پھر قیامت کے دن ایک دُوسرے (کی دوستی) سے انکار کردوگے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجوگے اور تمھارا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور کوئی تمھارا مددگار نہ ہوگا۔

کنعان یا شام کو ہجرت

اس واقعہ کے بعد جب ابنائے قوم اور باپ کے مظالم اور سختیاں بہت زیادہ بڑھ گئیں تو آپ نے منشاء الٰہی کے مطابق سرزمین شام کی طرف ہجرت کا ارادہ فرمایا۔ سورۂ عنکبوت ہی میں آیت مذکورہ بالا (آیت ۲۵) کے بعد ہے :

فَآمَنَ لَهُ لُوطٌ ۘ وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي ۖ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (عنکبوت ۲۶)

پس ان پر لوطؑ ایمان لائے اور (ابراہیمؑ) کہنے لگے کہ (میں) اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں، بے شک وہ غالب حکمت والا ہے۔

سورہ صافات میں اس واقعہ کے تذکرہ کے بعد ہے :

وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ ۝ (والصّٰفّٰت ۹۹)

اور (ابراہیمؑ) بولے کہ میں اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں وہ مجھے راستہ دکھائے گا۔

ملک شام ہی وہ بابرکت زمین ہے جس کا وعدہ آپ سے اور آپ کی اولاد سے کیا گیا تھا، اس لیے اس کو "وعدہ کی زمین" بھی کہتے ہیں۔ سورۂ انبیاء میں آپ کے آگ میں ڈالے جانے کے واقعہ کے بعد آپ کی اسی "وعدہ کی زمین" کی طرف ہجرت کرنے کا ذکر ہے :

وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ (الانبیاء - ۷۱)

اور ابراہیمؑ اور لوطؑ کو اس سرزمین کی طرف بچا نکالا جس میں ہم نے اہل عالم کے لیے برکت رکھی تھی۔

توراۃ کی تصریح کے مطابق اس ہجرت کے وقت آپ کی عمر ۷۵ سال کی تھی۔ اس سرزمین پر آپ کی نسل نے حکمرانی کی جس کا آغاز آپ کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام سے ہوا جن کا لقب "اسرائیل" تھا۔ اگر آپ کی تاریخ ولادت کے متعلق سر چارلس مارسٹن کی تحقیق جو ہم شروع میں نقل کر چکے ہیں صحیح ہے تو ملک شام کو آپ نے قریب قریب ۲۰۸۵ ق م میں ہجرت فرمائی ہوگی۔

حضرت ابراہیمؑ اور عہد الٰہی

توراۃ اور قرآن مجید کی تصریح کے مطابق کنعان (شام) کا علاقہ آپ نے وحی الٰہی سے منتخب کیا تھا۔ توراۃ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "تو جس جگہ کھڑا ہے اس کے چاروں طرف دیکھ۔ یہ تمام ملک میں تجھے اور تیری نسل کو دوں گا اور تیری نسل کو میں خاک کے ذروں کی مانند بناؤں گا۔ اگر کوئی خاک کے ذروں کو گن سکتا ہے تو تیری نسل بھی گن لی جائیگی۔ (پیدائش باب ۱۳ - ۱۵) قرآن میں بھی جا بجا اس بشارت کی طرف اشارہ ہے۔

جب حضرت ابراہیمؑ یہاں مقیم ہو گئے تو وقتاً فوقتاً انھیں اور بشارتیں بھی ملتی رہیں۔ ان تمام بشارتوں کا ماحصل یہ تھا کہ اللہ نے انھیں اُمتوں کا پیشوا، نسلوں کا مورث اور بادشاہوں کا جد بنایا ہے اور ان کی نسل کو اپنی برکتوں کے لیے چُن لیا ہے جب تک ان کی نسل ظلم و ضلالت سے آلودہ نہ ہوگی وعدہ کی برکتوں کی مستحق رہے گی۔ توراۃ میں ہے کہ اس عہد الٰہی کے وقت آپ کی عمر ۹۹ سال کی تھی۔ قرآن نے اس عہد کا تذکرہ سورہ بقر کے پندرھویں رکوع میں کیا ہے:

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ۖ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۖ قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي ۖ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ۝ (البقرۃ-۱۲۴)	اور جب پروردگار نے چند باتوں میں ابراہیمؑ کی آزمائش کی تو وہ ان میں پورے اُترے۔ خدا نے کہا کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔ انھوں نے کہا کہ (پروردگار) میری اولاد میں سے بھی (پیشوا بنائیں) خدا نے فرمایا کہ ہمارا قرار ظالموں کے لیے نہیں ہوا کرتا۔

یہ بشارتیں اس خاندان میں اللہ کا عہد سمجھی جاتی تھیں۔ خاندان کا ہر بزرگ اسے محفوظ رکھنا اور پھر اپنے وارث کو اس کی وصیت کرنا۔ یہ "عہد" دو باتوں پر مشتمل تھا ایک یہ کہ نسل ابراہیمی اللہ کے دین پر قائم

رہے گی اور اس کی دعوت دے گی۔ دوسری یہ کہ اللہ اسے برکت دے گا اور اس کی دعوت کامیاب ہوگی۔ توراۃ کے بیان کے مطابق ختنہ قوم کی طرف سے اس عہد کا نشان تھا۔ توراۃ میں ہے کہ اللہ نے نسل ابراہیمی کا یہ عہد آپ کے پوتے حضرت یعقوب سے تازہ کیا۔

سفر مصر اور حضرت ابراہیمؑ

کنعان (شام) میں جب قحط پڑا تو حضرت ابراہیمؑ نے حضرت سارہ اور حضرت لوطؑ کے ہمراہ مصر کا سفر اختیار کیا۔ اس وقت مصر کا حکمران آپ کا ہم نسب تھا۔ علامہ سید سلیمان ندوی کی تصریح کے مطابق اس کا نام علوان بن سان تھا۔ یہ مصر کا پہلا فرعون تھا۔[1]

حدیث کذبات ثلاثہ میں جس تیسرے واقعہ کا ذکر ہے اور جو قرآن میں نہیں ہے اس کو توراۃ نے اس طرح بیان کیا ہے:

"اور ایسا ہوا کہ جب وہ مصر داخل ہونے کو تھا تو اس نے اپنی بیوی ساری سے کہا کہ دیکھ میں جانتا ہوں کہ تو دیکھنے میں خوب صورت عورت ہے اور یوں ہوگا کہ مصری تجھے دیکھ کر کہیں گے کہ اس کی بیوی ہے، سو وہ مجھے تو مار ڈالیں گے مگر تجھے زندہ رکھ لیں گے، سو تو کہہ دینا کہ میں اس کی بہن ہوں تاکہ تیرے سبب سے میری خیر ہو اور میری جان تیری بدولت بچی رہے، اور یوں ہوا کہ جب ابرام مصر میں آیا تو مصریوں نے اس عورت کو دیکھا کہ وہ نہایت خوبصورت ہے اور فرعون کے امراء نے فرعون کے حضور میں اس کی تعریف کی اور وہ عورت فرعون کے گھر میں پہنچائی گئی اور اس نے اس کی خاطر ابرام پر احسان کیا اور بھیڑ بکریاں اور گائے بیل اور گدھے اور غلام اور لونڈیاں اور گدھیاں اور اونٹ اس کے پاس ہو گئے۔ پھر خدا نے فرعون اور اس کے خاندان پر ابرام کی بیوی ساری کے سبب سے بڑی بڑی بلائیں نازل کیں، تب فرعون نے ابرام کو بلا کر اس سے کہا کہ تو نے مجھ سے یہ کیا کیا؟ تو نے مجھے کیوں نہ بتایا کہ یہ تیری بیوی ہے، تو نے یہ کیوں کہا کہ وہ میری بہن ہے؟

---

[1] ارض القرآن جلد اول صفحہ ۱۴۷ بحوالہ مورخ طبری

اسی لیے میں نے اسے لیا کہ وہ میری بیوی بنے' سو دیکھ تیری بیوی حاضر ہے اس کو لے اور چلا جا۔ اور فرعون نے اس کے حق میں اپنے آدمیوں کو ہدایت کی اور انھوں نے اسے اور اس کی بیوی کو اس کے سب مال کے ساتھ روانہ کر دیا۔"[1]

معلوم ہوتا ہے کہ محرفین تورات نے اپنے معصوم معظم اور برگزیدہ پیغمبروں پر بار بار کذب اور دروغ بافی کا الزام لگانا اپنا فرض سمجھا ہے چنانچہ حضرت ابراہیمؑ ہی کے تذکرہ میں بالکل اسی قسم کا ایک اور واقعہ اس طرح مذکور ہے:

"اور ابراہام وہاں سے جنوب کے ملک کی طرف چلا اور قادس اور شور کے درمیان ٹھہرا اور جرار میں قیام کیا۔ اور ابراہام نے اپنی بیوی سارہ کے حق میں کہا کہ وہ میری بہن ہے اور جرار کے بادشاہ ابی ملک نے سارہ کو بلوا لیا' لیکن رات کو خدا ابی ملک کے پاس خواب میں آیا اور اسے کہا کہ دیکھ تو اس عورت کے سبب سے جسے تو نے لیا ہے ہلاک ہوگا کیونکہ وہ شوہر والی ہے' پر ابی ملک نے اس سے صحبت نہیں کی تھی سو اس نے کہا اے خداوند کیا تو صادق قوم کو بھی مارے گا؟ کیا اس نے خود مجھ سے نہیں کہا کہ یہ میری بہن ہے؟ اور وہ آپ بھی یہی کہتی تھی کہ وہ میرا بھائی ہے' میں نے تو اپنے سچے دل اور پاکیزہ ہاتھوں سے یہ کیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ' اور خدا نے اسے خواب میں کہا' ہاں میں جانتا ہوں کہ تو نے اپنے سچے دل سے یہ کیا اور میں نے بھی تجھے روکا کہ تو میرا گناہ نہ کرے اسی لیے میں نے تجھے اس کو چھونے نہ دیا۔ اب تو اس مرد کی بیوی کو واپس کر دے کیونکہ وہ نبی ہے اور وہ تیرے لیے دعا کرے گا اور تو جیتا رہے گا' پر اگر تو اسے واپس نہ کرے تو جان لے کہ تو بھی اور جتنے تیرے ہیں سب ضرور ہلاک ہوں گے' تب ابی ملک نے صبح سویرے اٹھ کر

---

[1] تورات۔ کتاب پیدائش باب ۱۲۔ ۱۱ تا ۲۰

اپنے نوکروں کو بلایا اور ان کو یہ سب باتیں کہہ سنائیں، تب وہ لوگ بہت ڈر گئے اور ابی ملک نے ابراہام کو بلا کر اس سے کہا کہ تو نے ہم سے یہ کیا کیا اور مجھ سے تیرا کیا قصور ہوا کہ تو مجھ پر اور میری بادشاہی پر ایک گناہ عظیم لایا، تو نے مجھ سے وہ کام کیے جن کا کرنا مناسب نہ تھا۔ ابی ملک نے ابراہام سے یہ بھی کہا کہ تو نے کیا سمجھ کر یہ بات کی؟ ابراہام نے کہا، میرا خیال تھا کہ خدا کا خوف تو اس جگہ ہرگز نہ ہوگا اور وہ مجھے میری بیوی کے سبب مار ڈالیں گے اور فی الحقیقت وہ میری بہن بھی ہے کیونکہ وہ میرے باپ کی بیٹی ہے اگرچہ میری ماں کی بیٹی نہیں پھر وہ میری بیوی ہوئی، اور جب خدا نے میرے باپ کے گھر سے مجھے آوارہ کیا تو میں نے اس سے کہا کہ مجھ پر تیری یہ مہربانی ہوگی کہ جہاں کہیں ہم جائیں تو میرے حق میں یہی کہنا کہ یہ میرا بھائی ہے، تب ابی ملک نے بھیڑ، بکریاں، اور گائے بیل اور غلام اور لونڈیاں ابراہام کو دیں اور اس کی بیوی سارہ کو بھی واپس کر دیا[1]"

بالکل اسی قسم کا الزام حضرت اسحاقؑ پر بھی موجودہ توراۃ میں لگایا گیا ہے کہ جب وہ اپنی بیوی حضرت ربقہ کے ساتھ ابی ملک کی مملکت جرار میں پہنچے اور وہاں کے باشندوں نے ربقہ کے متعلق ان سے دریافت کیا تو:

"اس نے کہا وہ میری بہن ہے کیونکہ وہ اسے اپنی بیوی بتاتے ہوئے ڈرا یہ سوچ کر کہ کہیں ربقہ کے سبب سے وہاں کے لوگ اسے قتل نہ کر ڈالیں کیونکہ وہ خوب صورت تھی[2]"

اور حضرت یعقوب علیہ السلام پر تو جگہ جگہ دروغ، کذب اور دھوکہ دہی کے الزام لگائے گئے ہیں۔ یہاں ہم توراۃ کے ان بیانات پر جرح کرنا نہیں چاہتے۔ یہاں صرف اتنی تصریح کر دینا

---

[1] توراۃ کتاب پیدائش باب ۲۰۔ ۸ تا ۱۴۔

[2] توراۃ۔ کتاب پیدائش باب ۲۶۔ ۷۔

کافی ہے کہ ان تینوں معظم اور محترم انبیاء کا نام لینے کے بعد قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ

وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ۝ (الانبیاء-۲۷) | اور سب کو نیکو کار کیا

ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ارباب تحقیق کی نظر میں توراۃ کا موجودہ نسخہ اور خصوصاً کتاب پیدائش کی صحت نہایت مشکوک ہے۔

حضرت ہاجرہ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ اس وقت مصر کا حکمران علوان بن سان تھا جو مصر کا پہلا فرعون تھا۔ اس نے جب حضرت سارہ پر غاصبانہ قبضہ کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت سارہ کی کرامت دیکھ کر ڈر گیا۔ اس نے حضرت ابراہیمؑ کو مصر سے رخصت ہوتے وقت دیگر تحائف کے ساتھ اپنی بیٹی بھی خدمت میں پیش کی۔ مصر کی یہی شاہزادی حضرت ہاجرہ ہیں۔

حضرت ہاجرہ کا عبرانی نام ہاغار ہے۔ جب فرعون مصر نے ان کو حضرت سارہ کو دیا تو ان کا نام آجر ٹھہرا۔ پھر جب انھوں نے ہجرت کی اور آ کر مکہ میں اس لیے آباد ہوئیں کہ ان کی اولاد بیت اللہ کی آبادی اور توحید کی منادی کا ذریعہ بنے تو ان کا نام ہاجرہ ہوا۔ حضرت سارہ بانجھ تھیں۔ جب ان کے کوئی اولاد نہ ہوئی تو کنعان میں قیام کے دس سال بعد[1] انھوں نے حضرت ہاجرہ کو خود حضرت ابراہیمؑ کی زوجیت میں دیا تھا۔ جو پہلے ہی سال حاملہ ہوئیں اور حضرت اسماعیل تولد ہوئے آپ حضرت ابراہیمؑ کی دوسری بیوی تھیں۔

بادشاہ وقت سے مناظرہ سورہ بقرہ کے رکوع ۳۵ میں حضرت ابراہیمؑ کا ایک بادشاہ سے مناظرہ مذکور ہے۔ یہ واقعہ یا تو آپ کے مولد ملک بابل ہی میں پیش آیا جہاں نمرود بن کوش کی حکمرانی تھی[2]۔ یا پھر ملک مصر میں! اس وقت کے بابلی اور مصری مذاہب کی جو تشریح بالتفصیل اوپر گذر چکی ہے اس میں بتایا جا چکا ہے کہ دونوں جگہ ستارہ پرستی کا

---

[1] توراۃ۔ کتاب پیدائش۔ باب ۱۶: ۳۔ [2] ہمارے زیادہ تر مفسروں کا یہی خیال ہے۔

رواج تھا اور "آفتاب" سب سے بڑا دیوتا سمجھا جاتا تھا۔ نمرود و فرعون دونوں کو خدائی کا دعویٰ تھا۔ مصری میں آفتاب کو "رع" کہتے تھے۔ اس کا مندر مصر کے دارالخلافت مدینۃ الشمس میں تھا جس کو مصری "آن" کہتے تھے۔ بادشاہ کو آفتاب کا بیٹا سمجھا جاتا تھا اسی وجہ سے اس کا لقب رعمسیس تھا یعنی "رع کا بیٹا"

بہر حال بادشاہ نمرود ہو یا فرعون، مناظرہ جو قرآن نے نقل کیا ہے یہ ہے :

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَاجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ (البقرۃ - ۲۵۸)	بھلا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو اس غرور کے سبب سے کہ خدا نے اس کو سلطنت بخشی تھی ابراہیمؑ سے پروردگار کے بارے میں جھگڑنے لگا۔

جھگڑا یہ تھا کہ بادشاہ کو سلطنت کے زعم میں خدائی کا دعویٰ تھا اور وہ اپنے آپ کو سجدہ کرواتا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ اس کے سامنے آئے تو سجدہ نہ کیا۔ اس نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ میں اپنے رب کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتا۔ اس نے کہا رب تو میں ہوں، تمہارا رب آخر کون ہے؟ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا:

رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ (البقرۃ ۲۵۸)	میرا رب وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔

یہ ٹھوس حقیقت غالباً اس کی فہم سے بالاتر تھی، وہ اس کے ظاہری معنی میں اُلجھ کر کہنے لگا:۔

اَنَا اُحْىٖ وَاُمِيْتُ ؕ (البقرۃ - ۲۵۸)	میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں

چنانچہ ہمارے مفسروں کے بیان کے مطابق اس نے دو قیدی بلوا کر بے قصور کو مروا ڈالا اور قصوروار کو چھوڑ دیا۔ اس پر حضرت ابراہیمؑ نے دوسری دلیل آفتاب کی پیش فرمائی :

قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ (البقرۃ - ۲۵۸)	ابراہیمؑ نے کہا خدا تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اب تو اس کو مغرب کی طرف سے نکال۔

یہ سُن کر

فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (البقرۃ - ۲۵۸)	وہ کافر حیران ہو گیا، اور خدا بے انصافوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

اکثر ارباب فکر و نظر اس سلسلہ میں اُلجھے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کی پہلی دلیل دُوسری دلیل سے زیادہ وزنی تھی۔ پھر آپ نے پہلی دلیل پر کیوں اصرار نہیں کیا اور کیوں اس کے جاہلانہ جواب پر خاموشی اختیار کر لی جس سے بظاہر اعتراف عجز و شکست کا دھوکہ ہوتا ہے۔ اس کا مفصل جواب تو وہ ہے جو کبھی مولانا ابوالکلام آزاد کے فاضلانہ قلم نے الہلال کے بیسیوں صفحات پر دیا تھا اور جواب کتابی صورت میں "تصریحات آزاد" میں موجود ہے۔ اجمالاً اس کا جواب یہ ہے کہ پیغمبر کی مثال ایک طبیب حاذق کی سی ہے۔ طبیب ایک مریض کو بغور دیکھتا ہے اور علم طب کی رُو سے نہایت مجرب دوا اس مرض کے لیے تجویز کرتا ہے لیکن مریض کا مزاج کچھ اس قسم کا واقع ہوا ہے کہ اس میں اس مجرب اور زود اثر دوا سے جلب منفعت کی اہلیت نہیں اور اس لیے وہ دوا کے اثر کو قبول نہیں کرتا۔ اس طبیب کی دانشمندی اور بزرگی اس میں نہیں وہ اسی دوا پر اصرار کرے بلکہ اس میں ہے کہ وہ اس مریض کے مزاج کے مطابق فی الفور کوئی دُوسری دوا تجویز کر دے۔ جو گو بظاہر اس قدر قیمتی اور مجرب نہ ہو، مگر اس مریض کے مزاج سے مطابقت رکھنے کی وجہ سے اس کے مرض کا ازالہ کر دے۔ یہی حال پیغمبر کا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ بھی ایک باعظمت اور پرشوکت روحانی طبیب تھے دنیا کے عام مناظرین اور منطقیوں کی طرح ان کی نظر اس پر نہ تھی کہ دلیل پر خواہ مخواہ اصرار کیا جائے کہ کہیں وہ رد نہ ہو جائے بلکہ اس پر تھی کہ کفر کا طلسم ٹوٹ جائے چنانچہ جب انھوں نے دیکھا کہ پہلی دلیل مخاطب کے فہم سے بالاتر ہے تو بجائے اس کے کہ وہ اس پر زور دیتے اور ایسی باتیں کرتے کہ جو صرف محض ذہن و دماغ میں کاوش پیدا کر دیں، انھوں نے وہ طریقہ استعمال کیا جو مخاطب کے فہم کے مطابق ہونے کے بنا پر اس کے دل کی گہرائیوں میں اُتر جائے اور اس کو مبہوت و حیران کر کے لاجواب کر دے دل کی گہرائیوں میں اس لیے کہ اس کو سورج دیوتا کا اوتار یا بیٹا سمجھے جانے کی وجہ سے خدائی کا دعویٰ تھا جب خود سورج کا اوتار اور بیٹا بھی ایک لمحہ کے لیے اس کا رُخ بدلنے پر قدرت و اختیار نہیں رکھتا تو اس سے ثابت ہے کہ وہ اور کسی عظیم تر قوت کا محکوم ہے حاکم نہیں، مجبور ہے، مختار نہیں۔ یہی بات حضرت ابراہیمؑ کو سمجھانا تھی اور یہی بات سمجھ کر "وہ کافر حیران رہ گیا"۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اس دلیل میں بادشاہ کی بیچارگی و عاجزی کو ثابت کرنے کے علاوہ آفتاب

دیوتا کی بندگی اور غلامی بھی ثابت کر دی کہ اس کو کوئی ادھر سے اُدھر چلانے والا ہے۔

حضرت اسمٰعیلؑ و اسحاقؑ کی ولادت

کنبہ اور وطن چھوڑتے وقت حضرت ابراہیمؑ نے بارگاہِ ایزدی میں اولادِ صالح کے لیے دُعا کی تھی:

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ (صافات ۱۰۰)

اے پروردگار رب مجھے (اولاد) عطا فرما دیں سعادت مندوں میں سے ہو۔

آپ کی دُعا قبول ہوئی اور اس کے جواب میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تولد ہوئے۔ آپ حضرت ابراہیمؑ کی دوسری زوجہ حضرت ہاجرہ کے فرزند ہیں۔ توراۃ کے بیان کے مطابق اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۸۶ سال کی تھی (کتاب پیدائش باب ۱۶-۱۶) اس کے تیرہ سال کے بعد آپ کو ان فرشتوں کے ذریعہ جو نوجوانوں کی شکل میں حضرت لوطؑ کی قوم کو تباہ کرنے پر مامور کیے گئے تھے، حضرت اسحاقؑ کی پیدائش کی بشارت ملی اور اس کے اگلے سال حضرت سارہ کے بطن سے حضرت اسحاقؑ تولد ہوئے اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۱۰۰ برس کی تھی اور حضرت سارہ کی ۹۰ برس (کتاب پیدائش باب ۱۷-۱۷ اور باب ۲۱-۵) عہد الٰہی کے وقت جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۹۹ سال کی تھی۔ توراۃ کی تصریح کے مطابق اس عہد کا نشان ختنہ قرار دیا گیا اور اسی روز حضرت ابراہیمؑ نے اپنا[1] حضرت اسمٰعیلؑ کا اور گھر کے دوسرے مردوں کا ختنہ خدا کے حکم کے مطابق کیا، اس وقت حضرت اسمٰعیلؑ کی عمر ۱۳ سال تھی (کتاب پیدائش باب ۱۷-۲۵) حضرت اسحٰقؑ کی عمر جب آٹھ دن کی تھی تب ان کا ختنہ ہوا۔ (کتاب پیدائش باب ۲۱-۵)

حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کی حجاز کو ہجرت تعمیر بیت اللہ اور حج و قربانی کا حکم

جب حضرت اسحاقؑ کچھ بڑے ہوئے تو یہود کی روایت کے مطابق حضرت سارہ کی دشمنی اور رقابت کی بنا پر اور مسلمانوں کی روایت کے مطابق مشیتِ ایزدی کے اشارے[2] پر حضرت ابراہیمؑ، حضرت

[1] صحیح بخاری کی ایک حدیث سے جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے قدوم کے مقام پر ۸۰ سال کی عمر میں اپنا ختنہ کیا۔ [2] اللہ تعالیٰ کو بنو اسمٰعیل سے خانہ کعبہ کی خدمت لینا منظور تھی یہ مصلحت بذریعہ وحی حضرت ابراہیمؑ کو سمجھا دی گئی تھی۔

اسمعیلؑ اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو "فاران کے میدان" میں (توراۃ، کتاب پیدائش باب ۲۱: ۲۱) جس کو قرآن نے "وَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ" (سورۂ ابراہیم رکوع ۶) یعنی "بن کھیتی کی زمین" کہا ہے، پہنچا گئے اور حضرت اسمٰعیلؑ وہیں بس گئے۔ کبھی کبھی حضرت ابراہیمؑ حجاز میں حضرت اسمٰعیلؑ کے پاس جایا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد آپ وہاں تشریف لے گئے اور حضرت اسمٰعیلؑ کے ساتھ بیت اللہ تعمیر کیا (البقرہ رکوع ۱۵) دوران تعمیر میں آپ دعا کرتے جاتے تھے۔ اس دعا میں آپ نے یہ التجا بھی کی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○ (البقرہ - ۱۲۹)	اے پروردگار! ان (لوگوں) میں انہی میں سے ایک پیغمبر مبعوث کیجیو جو ان کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے اور کتاب دانائی سکھایا کرے اور ان (کے دلوں) کو پاک و صاف کیا کرے، بیشک تو غالب اور حکمت والا ہے

یہ دعائے خلیلؑ بالآخر مکہ ہی میں خاتم الانبیا، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں ظہور پذیر ہوئی۔ مولانا حالیؔ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے:

ہوئے پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیل اور نوید مسیحا

"نوید مسیحا" کا ذکر انشاء اللہ حضرت عیسیٰ مسیحؑ کے تذکرہ میں کیا جائے گا۔

تعمیر کعبہ کے بعد حج و قربانی کا حکم نازل ہوا اور حضرت ابراہیمؑ نے بحکم الٰہی اس کا اعلان فرمایا۔ سورہ حج میں ہے:

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَن لَّا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ	اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے ابراہیمؑ کے لیے خانہ کعبہ کو مقام مقرر کیا (اور ارشاد فرمایا) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کیجیو۔ اور

وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ○ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ○ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ج (الحج - ۲۶ تا ۲۸)	طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لیے میرے گھر کو صاف رکھا کرو اور لوگوں میں حج کی ندا کر دو کہ تمھاری طرف پیدل اور دُبلے دُبلے اونٹوں پر جو دور دراز رستوں سے چلے آتے ہیں (سوار ہو کر) چلے آئیں تا کہ اپنے فائدہ کے کاموں کے لیے حاضر ہوں اور (قربانی کے) ایام معلوم میں چارپایہ مویشی (کے ذبح کے وقت) جو خدا نے ان کو دیے ہیں ان پر خدا کا نام لیں ٭

چند دیگر واقعات مذکورۂ توراۃ

توراۃ کا بیان ہے کہ قوم لوطؑ کی تباہی کے بعد حضرت ابراہیمؑ جنوب کے ملک کی طرف گئے اور قادس اور شور کے درمیان ٹھہرے اور جرار میں قیام کیا (پیدائیش باب ۲۰ - ۱) جرار کے بادشاہ ابی ملک نے پہلے تو حضرت سارہ کو آپ کی بہن سمجھ کر ان پر غاصبانہ قبضہ کرنا چاہا (پیدائیش باب ۲۰ - ۲) مگر جب ان کی کرامت دیکھی تو ڈر گیا (پیدائیش باب ۲۰ - ۸) اور حضرت ابراہیمؑ کو بھیڑ، بکریاں، گائے بیل اور غلام اور کنیزیں بطور تحفہ ارسال کیں اور حضرت سارہ کو واپس کر دیا (پیدائیش باب ۲۰ - ۱۸) پھر یہ دیکھ کر کہ تائید ایزدی ہر وقت آپ کے شامل حال ہے اپنے افسران مملکت کے ساتھ آکر بیر سبع کے مقام پر آپ سے دوستی اور صلح کا عہد کیا (پیدائیش باب ۲۱ - ۳۲)

احیاءِ موتٰی کی مثال

سورۂ بقر کے رکوع ۳۵ میں حضرت ابراہیمؑ کا ایک اور واقعہ مذکور ہے اور وہ ہے احیاءِ موتٰی کی مثال۔ حضرت ابراہیمؑ نے ایک مرتبہ بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا۔

رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ط (البقرہ - ۲۶۰)	اے میرے پروردگار مجھے دکھا دے کہ تو مُردوں کو کیونکر زندہ کرے گا؟

ارشاد ہوا کہ ابراہیمؑ!

وَلَمْ تُؤْمِنْ ط (البقرہ - ۲۶۰)

کیا تم نے (اس بات کو) باور نہیں کیا؟

عرض کیا:-

لیٰ وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ (البقرہ - ۲۶۰)

کیوں نہیں۔ لیکن (میں دیکھنا) اس لیے (چاہتا ہوں) کہ میرا دل اطمینان کامل حاصل کرلے۔

یعنی یقین تو ہے صرف عین الیقین کا خواستگار ہوں جس کے لیے مشاہدہ کی ضرورت ہے۔

ارشاد ہوا:

نْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ يْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ نْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ عْيًا ط وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (البقرہ - ۲۶۰)

چار پرند پکڑ کر اپنے پاس منگا لو اور ان کو اپنے ساتھ ہلا لو پھر ہر پہاڑ پر ان کے بدن کا ایک ٹکڑا رکھ دو پھر ان کو بلاؤ، وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے اور جان رکھو کہ بے شک خدا غالب (اور) حکمت والا ہے۔

چنانچہ حسب ارشاد الٰہی حضرت ابراہیمؑ چار پرندے لائے ہمارے مفسرین نے بتایا ہے کہ ان یں ایک مور ایک مرغ، ایک کوا اور ایک کبوتر تھا۔ ان چاروں کو آپ نے اپنے ساتھ ہلا لیا تاکہ پہچان ہے اور بلانے سے پاس آنے لگیں، پھر چاروں کو ذبح کر کے ایک پہاڑ پر چاروں کے سر رکھے، ایک پر پر، ایک پر دھڑ، اور ایک پر پاؤں۔ پھر آپ نے درمیان میں کھڑے ہو کر ایک کو آواز دی اس کا سر اڑ کر ہوا میں اٹھ کھڑا ہو، پھر دھڑ ملا، پھر پر لگے اور پھر پاؤں اور وہ دوڑتا ہوا آپ کے پاس چلا آیا۔ اسی طرح ایک ایک کر کے چاروں جانور دوڑ کر آپ کے پاس آ گئے۔

یہ گویا مشاہدہ تھا اس امر کا کہ مرنے کے بعد انسان کے جسم کے اجزا کتنے ہی منتشر کیوں نہ ہو جائیں جب صور پھونکا جائے گا اور قیامت برپا ہو گی تو وہ سب منتشر اجزا مجتمع ہو کر دوڑتے ہوئے خدا کے حضور میں حاضر ہو جائیں گے۔ خدا ہر بات پر قادر ہے چونکہ وہ زبردست قدرت والا (عزیز) اور بڑا صاحب

حکمت (حکیم) ہے۔

حضرت سارہ کا انتقال اور حضرت قطورا سے شادی

حضرت سارہ نے کنعان میں ۱۲۷ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے ہیں قریت اربع میں جس کو جبرون بھی کہتے ہیں قبیلۂ بنی حت سے چار سو مثقال چاندی کے عوض ایک قبرستان خرید کر ان کو دفن کیا (توراۃ۔ کتاب پیدائش باب ۲۳) خاص قبر کا مقام توراۃ میں یہ بتایا گیا ہے:

"ابرہام نے اپنی بیوی سارہ کو مکفیلہ کے کھیت کے غار میں جو ملک کنعان میں ممرے یعنی حبرون کے سامنے ہے دفن کیا" (کتاب پیدائش باب ۲۳-۱۹)

اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۱۳۷ سال تھی۔ حضرت سارہ کے انتقال کے بعد حضرت ابراہیمؑ کی تیسری شادی حضرت قطورا سے ہوئی[۱]۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا سلسلہ نسب ان ہی سے ملتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کا انتقال

حضرت سارہ کے انتقال کے بعد آپ ۳۸ سال تک اور حیات رہے بالآخر ۱۷۵ سال کی عمر میں جب آپ بہت بوڑھے اور ضعیف ہو گئے تھے آپ کا وصال ہوا اور آپ مکفیلہ کے کھیت کے اسی غار میں دفن ہوئے جس میں حضرت سارہ دفن ہوئی تھیں دفن میں حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ دونوں شامل تھے (توراۃ۔ کتاب پیدائش باب ۲۵-۷ تا ۱۰)

دنیاوی جاہ و حشمت

توراۃ کے بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ دنیاوی اعتبار سے بھی حضرت ابراہیمؑ نہایت متمول تھے۔ حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کا تعلق جس دور سے ہے اس کو عمرانی اور معاشی تاریخ میں "چوپانی" یا "گلہ بانی" کا دور کہتے ہیں۔ اس وقت کی سب سے بڑی دولت مویشی تھے۔ لوگ مویشی پالا کرتے تھے اور خیموں میں رہتے تھے۔ جب ایک چراگاہ ختم ہو جاتی تو دوسری چراگاہ کی تلاش میں آگے بڑھ جاتے۔ حضرت ابراہیمؑ کے پاس اس دولت کی بے حد فراوانی تھی۔ توراۃ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر مصر کے بعد جب آپ کنعان واپس آئے تو آپ کے اور حضرت لوطؑ کے مویشیوں کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ وہاں کی چراگاہیں دونوں کے گلوں کے لیے کافی نہ تھیں چنانچہ

---

[۱] توراۃ۔ کتاب پیدائش باب ۲۵-۱

آپ نے حضرت لوطؑ کو سدوم کی طرف بھیج دیا تھا۔ توراۃ میں ہے:۔

"اور لوطؑ کے پاس بھی جو ابرہام کا ہم سفر تھا بھیڑ، بکریاں، گائے بیل اور ڈیرے تھے۔ اس ملک میں اتنی گنجائش نہ تھی کہ وہ اکھٹے رہیں کیونکہ ان کے پاس اتنا مال تھا کہ وہ اکھٹے نہیں رہ سکتے تھے"۔ [1]

آپ کے ملازم نے، جس کو آپ نے حضرت اسحاقؑ کی شادی کا پیام دے کر اپنے بھائی نحور کے پاس فدان ارام بھیجا تھا، جو گفتگو نحور کے بیٹے بتوایل سے کی تھی اور جو توراۃ کے صفحات میں محفوظ ہے، اس سے بھی آپ کی دنیاوی جاہ و حشمت اور مال و دولت کا اندازہ ہوتا ہے۔ توراۃ میں ہے :

"تب اس نے کہا کہ میں ابرہام کا نوکر ہوں اور خداوند نے میرے آقا کو بڑی برکت دی ہے اور وہ بہت بڑا آدمی ہو گیا ہے اور اس نے اسے بھیڑ بکریاں اور گائے بیل اور سونا چاندی اور لونڈیاں اور غلام اور اونٹ اور گدھے بخشے ہیں" [2]

دینی عظمت و فضائل

حضرت ابراہیم علیہ السلام نہایت بلند اور عظیم المرتبت پیغمبر تھے۔ آپ نہایت خلیق، رحم دل، بردبار، متواضع، جہاں نواز، خداترس اور خداشناس تھے۔ آپ کی محبت الٰہی کا یہ عالم تھا کہ آپ نے دنیا کی ہر عزیز سے عزیز اور قیمتی سے قیمتی شے کو محبت الٰہی پر قربان کر دیا۔ پہلے وطن و خاندان کو اللہ کے لیے ترک کر کے کھڑے ہو گئے۔ یہ پہلا امتحان تھا، دوسرے امتحان میں خود اپنی جان کی بازی لگا دی اور اللہ کا نام لے کر آتش نمرود میں کود پڑے۔ پھر تیسری آزمائش ہوئی اور اپنی عزیز بیوی اور اس بیٹے کو جو ایک عمر کی تمناؤں اور دعاؤں کے بعد پیدا ہوا تھا سینکڑوں میل دور ایک بے برگ و گیاہ اور سنسان ویران میدان میں اللہ کے حوالے کر آئے۔ اور ان سب سے بڑھ کر اور سب سے زیادہ سخت وہ آزمائش تھی جب اللہ کی مشیت کا اشارہ پا کر بڑھاپے کے سہارے اور عزیز از جان اکلوتے بیٹے کے گلے پر اللہ کا نام لیکر خود چھری چلادی۔ اللہ تعالیٰ نے بھی پھر آپ کو اسی طرح نوازا، آپ آنے والی نسلوں اور قوموں کے لیے نمونہ قرار دیے گئے۔ امتوں کے پیشوا بنائے گئے۔ قیامت تک کے لیے کتاب

---

[1] توراۃ۔ کتاب پیدائش۔ باب ۱۳۔ ۶۔ [2] توراۃ۔ کتاب پیدائش باب ۲۴۔ ۳۴ و ۳۵۔

نبوت کو صرف آپ کی اولاد و نسل کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ انتوں اور قوموں کو آپ کے طریقہ کی پیروی کا حکم دیا گیا یہاں تک کہ سردار انبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آپ ہی کے دین و شریعت کے احیاء کے لیے مبعوث فرمائے گئے۔ شب معراج میں حضور رسالت مآب ساتویں آسمان پر آپ سے ملے تھے[1]

قرآن مجید میں آپ کے فضائل بکثرت مذکور ہوتے ہیں۔ ہم ان میں سے چند مقامات نقل کرتے ہیں، سورۂ بقر میں ہے :

وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ إِبْرٰهِمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَإِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (البقر - ۱۳۰)

اور ابراہیمؑ کے دین سے کون روگردانی کر سکتا ہے بجز اس کے جو نہایت نادان ہو، ہم نے ان کو دنیا میں بھی منتخب کیا تھا اور آخرت میں بھی وہ (زمرۂ) صلحاء میں ہوں گے۔

سورۂ توبہ میں ہے :-

إِنَّ إِبْرٰهِيْمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ۝ (التوبہ - ۱۱۴)

بے شک ابراہیمؑ بڑے نرم دل اور متحمل (مزاج) تھے۔

سورۂ ہود میں ہے :-

إِنَّ إِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ أَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ۝ (ہود - ۷۵)

بے شک ابراہیمؑ بڑے تحمل والے، نرم دل اور رجوع کرنے والے تھے۔

سورۂ نحل میں ہے :-

إِنَّ إِبْرٰهِيْمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ

بے شک ابراہیمؑ (لوگوں کے) امام (اور) خدا کے فرمانبردار تھے جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے اس کی نعمتوں کے
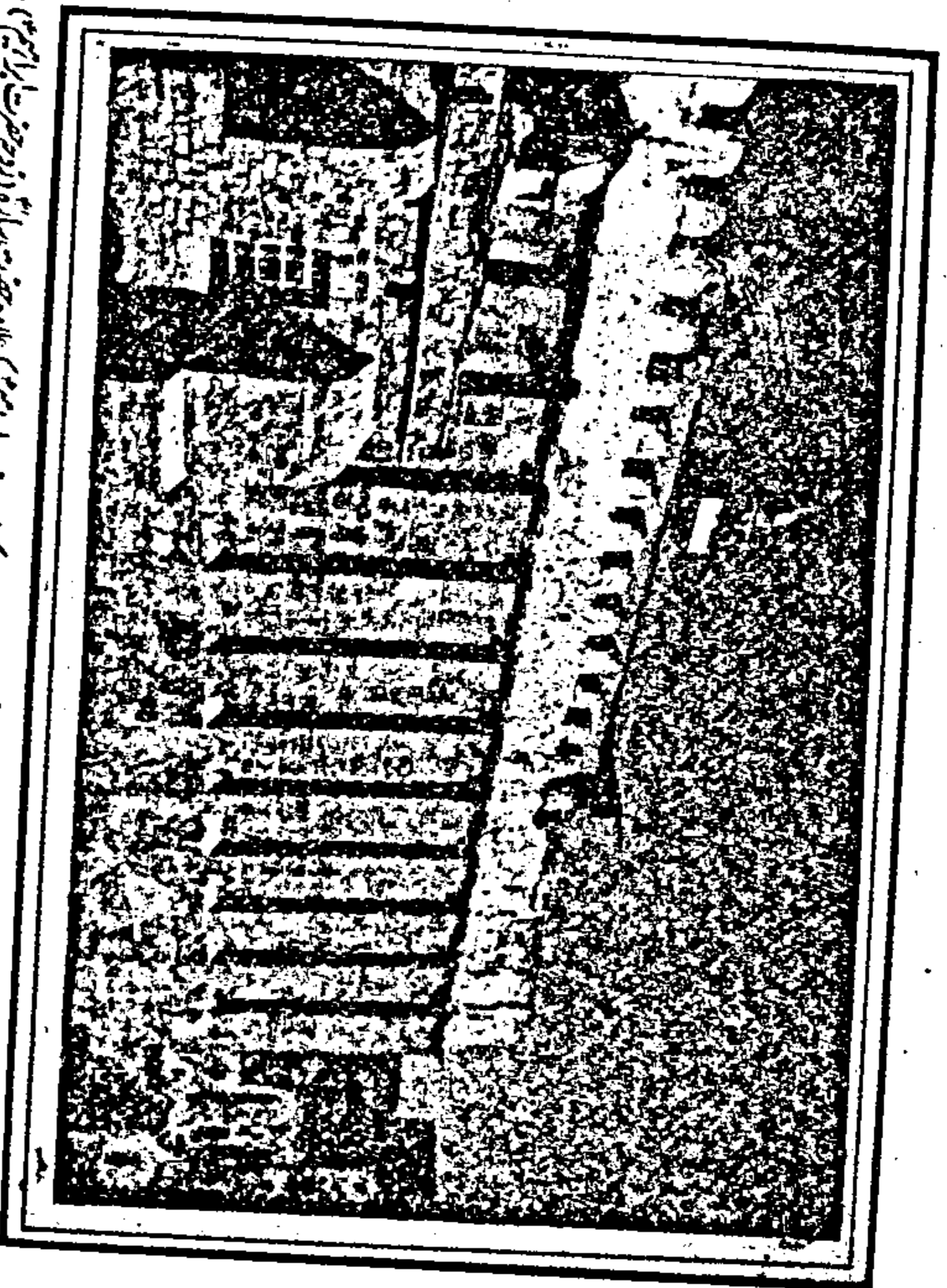
[1] صحیح بخاری

مزار مقدس حضرت ابراہیم علیہ السلام (حبرون) اس متبرک چہار دیواری کے اندر حضرت ابراہیمؑ کے علاوہ حضرت سارہؓ (زوجہ حضرت ابراہیمؑ)، حضرت اسحٰقؑ، جناب ربقہؓ (زوجہ حضرت اسحٰقؑ) حضرت یعقوبؑ اور جناب لیاہؓ (زوجہ حضرت یعقوبؑ) کے مزارات ہیں۔
(سفارت مملکت اردن کراچی کے شکریہ کے ساتھ)

حواله صفحه نمبر ۲۲٦
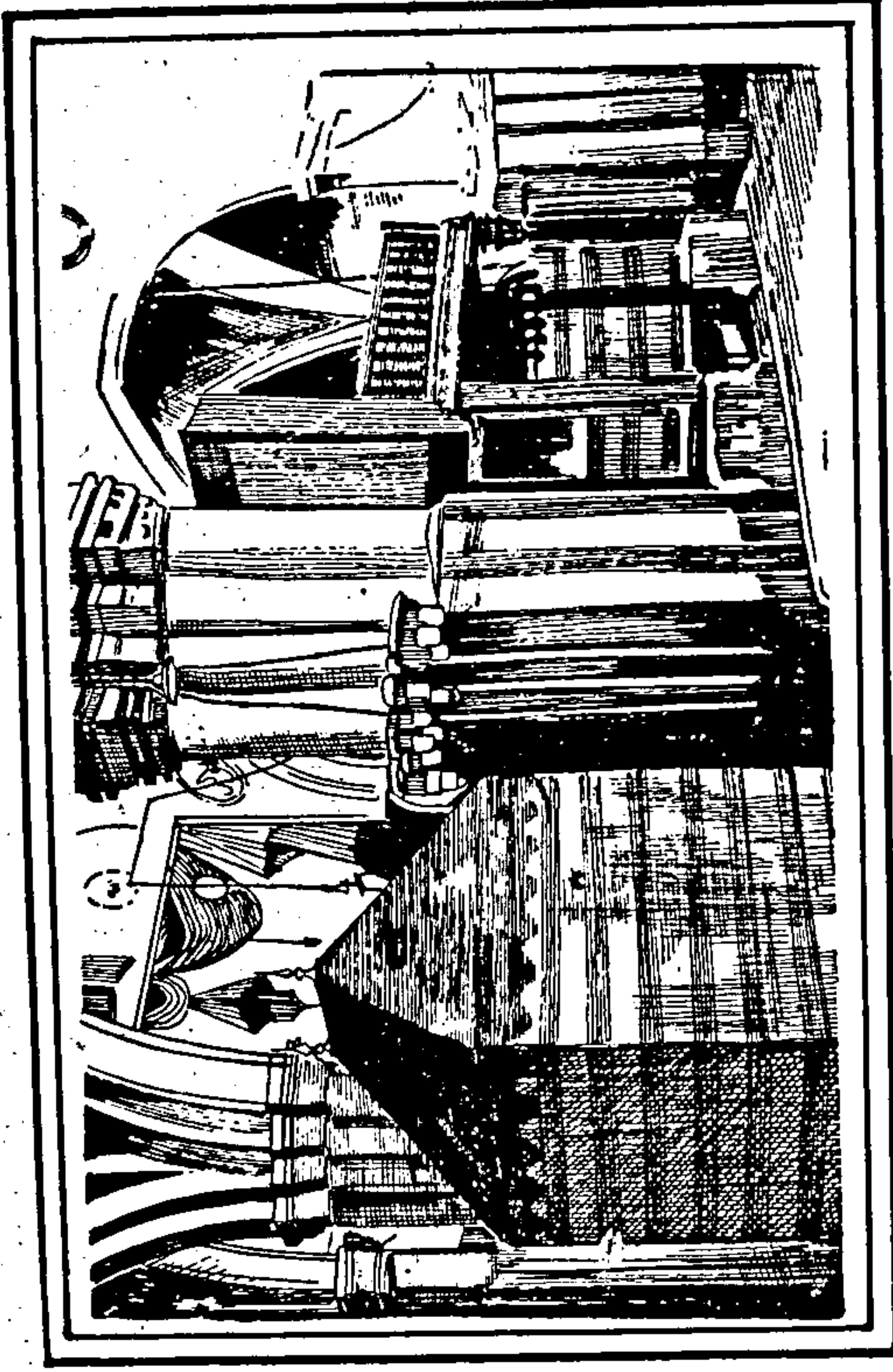
حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحٰقؑ اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے مزارات کا اندرونی منظر یہیں جناب سارہؓ (زوجہ حضرت ابراہیمؑ) جناب ربقہؓ (زوجہ حضرت اسحٰقؑ) اور جناب لیاہؓ (زوجہ حضرت یعقوبؑ) کے مزارات بھی ہیں۔

حوالہ صفحہ نمبر ۲۲۹۔

إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ وَآتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝
(النحل ۱۲۰ تا ۱۲۲)

شکر گذار تھے۔ خدا نے ان کو برگزیدہ کیا تھا اور (اپنی) سیدھی راہ پر چلایا تھا اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی خوبی دی تھی اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے۔

سورۂ مریم میں ہے

وَوَهَبْنَا لَهُم مِّن رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۝ (مریم-۵۰)

اور ان کو اپنی رحمت سے (بہت سی چیزیں) عنایت کیں اور ان کا ذکر جمیل بلند کیا۔

سورہ انبیاء میں حضرت ابراہیمؑ حضرت اسحٰقؑ اور حضرت یعقوبؑ کا نام لینے کے بعد ارشاد ہے:

وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ ۖ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ ۝ (الانبیاء ۷۳)

اور ان کو پیشوا بنایا کہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ان کو نیک کام کرنے اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم بھیجا اور وہ ہماری عبادت کیا کرتے تھے۔

سورۂ عنکبوت میں ہے:

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ وَآتَيْنَاهُ أَجْرَهُ فِي الدُّنْيَا ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝
(عنکبوت ۲۷)

اور ہم نے ان کو اسحاقؑ اور یعقوبؑ بخشے اور ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب (مقرر) کردی اور ان کو دنیا میں بھی ان کا صلہ عنایت کیا اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہونگے

سورۂ صافات میں ہے

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۝ سَلَامٌ

اور پیچھے آنے والوں میں ابراہیمؑ کا (ذکر خیر)

عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۔ (صافات ۱۰۸ تا ۱۱۰)

باقی چھوڑ دیا، ابراہیمؑ پر سلام ہو نیکوکاروں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔

سورہ ممتحنہ میں ہے :

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ (الممتحنہ ۴)

اور تمہارے لیے عمدہ نمونہ ہے ابراہیم کا۔

ملتِ حنیف

ملتِ ابراہیمی ہی ملتِ حنیف ہے۔ حنیفیت یا ملتِ حنیف کے معنی میں ہمارے مفسرین اور شراح مختلف البیان ہیں۔ علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں :

"ہمارے مفسرین کو اس باب میں اس لیے تزلزل ہے کہ لفظ "حنیف" کی لغوی تحقیق میں انھوں نے قرآن مجید سے اعانت نہیں لی۔ "حنیف"، "حنف" سے مشتق ہے، حنف کے معنی ہٹنے اور ٹیڑھے ہونے کے ہیں حالانکہ یہ مذہب حق ہے اس لیے سیدھے ہونے کے ہونے چاہئیں، .... اہل عرب کے نزدیک "حنیف" حضرت ابراہیمؑ کا لقب تھا اس لیے ان کے مذہب کا نام "ملت حنیف" انھوں نے رکھا، ...."

حنیف، حنف سے مشتق ہے، عربی میں اس کے معنی مڑنے اور جھکنے کے ہیں اس لیے حنیف (وہ شخص جو ایک طرف سے جھک کر اور مڑ کر دوسری طرف جائے) یہ لفظ اچھے اور بُرے معنوں میں استعمال ہو سکتا ہے (لسان العرب) اگر یہ فرض کیا جائے کہ اس نے اچھی بات کو چھوڑ کر بُری بات اختیار کی تو حنیف کے وہ معنی ہو سکتے ہیں جس میں عبرانی و سریانی میں وہ مستعمل ہے یعنی کافر، منافق، اور اگر یہ سمجھا جائے کہ بُرے کام کو ترک کر کے اس نے کوئی اچھا کام پسند کیا ہے تو اس کا وہ مفہوم ہوگا جس میں اہل عرب اس کو بولتے ہیں یعنی دیندار اور خدا پرست اسی بنا پر اس لفظ کے اچھے یا بُرے مفہوم کی تعیین موقع استعمال اور حرف صلہ سے

ہو گی۔ اصل میں اس کا ابتدائی استعمال "لِلّٰہِ" یا "لِلدِّیْن" کی تخصیص کے ساتھ ہوتا تھا یعنی اَلْحَنِیْفُ لِلّٰہِ (خدا کی طرف جھکنے والا) اَلْحَنِیْفُ لِلدِّیْن (اچھے مذہب کی طرف جھکنے والا) کثرت استعمال اور زبان زدگی عام سے اس قید کی ضرورت نہ رہی اور مطلق حنیف (جھکنے والا) کے معنی "حنیف لِلّٰہ" یا "حنیف للدین" کے سمجھے جانے لگے چنانچہ قرآن مجید میں اس لفظ کا استعمال دونوں طرح ہوا ہے سورۃ حج میں ہے حُنَفَاءَ لِلّٰہِ (خدا کی طرف مڑنے والے بن کر) لیکن سورہ بیّنہ میں بغیر صلہ کے آیا ہے مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ حُنَفَاءَ (اپنے اعتقاد کو خدا کے لیے خالص کر کے مڑنے والے بن کر) یہاں حُنَفَاءَ کے معنی حُنَفَا لِلّٰہ سمجھنے چاہئیں ....

اصل یہ ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی بعثت صابئی قوم کے اندر ہوئی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ نے دلائل و عمل دونوں سے ان کے مذہب کی تردید کی، باطل پرستیوں سے سخت تنفر کیا اور خداء برحق پہ ایمان لائے اسی بنا پر انھوں نے خود یا بعد کو ان کے پیرووں نے اپنا لقب "حنیف" اختیار کیا یعنی ستارہ پرستی وغیرہ سے مڑ کر خدا پرستی کی طرف آنے والا۔ اس قول کی صحت قرآن مجید کے موقع استعمال سے ثابت ہوتی ہے .... (سورہ انعام میں) ستارہ پرستی کی تردید میں ایک ایک ستارہ کو لے کر حضرت ابراہیمؑ کا اس کی ربوبیت سے انکار کرنا جہاں قرآن میں مذکور ہے اس کے آخر میں ہے .... "میں اپنا منہ ان کی طرف سے پھیر کر اس ذاتِ پاک کی طرف جھکتا ہوں جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔"

....

یہاں پہنچ کر ہم کو ایک دقیق نکتہ کی طرف توجہ دلانا ہے معلوم ہو چکا ہے کہ "صابی" کے معنی عبری میں پاک وطاہر کے ہیں لیکن عربی میں کا فر کو کہتے ہیں، حنیف کا حال اس کے بالکل ضد ہے، عبرانی و آرامی میں کافر و منافق کے ہم معنی اور عربی میں دیندار و موحد کے مرادف ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں لفظ مقابل کے فرقوں کے نام ہیں اور ان کے اچھے اور برے مفہوم صرف مذہبی اتحاد و مخالفت پر مبنی ہیں، یہی سبب ہے کہ مسلمان خود اپنے آپ کو "حنفاء" کہتے تھے لیکن کفار ان کو تعصب سے "صباۃ" (صابی کی جمع) کا لقب دیتے تھے .....

قرآن مجید کی آیتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ مذہب در اصل حضرت ابراہیمؑ کا تھا اور انہی کی یادگار کے طور پر ان کی نیک دل اولاد میں اس کا کسی قدر حصّہ باقی رہ گیا .... اسلام اس سچے مذہب کا داعی ہے جو .... پچھلی آمیزشوں سے پاک ہے"[1]

کیا حضرت ابراہیمؑ صاحب کتاب تھے؟

حضرت ابراہیمؑ ابو الانبیاء ہیں، آپ ہی کا طریقہ آنے والے انبیاء کرام کا دستور العمل رہا ہے اور دین حنیف کی ابتداء بھی آپ ہی سے ہوتی ہے، کیا ایسے جلیل القدر اور عظیم الشان پیمبر کو کوئی کتاب عطا نہیں ہوئی؟ یا آپ پر بھی توراۃ، زبور، انجیل یا قرآن کی طرح کوئی کتاب یا صحیفہ نازل ہوا تھا؟ توراۃ اس باب میں خاموش ہے، تاریخ سے بھی اس کا کوئی پتہ نہیں چلتا، مگر قرآن اس کا جواب اثبات میں دیتا ہے، سورہ اعلیٰ میں ہے :

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۙ وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ؕ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۙ وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ؕ اِنَّ	بے شک وہ مراد کو پہنچ گیا، جو پاک ہوا اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا، مگر تم لوگ تو دنیا کی زندگی کو اختیار کرتے ہو، حالانکہ آخرت بہت بہتر

[1] ارض القرآن جلد دوم مولفہ سید سلیمان ندوی باب "قرآن مجید اور مذاہب عرب قبل اسلام" صفحہ ۲۱۶ تا ۲۲۱۔

هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُوْلٰى ۝ صُحُفِ إِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ۝ (اعلیٰ ۱۴ تا ۱۹)

اور پائندہ تر ہے، یہی بات پہلے صحیفوں میں (مرقوم) ہے (یعنی) ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کے صحیفوں میں۔

اس سے ثابت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ بھی صاحب کتاب تھے اور دوسری آسمانی کتابوں کی طرح آپ کی کتاب دین اور شریعت کے اصولوں پر مشتمل تھی گو آج اس کا وجود (یا کم از کم اس کے وجود کا علم) نہیں ہے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ آپ پر دس صحیفے نازل ہوئے تھے۔

حضرت ابراہیمؑ کی شخصیت

حضرت ابراہیمؑ "ابوالانبیا" ہیں اور یہود، نصاریٰ اور مسلمان بالاتفاق آپکو مانتے اور آپ پر ایمان رکھتے ہیں، جہاں تک آپ کی شخصیت کا سوال ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ غالباً دنیا میں کوئی دوسری شخصیت اس قدر پر عظمت اور مستقبل پر اس قدر گہرا اثر ڈالنے والی نہیں گذری، مشہور جرمن فاضل اے، جیرمیا (A JEREMIAS) لکھتے ہیں:

"..it is no longer a matter of argument that behind the biblical Abraham an eminent historical personality is manifest, a prophetic leader equal in stature to Mohammad, as the prophet of Islam.
(Das Alte Testament, p. 289).

...... اب یہ بات دلیل و حجت کی محتاج نہیں ہے کہ توراۃ کے مذکورہ حضرت ابراہیمؑ کے پردہ میں ایک زبردست تاریخی شخصیت جلوہ فرما ہے، ایک پیغمبرانہ ہادی جو اپنی عظمت میں اتنا ہی بلند معلوم ہوتا ہے جتنے کہ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم

("عہد نامہ قدیم" صفحہ ۲۸۹)

وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ (العنکبوت ع ۳)
اور ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب (مقرر) کر دی

آلِ ابراہیمؑ

حضرت ابراہیمؑ کی تین بیویوں سے آٹھ بیٹے ہوئے جن سے نہایت عظیم الشان خاندان اور قومیں پیدا ہوئیں اور ان میں بڑے بڑے اولوالعزم انبیاء کرام نے ظہور کیا۔

۱۔ بنی سارہ حضرت سارہ (SERAH) سے حضرت اسحٰقؑ ISAAC پیدا ہوئے حضرت اسحٰقؑ کے دو بیٹے تھے (۱) عیسو (ESAU) جن کا لقب ادوم تھا اور (۲) حضرت یعقوبؑ (JACOB) جن کا لقب اسرائیل تھا۔ ان سے دو زبردست قبیلوں بنی ادوم اور بنی اسرائیل کی ابتداء ہوئی۔ بنی ادوم میں حضرت ایوب علیہ السلام JOB کا ظہور ہوا اور بنی اسرائیل میں بڑے بڑے اولوالعزم پیغمبر پیدا ہوئے مثلاً حضرت یوسفؑ (JOSEPH)، حضرت موسٰیؑ (MOSES) حضرت ہارونؑ (AARON) حضرت داؤدؑ (DAVID) حضرت سلیمانؑ (SOLOMON) اور حضرت عیسٰی مسیحؑ (JESUSCHRIST)

۲۔ بنی ہاجرہ حضرت ہاجرہ (HAGAR) کے فرزند حضرت اسماعیلؑ (ISMAEL) تھے ان سے تاریخ میں انباط، (اصحاب الحجر) قیدار اور قریش کے شاندار دو قبیلے وجود میں آئے ہیں۔ اور ان ہی کی نسل میں خاتم الانبیاء احمد مجتبٰی محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول اجلال

۳۔ بنی قطورا حضرت قطورا[1] KETURAH کے بطن سے حضرت ابراہیمؑ کے چھ لڑکے پیدا ہوئے جن کے نام یہ ہیں (۱) زمران (ZIMURAN) (۲) یقسان (JOKSHAN) (۳) مدان (MEDAN) (۴) مدیان (MIDIAN) (۵) اسباق (ISHBAK) اور (۶) سوخ (SHUAH)

بنی قطورا میں اہل مدین اور اصحاب الایکہ آتے ہیں جن میں حضرت شعیب علیہ السلام (HOBAB or JETHRO) کا ظہور ہوا

---

[1] توراۃ۔ کتاب پیدائش باب ۲۵۔ ۲)

وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا (الانبیاء ۷۴)

اور لوطؑ کو ہم نے نبوت اور علم عطا فرمایا

حضرت لُوط علیہ السّلام (LOT)

سلسلہ نسب

حضرت لوطؑ حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے تھے اس لیے آپ کا سلسلہ نسب وہی ہے جو حضرت ابراہیمؑ کا ہے۔ ذیل کے نقشہ سے مزید وضاحت ہو جاتی ہے :

تارح TERAH

حاران HARAN — نحور NAHOR — حضرت ابراہیمؑ ABRAHAM

حضرت لوطؑ LOT

ابتدائی حالات

حضرت لوطؑ عراق کے قدیم شہر اُور UR میں پیدا ہوئے جو حضرت ابراہیمؑ کا بھی مولد ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے جب اُور سے حاران کو ہجرت کی تو آپ بھی ان کے ہمراہ ترک وطن کر کے حاران چلے گئے اور وہیں حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ سکونت پذیر ہو گئے۔ جب وہاں قحط پڑا اور حضرت ابراہیمؑ نے مصر کا سفر اختیار کیا تو آپ بھی ان کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مصر سے واپسی پر آپ منصب نبوت پر فائز ہوئے۔ حضرت ابراہیمؑ نے آپ کو سدوم (Sodom) کے شہر میں بھیج دیا جو بحر میت (Dead Sea) کے کنارے دریاے یردن کی وادی میں واقع تھا۔ (توراۃ۔ کتاب پیدائش باب ۱۹)

گرفتاری اور حضرت ابراہیمؑ کا رہائی دلانا

کچھ عرصہ کے بعد کدر لاعمر شاہ عیلام نے اپنے تین اتحادی بادشاہوں کے ساتھ سدوم اور اس کے چار اتحادی بادشاہوں کے ساتھ جنگ کی اور فتحیاب ہو کر حضرت لوطؑ کو بھی مع ان کے مال و متاع کے اسیر کر کے

لے گیا، حضرت ابراہیمؑ کو جب یہ اطلاع ملی تو آپ کے حوبہ تک جو دمشق کی بائیں جانب تھا ان کا تعقب کیا اور حضرت لوطؑ کو مع سب اسیروں کے چھڑا لیا اور بہت مال غنیمت حاصل کیا (توراۃ۔ کتاب پیدائش باب ۱۴)

قوم لُوط سفر مصر کے بعد جب حضرت لوطؑ حضرت ابراہیمؑ سے رخصت ہوئے تو آپ نے دریائے یردن (River Jordan) کی وادی اپنے لیے پسند فرمائی جو نہایت سرسبز و شاداب تھی۔ توراۃ کا بیان ہے:

"تب لوطؑ نے آنکھ اٹھا کر یردن کی ترائی پر جو ضُغر (Zoar) کی طرف ہے نظر دوڑائی کیونکہ وہ اس سے پیشتر کہ خداوند نے سدوم اور عمورہ کو تباہ کیا خداوند کے باغ اور مصر کے ملک کے مانند خوب سیراب تھی۔ سو لوطؑ نے یردن کی ساری ترائی کو اپنے لیے چُن لیا" [1]

یہاں اس وقت جو قوم آباد تھی وہ اپنی بدکرداری اور ناشائستہ حرکات کی بنا پر آج بھی دنیا میں مشہور ہے یہ شہوانی گمراہی اور اغلام پرستی کی مرتکب تھی، یہی وجہ ہے کہ آج لوطی کا مطلب امرد پرستی اور لواطہ کا مطلب اغلام ہو گیا ہے اور یہ غیر فطری اور اخلاق سوز حرکت اس قوم میں شخصی اور انفرادی حدود سے بڑھ کر قومی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔

اس بستی کے متعلق قرآن مجید کا ارشاد ہے:

قَرْيَةِ الَّتِي كَانَت تَّعْمَلُ الْخَبَائِثَ ط (الانبیاء ۷۴)	بستی جہاں کے لوگ گندے کام کیا کرتے تھے۔

اور اس قوم کے متعلق قرآن کریم کا فیصلہ ہے کہ

إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَاسِقِينَ ۝ (الانبیاء ۷۴)	وہ بُرے اور بدکردار لوگ تھے

دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے:

---

[1] توراۃ، کتاب پیدائش باب ۱۳ - ۱۰)

وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ط (ھود-۷۸)	اور یہ لوگ پہلے ہی سے فعلِ شنیع کیا کرتے تھے۔

توراۃ کا بیان ہے:

"اور سدوم کے لوگ خداوند کی نظر میں نہایت بدکردار اور گنہ گار تھے" ۔[۱]

اور ان کی بدکرداری اور گنہ گاری یہی شہوانیت کی بے راہ روی اور غیر فطری اعمال کا ارتکاب تھا۔

قرآن کریم حضرت لوط علیہ السلام کی زبانی بیان کرتا ہے:

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ط بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ○ (اعراف ۸۱)	تم تو عورتوں کو چھوڑ کر شہوت کے مارے مردوں پر دوڑتے ہو، حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ حد سے گذر جانے والے ہو۔

دوسری جگہ حضرت لوطؑ ہی کی زبانی مذکور ہے:

اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۵ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ط (عنکبوت ۲۹)	کیا تم (لذت کے لیے) مردوں کی طرف دوڑتے ہو اور (مسافروں کی) رہزنی کرتے ہو، اور اپنی مجلسوں میں ناپسندیدہ کام کرتے ہو؟

سورہ عنکبوت کی اس آیت کے تحت، مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

"راہ مارنے سے مراد ممکن ہے ڈاکہ زنی ہو، یہ بھی ان میں رائج ہو گی یا اسی بدکاری سے مسافروں کی راہ مارتے تھے کہ ڈر کے مارے اس طرف ہو کر نہ نکلیں یا "تَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ" کا مطلب یہ ہو کہ فطری اور معتاد راستہ کو چھوڑ کر توالد و تناسل کا سلسلہ منقطع کر رہے تھے" ۔[۲]

ہمارے مفسرین کا بیان ہے کہ حضرت لوطؑ کی اُمت جن بستیوں میں آباد تھی وہ بڑی شاداب اور سرسبز تھیں۔ غیر بستیوں کے لوگ شادابی کے سبب قوم لوط کی بستیوں میں اکثر آ جایا کرتے تھے جس کی

---

[۱] توراۃ۔ کتاب پیدائش۔ باب ۱۳-۳۰ + [۲] ترجمہ قرآن مجید شیخ الہند، فوائد از مولانا شبیر احمد عثمانی صفحہ ۵۱۸۔

وجہ سے قوم لوط کو طرح طرح کی تکلیفوں اور پریشانیوں کا سامنا ہوتا تھا۔ شیطان نے ان کو بہکایا کہ غیر بستیوں سے آنے والوں میں جتنے نو عمر لڑکے ہوں ان کے ساتھ بدفعلی کی جائے تب یہ لوگ تمہاری بستیوں میں آنا چھوڑیں گے، پھر شیطان نے ایک خوب صورت لڑکا بن کر ان کو یہ بدفعلی سکھائی اور رفتہ رفتہ یہ قوم کی عادت بن گئی۔

قرآن کریم سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ دنیا میں اس غیر فطری فعل قبیح کا آغاز اسی قوم سے ہوا۔ اور یہیں سے دوسری قوموں اور ملکوں میں پھیلا، حضرت لوط، قوم کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ (اعراف۔ ۸۰، عنکبوت۔ ۲۸)

تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے بھی نہیں کیا۔

اسی بدکردار و بدبخت قوم کی ہدایت، اصلاح حال اور تزکیۂ نفس کے لیے حضرت لوط علیہ السلام مامور فرمائے گئے تھے۔

تبلیغ و تنذیر اور قوم کا ردعمل

حضرت لوط علیہ السلام نے اس گمراہ قوم کی اصلاح کی انتہائی کوشش کی اور ان کو اس فعل بد سے روکا۔ مگر بدبخت قوم نے آپ کی تکذیب کی اور مذاق اڑایا:

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ۝ (الشعراء۔ ۱۶۰)

قوم لوط نے بھی پیغمبروں کی تکذیب کی۔

حضرت لوط نے قوم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَاۤ اَسْـئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (الشعراء ۱۶۱ تا ۱۶۴)

جب ان سے ان کے بھائی لوط نے کہا کہ تم کیوں نہیں ڈرتے۔ میں تو تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں، تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو، اور میں تم سے اس (کام) کا بدلہ نہیں مانگتا۔ میرا بدلہ (خدائے) رب العالمین کے ذمہ ہے۔

یعنی آپ نے قوم پر یہ بات واضح کر دی کہ میں تم تک خدا کا پیغام پہنچا رہا ہوں اور تمہارے اعمالِ بد کے عواقب اور نتائج سے تمہیں ڈراتا ہوں تاکہ تم خدا کا خوف کرو اور ہدایت اختیار کرو۔ اس وعظ و نصیحت سے میرا مقصد دنیاوی نام و نمود حاصل کرنا یا مال و دولت جمع کرنا نہیں ہے اس لیے کہ نہ تم سے مجھے کوئی لالچ ہے اور نہ تم سے میں کسی چیز کا طالب ہوں، میرا بدلہ تو صرف خدا کے ذمہ ہے جس کی پیغام رسانی کا کام میرے سپرد ہوا ہے۔ اگر تم میں کچھ بھی عقل ہو تو سمجھ لو کہ ایسا شخص جس کی کوئی غرض نہ ہو اور جس کو تم سے کوئی طمع اور ہوس نہ ہو جھوٹ نہیں بولے گا۔

اس کے بعد آپ نے بار بار ان کی مخصوص گمراہی یعنی شہوت پرستی اور غیر فطری افعال کی طرف ان کو توجہ دلائی اور اس سے ان کو باز رکھنے کی کوشش کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِينَ ۝ وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُونَ ۝ (الشعراء ۱۶۵، ۱۶۶)	کیا تم اہل عالم میں سے لڑکوں پر مائل ہوتے ہو اور تمہارے پروردگار نے جو تمہارے لیے بیویاں پیدا کی ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہو، حقیقت یہ ہے کہ تم حد سے گذر جانے والے لوگ ہو۔

اس پر بجائے اس کے کہ لوگ کچھ غور و فکر کرتے یا اپنی اصلاح کی کوشش کرتے، قوم نے بگڑ کر حضرت لوطؑ کو دھمکی دی اور کہا:

قَالُوا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ ۝ (الشعراء۔ ۱۶۷)	وہ بولے، لوطؑ! اگر تم باز نہ آؤ گے تو شہر بدر کر دیے جاؤ گے

حضرت لوطؑ نے پھر نہایت واضح الفاظ میں ان کے فواحشات اور بدکرداریوں سے اپنی بیزاری کا اعلان فرمایا اور کہا:

قَالَ إِنِّي لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِينَ ۝ (الشعراء ۱۶۸)	لوطؑ نے کہا کہ میں تمہارے کام سے سخت بیزار ہوں۔

یعنی تمہاری ان دھمکیوں سے میں نہیں ڈرتا، میں تم سب کے سامنے تمہاری ان حرکتوں سے اپنی

بیزاری، نفرت اور براءت کا اعلان کرتا ہوں۔

قوم نے کہا :

اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝ (اعراف۔ ۸۲)	ان لوگوں کو اپنی بستی سے نکال دو۔ یہ لوگ پاک بننا چاہتے ہیں۔

لوط علیہ السلام نے خدا کے عذاب، اس کی ہیبت اور غضب سے ڈرایا مگر بدنصیب قوم اس پر بھی نہ سنبھلی اور اس کا بھی یقین نہ کیا :

وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ۝ (القمر ۳۶)	اور (لوطؑ نے) ان کو ہماری پکڑ سے ڈرا بھی دیا تھا مگر انھوں نے ڈرانے میں شک کی

اور کہا بھی تو یہ کہا کہ اگر تم واقعی سچے نبی ہو اور واقعی سچ کہتے ہو کہ ہمارے یہ کام خراب اور مستوجب عذاب ہیں تو دیر کیا ہے وہ عذاب لے آؤ :

قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (عنکبوت ۲۹)	بولے، اگر تم سچے ہو تو اللہ کا عذاب ہم پر لے آؤ۔

حضرت لوطؑ سمجھ گئے کہ اس قوم پر عذاب آکر رہے گا کیونکہ نہ صرف اس فعل شنیع کی مرتکب اور بانی ہے بلکہ اس کے جاری رکھنے پر اس قدر اصرار ہے کہ نصیحت کرنیوالے پیغمبر کو اپنی بستی سے نکالنے پر تیار ہے اور ابنائے قوم کی فطرت اور طبائع اس قدر مسخ ہو چکی ہیں کہ خوف خدا کا کوئی شائبہ بھی دلوں میں باقی نہیں عذاب کی دھمکیوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور پیغمبر کے مقابلہ پر آمادہ ہیں، قوم کی ہلاکت کے یہ آثار دیکھ کر آپ نے بارگاہ رب العزت میں دُعا کی :

رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝ (الشعراء ۱۶۹)	اے میرے پروردگار مجھ کو اور میرے گھر والوں کو ان کے کاموں (کے وبال) سے نجات دے

غالباً آپ بھی، حضرت نوح علیہ السلام کی طرح، قوم کی آیندہ نسلوں کی طرف سے بھی

یوس ہو گئے تھے اور سمجھ گئے تھے کہ ان کی بھی درستی کی کوئی امید نہیں، وہ بھی انہی کے نقش قدم پر چلیں گی۔ چنانچہ اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد جس طرح حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کی ہلاکت کے لیے دعا کی تھی، حضرت لوطؑ نے بھی نصرت الٰہی سے مدد طلب کی :

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَی الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ ○ (عنکبوت - ۳۰)	(لوطؑ نے) کہا کہ اے میرے پروردگار ان شریر لوگوں کے مقابلہ میں مجھے نصرت عنایت فرما

اور پیغمبر کی دعا مقبول ہوئی :

عذاب کے لیے فرشتوں کی آمد

لوط علیہ السلام کی دعا پر فرشتوں کو اس بستی کے تباہ کرنے کا حکم ہوا۔ ہمارے مفسرین نے بتایا ہے کہ یہ فرشتے جبرائیلؑ، میکائیلؑ اور اسرافیلؑ تھے جو نہایت خوب صورت اور حسین نوجوانوں کی شکل میں نمودار ہوئے۔ یہ فرشتے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے اور ان کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی بشارت دی اور اطلاع دی کہ ہم سدوم اور اس کے گرد و نواح کی بستی کو تباہ و برباد کرنے کے لیے جا رہے ہیں کیونکہ وہاں کے لوگوں کی بدکاری اور فسق و فجور حد کو پہنچ چکا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کی فرشتوں سے جرح

حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ طبعاً نہایت نرم دل اور کریم الطبع (اَوَّاہٌ ۔ سورہ ھود - ۷۵) واقع ہوئے تھے اس لیے قوم لوط کے بارے میں فرشتوں سے جھگڑنے لگے۔ یہ "مجادلہ" توراۃ کی کتاب پیدائش کے اٹھارویں باب میں بالتفصیل مذکور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا، کیا خدا بدوں کے ساتھ نیک لوگوں کو بھی ہلاک کر دے گا ؟ ارشاد ہوا، اگر اس میں پچاس مومن بھی ہوں گے تو وہ بستی تباہ نہ کی جائے گی، حضرت ابراہیمؑ نے بار بار پوچھا کہ اچھا اگر وہاں ۴۵ یا ۴۰ یا ۳۰ یا ۲۰ یا ۱۰ مومن ہوں تب ؟ ہر بار جواب ملا، جب بھی نہیں۔ توراۃ یہاں تک بیان کر کے خاموش ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے پوچھا، اچھا اگر وہاں

ایک مومن ہو تو؟ جواب ملا تب بھی نہیں۔ اس پر حضرت ابراہیمؑ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ فِیْهَا لُوْطًا (عنکبوت - ۳۲) اس میں (کم از کم) لوطؑ تو (صاحب ایمان) ہے

فرشتوں نے جواب دیا:

قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِیْهَا ز لَنُنَجِّیَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ز كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ○ (عنکبوت ۳۲)	وہ کہنے لگے کہ جو لوگ یہاں رہتے ہیں ہمیں سب معلوم ہیں ہم ان کو اور ان کے گھر والوں کو بچالیں گے بجز ان کی بیوی کے کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں ہوگی۔

اس بحث و جرح کے ذریعہ حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام نے اپنی فطری شفقت، نرم خوئی اور رحمدلی سے اس قوم پر ترس کھا کر حق تعالیٰ کی جناب میں کچھ سفارش کرنا چاہی تھی فرشتوں نے آپ کا مقصد سمجھ کر یہ امر بھی واضح کردیا کہ اب ان ظالموں کا پیمانہ لبریز ہوچکا ہے اور مشیت الٰہی کی رُو سے اب اس قوم کا وقت پورا ہوچکا ہے۔ اب چونکہ حکم الٰہی ٹل نہیں سکتا اس لیے آپ اس بات کا خیال چھوڑ دیجیے چنانچہ سورہ ھود میں ہے:

یٰٓاِبْرٰهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ج اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ج وَ اِنَّهُمْ اٰتِیْهِمْ عَذَابٌ غَیْرُ مَرْدُوْدٍ ○ (ھود - ۷۶)	اے ابراہیمؑ! یہ خیال چھوڑ دو تمہارے پروردگار کا حکم آپہنچا ہے اور ان لوگوں پر عذاب آنے والا ہے جو کبھی نہیں ٹلنے کا

اور بالآخر حضرت ابراہیمؑ خاموش ہوگئے۔

فرشتوں کی حضرت لوطؑ کے پاس آمد اور حضرت لوطؑ کا اضطراب

فرشتے حضرت ابراہیمؑ سے رخصت ہوکر سدوم پہنچے۔ توراۃ کا بیان ہے کہ اس وقت لوطؑ سدوم کے پھاٹک کے پاس تشریف فرماتھے۔ آپ نے جو خوب صورت اجنبی نوجوانوں کو آتے دیکھا تو قوم کی بُری عادتوں کے پیش نظر ان کو اپنے

گھر چلنے اور رات بسر کرنے کی دعوت دی انھوں نے چوک ہی میں رات گزارنے کا خیال ظاہر کیا، مگر جب آپ بضد ہوئے تو آپ کے ہمراہ آپ کے گھر آگئے[1]۔ اب قوم کے خبائث اور خوئے بد کے پیش نظر نتائج و عواقب کا خیال کر کے آپ بہت پریشان اور فکرمند ہوئے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ ○ (ھود۔ ۷۷)	اور جب ہمارے فرشتے لوطؑ کے پاس آئے تو وہ ان (کے آنے) سے غمناک اور تنگ دل ہوئے اور کہنے لگے کہ آج کا دن بڑی مشکل کا دن ہے۔

ابنائے قوم کو ان حسین نوجوانوں کی آمد کی خبر ملی، وہ اپنے مقصد سیئہ کی تکمیل کا سنہری موقعہ ہاتھ سے چھوڑنے والے کب تھے۔ بے تحاشا دوڑتے ہوئے حضرت لوطؑ کے مکان پر جمع ہو گئے اور سختی کے ساتھ مہمانوں کو طلب کرنے لگے:

وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ یُهْرَعُوْنَ اِلَیْهِ (ھود۔ ۷۸)	اور ان کی قوم کے لوگ بے تحاشا دوڑتے ہوئے اُن کے پاس آئے۔

اور وہ لوگ اپنے خیال میں اس وقت بہت خوش تھے:

وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِیْنَةِ یَسْتَبْشِرُوْنَ (الحجر۔ ۶۷)	اور اہل شہر (لوطؑ کے) پاس خوش خوش آئے۔

توراۃ میں اس واقعہ کا بیان اس طرح کیا گیا ہے:

"اس سے پیشتر کہ وہ آرام کرنے کے لیے لیٹیں سدوم شہر کے مردوں نے جوان سے لیکر بڈھے تک سب لوگوں نے ہر طرف سے اس گھر کو گھیر لیا، اور انھوں نے لوط کو پکار کر اس سے کہا کہ وہ مرد جو آج تیرے یہاں آئے ہیں کہاں

---

[1] توراۃ۔ کتاب پیدائش باب ۱۹۔ ۱ تا ۳۔

ہیں ؟ ان کو ہمارے پاس باہر لے آ، تاکہ ہم ان سے صحبت کریں۔[۱]"

اس وقت ان لوگوں کی بدمستی کی مکمل تصویر قرآن مجید نے ان الفاظ میں کھینچی ہے:

لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ○ (الحجر-۷۲)	اے محمدؐ! تمہاری جان کی قسم وہ اپنی بدمستی میں مدہوش تھے۔

حضرت لوطؑ کا قوم کو آخری خطاب اور اصلاح کی آخری کوشش

حضرت لوطؑ نے پھر آخری بار اصلاح کی کوشش کی اور قوم سے تخاطب فرمایا:

قَالَ إِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِي فَلَا تَفْضَحُونِ ○ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُونِ ○ (الحجر ۶۸، ۶۹)	(لوطؑ نے) کہا کہ یہ میرے مہمان ہیں مجھے رسوا نہ کرنا اور خدا سے ڈرو اور میری بے آبروئی نہ کرو۔

قوم نے جواب دیا:

قَالُوٓا أَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِينَ ○ (الحجر-۷۰)	وہ بولے کیا ہم نے تم کو سارے جہان (کی حمایت و طرفداری) سے منع نہیں کیا۔

آپ نے پھر ارشاد فرمایا:

قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُونِ فِي ضَيْفِي ط أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيدٌ ○ (ھود-۷۸)	(لوطؑ نے) کہا اے قوم یہ میری بیٹیاں حاضر ہیں، یہ تمہارے لیے پاک ہیں تو خدا سے ڈرو اور میرے مہمانوں (کے بارے) میں مجھے رسوا نہ کرو، کیا تم میں کوئی بھی نیک چلن (اور شائستہ) آدمی نہیں ؟

قرآن مجید کی محولہ آیت میں جو "میری بیٹیوں" کے الفاظ آئے ہیں ان سے خود لوط علیہ السلام

---

[۱] توراۃ کتاب پیدائش باب ۱۹۔ ۴ و ۵۔

کی بیٹیاں بھی مراد ہوسکتی ہیں اور ان کی قوم کی بیٹیاں بھی چونکہ پیغمبر اُمت کے حق میں رُوحانی باپ کی حیثیت رکھتا ہے اور پھر آپ کا یہ فرمان کہ "یہ تمھارے لیے پاک ہیں" اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ آپ ایک ناپاک کام سے بچا کر ان کو پاک کام کی طرف بُلا رہے تھے اور آپ نے ان کو ان لڑکیوں سے شادی کی ترغیب دی تھی نہ کہ گناہ کی۔

کس قدر فرق ہے قرآن کے معجزانہ اندازِ بیان میں اور موجودہ توراۃ کی تفصیل میں، اس کا اندازہ کرنے کے لیے قرآن مجید کی آیت بالا کے ساتھ ساتھ توراۃ کے مندرجہ ذیل اقتباس کا مطالعہ کرنا چاہیے:

"تب لوطؑ نکل کر ان کے پاس دروازہ پر گیا اور اپنے پیچھے کواڑ بند کر دیا، اور کہا کہ اے بھائیو! ایسی بدی تو نہ کرو، دیکھو میری دو بیٹیاں ہیں جو مرد سے واقف نہیں، مرضی ہو تو میں ان کو تمھارے پاس لے آؤں، اور جو تم کو بھلا معلوم ہو ان سے کرو مگر ان مردوں سے کچھ نہ کہنا کیونکہ وہ اسی واسطے میری پناہ میں آئے ہیں"[1]

لیکن قوم اپنی بدمستی میں تہذیب، شرم، غیرت، ایمان، خوفِ خدا، ہر حد سے گذر چکی تھی۔ اُس نے جواب دیا:

قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ○ (ھود۔۷۹)

وہ بولے تم کو تو معلوم ہے کہ تمھاری بیٹیوں کی ہمیں کچھ حاجت نہیں اور جو ہماری غرض ہے اسے تو تم جانتے ہو۔

لوط علیہ السلام اب سخت مضطرب ہوئے۔ انتہائی پریشانی اور گھبراہٹ میں بے ساختہ ظاہری اسباب پر نظر گئی اور اضطراری طور پر آپ کے منہ سے نکلا:

قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ○ (ھود۔۸۰)

(لوطؑ نے) کہا اے کاش مجھ میں تمھارے مقابلہ کی طاقت ہوتی یا میں کسی مستحکم پناہ میں جا بیٹھتا۔

حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "يَرْحَمُ اللّٰهُ لُوْطًا لَقَدْ كَانَ يَاوِيْ

---

[1] توراۃ۔ کتاب پیدائش باب ۱۹، ۶ تا ۸

اِلٰی رُکۡنٍ شَدِیۡدٍ - خدا لوطؑ پر رحم فرمائے، بے شک وہ مضبوط اور مستحکم پناہ حاصل کر رہے تھے۔

فرشتوں کا انکشافِ حال

معاملہ اب انتہائی نزاکت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ بدمستی میں مدہوش قوم نے گستاخی اور سخت کلامی کے ساتھ ساتھ اب اس بات کا ارادہ کیا کہ حضرت لوطؑ کے مہمانوں کو زبردستی چھین لے۔ توراۃ میں ہے کہ ابنائے قوم نے حضرت لوطؑ سے کہا:

"یہاں سے ہٹ جا۔ پھر کہنے لگے کہ یہ شخص ہمارے درمیان قیام کرنے آیا تھا اور اب حکومت جتاتا ہے، سو ہم تیرے ساتھ ان سے زیادہ بدسلوکی کریں گے، تب وہ اس مرد یعنی لوطؑ پر پل پڑے اور نزدیک آئے تاکہ کواڑ توڑ ڈالیں۔ لیکن ان مردوں نے (یعنی مہمان فرشتوں نے) اپنے ہاتھ بڑھا کر لوطؑ کو اپنے پاس گھر میں کھینچ لیا اور دروازہ بند کر دیا۔ اور ان مردوں کو جو گھر کے دروازہ پر تھے کیا چھوٹے کیا بڑے، اندھا کر دیا، سو وہ دروازہ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئے"۔[1]

قرآن کی بلاغت اور معجز بیانی ملاحظہ ہو کہ اس سارے واقعہ کا تذکرہ ان مختصر الفاظ میں کرتا ہے:

وَلَقَدۡ رَاوَدُوۡهُ عَنۡ ضَيۡفِهٖ فَطَمَسۡنَاۤ اَعۡيُنَهُمۡ (القمر-۳۷)

اور ان سے ان کے مہمانوں کو لینا چاہا تو ہم نے ان کی آنکھیں مٹا دیں۔

ظاہر ہے کہ پوری قوم کی اس طرح بغاوت اور جارحانہ کارروائی سے، حضرت لوطؑ کو بہ تقاضائے بشریت خوف بھی پیدا ہوا ہوگا، غم بھی ہوا ہوگا اور پریشانی و گھبراہٹ تو انتہا کو پہنچ چکی ہوگی۔ چنانچہ اب فرشتوں نے انکشافِ حال کر دیا، اور

قَالُوۡا لَا تَخَفۡ وَلَا تَحۡزَنۡ (عنکبوت-۳۳)

فرشتوں نے کہا خوف نہ کھائیے اور غم نہ کیجیے۔

کیونکہ

یٰلُوۡطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنۡ يَّصِلُوۡۤا

اے لوطؑ! ہم آپ کے پروردگار کے فرشتے ہیں

---

[1] توراۃ - کتاب پیدائش - باب ۱۹ - ۹ تا ۱۲

اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَ لَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ۭ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ۭ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۭ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ۝ (هود - ۸۱)	یہ لوگ ہرگز آپ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ تو کچھ رات رہے اپنے گھر والوں کو لے کر چل دیجیے اور آپ میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے مگر آپ کی بیوی کہ جو آفت ان پر پڑنے والی ہے وہی اس پر پڑے گی۔ ان کے (عذاب کے) وعدہ کا وقت صبح ہے، اور کیا صبح کچھ دُور ہے؟

اور قوم جس بنا پر مستحق عذاب ٹھہری تھی وہ وجہ بھی بیان کر دی:

اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓي اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ (عنکبوت ۳۴)	ہم اس بستی کے رہنے والوں پر اس سبب سے کہ یہ بدکرداری کرتے رہے ہیں آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں۔

توراۃ کی کتاب پیدائش کے انیسویں باب میں ہے:

"تب ان مردوں (یعنی فرشتوں) نے لوطؑ سے کہا کیا یہاں تیرا کوئی اور ہے؟ داماد اور اپنے بیٹوں اور بیٹیوں اور جو کوئی تیرا اس شہر میں ہو سب کو اس مقام سے باہر نکال لیجا۔ کیونکہ ہم اس مقام کو نیست کریں گے اس لیے کہ ان کا شور خداوند کے حضور بہت بلند ہوا ہے اور خداوند نے اسے نیست کرنے کو ہمیں بھیجا ہے۔ (۱۲ تا ۱۴) .... اس نے کہا اپنی جان بچانے کو بھاگ، نہ تو پیچھے مڑ کر دیکھنا، نہ کہیں میدان میں ٹھہرنا، اس پہاڑ کو چلا جا، تا نہ ہو کہ تو ہلاک ہو جائے (۱۷)"

قرآن نے اتنی تفصیل اور بیان کی ہے کہ حضرت لوطؑ کو اپنے گھر والوں کے پیچھے چلنے کی ہدایت ہوئی تھی تاکہ ایک طرف تو آپ اپنے رفقاء کی دیکھ بھال کر سکیں اور دوسری طرف آپ کے پیچھے ہونے کی وجہ سے آگے چلنے والوں کو آپ کا رعب مانع ہو کہ پیچھے مڑ کر نہ دیکھ سکیں اور اس طرح "وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ" کا پورا امتثال ہو سکے اور وہ لوگ خطرہ کے مقام سے صحیح سلامت باہر نکل جائیں۔ سورہ حجر

میں فرشتوں کے الفاظ اس طرح نقل کیے گئے ہیں :

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ○ (الحجر-۶۵)	تو آپ کچھ رات رہے اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جائیں اور خود ان کے پیچھے چلیں اور آپ میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے اور جہاں آپ کو حکم ہو وہاں چلے جائیے ۔

نزولِ عذاب اور قوم کی ہلاکت

توراۃ میں ہے کہ حضرت لوطؑ کو گھر سے نکلنے میں دیر ہوئی تو فرشتے ان کو اور ان کے رفقاء کو ہاتھ پکڑ کر شہر کے باہر لائے اور کہا :

”جلدی کر اور وہاں چلا جا کیونکہ میں کچھ نہیں کر سکتا جب تک تو وہاں پہنچ نہ جائے ۔ اسی لیے اس شہر کا نام ضُغر پڑا ۔“

(کتاب پیدائش باب ۱۹، ۲۲)

بہر حال حضرت لوطؑ اور آپ کے رفقاء کے چلے جانے کے بعد عذاب نازل ہوا ۔ سورۂ ھود میں اس کا بیان نسبتاً مفصل ہے :

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ۙ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ (ھود-۸۳)	جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے اس بستی کو الٹ کر نیچے اوپر کر دیا اور ان پر پتھر کنکر تہ بتہ (یعنی پے درپے) برسائے جن پر تمہارے پروردگار کے یہاں سے نشان کیے ہوئے تھے ۔

ہمارے مفسرین کا بیان ہے کہ جبریل علیہ السلام نے ان بستیوں کو اٹھا کر آسمان کے قریب سے نیچے ٹپک دیا اس طرح سب بستیاں تہ و بالا ہو گئیں پھر مزید ذلت و رسوائی کے لیے کنکر اور پتھر برسائے گئے جن پر کوئی خاص علامت تھی جو ان کو عام پتھروں سے ممتاز کرتی تھی ۔ بعض مفسروں کا کہنا ہے کہ ہر پتھر پر اس سے ہلاک ہونے والے کا نام درج تھا (واللہ اعلم) شہر کی تمام بستی ہلاک ہو گئی ۔ شہر کی آبادی

سے الگ اس قوم کے جو افراد جہاں تھے وہیں پتھروں سے ہلاک ہو گئے۔ (العیاذ باللہ)

توراۃ میں ہے :

"تب خداوند نے اپنی طرف سے سدوم (Sodom) اور عمورہ GOMORRCH پر گندھک اور آگ آسمان سے برسائی، اور اس نے ان شہروں کو، اور اس ساری ترائی کو اور ان شہروں کے سب رہنے والوں کو، اور سب کچھ جو زمین سے اُگا تھا، غارت کیا"

(کتاب پیدائش باب ۱۹، ۲۴ و ۲۵)

مولانا ابوالکلام آزاد، قرآن اور توراۃ کے ان دونوں بیانوں کی تطبیق اس طرح کرتے ہیں:

"معلوم ہوتا ہے ایسی حالت پیش آئی ہوگی جیسی آتش فشاں پہاڑوں کے پھٹنے سے واقع ہوتی ہے[۱]"

حضرت ابراہیمؑ کا مشاہدۂ عذاب

اس عذاب الٰہی کا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کنعان سے جو مشاہدہ کیا تھا اس کو توراۃ اس طرح بیان کرتی ہے،

"اور ابراہامؑ صبح سویرے اٹھ کر اس جگہ گیا جہاں وہ خداوند کے حضور کھڑا ہوا تھا اور اس نے سدوم اور عمورہ اور اس ترائی کی ساری زمین کی طرف نظر کی اور کیا دیکھتا ہے کہ زمین پر سے دھواں ایسا اٹھ رہا ہے جیسے بھٹی کا دھواں[۲]"

مومنوں کی نجات

حضرت لوطؑ نے اپنے اور اپنے گھر والوں کے لیے دعا کی تھی (الشعراء - ۱۶۹) چنانچہ حضرت لوطؑ اور ان کے گھر والے بچا لیے گئے، صرف ان کی بیوی عذاب سے ہلاک ہوئی - وہاں جتنے مومن تھے وہ سب حضرت لوطؑ کے ساتھ بچا لیے گئے لیکن اس ساری بستی میں صرف یہی ایک گھرانہ مسلمانوں کا تھا،

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ | تو وہاں جتنے مومن تھے ان کو ہم نے نکال لیا -

---

[۱] ترجمان القرآن - جلد دوم صفحہ ۱۹ + [۲] کتاب پیدائش - باب ۱۹، ۲۷ و ۲۸

الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۚ (الذاریات ۳۵، ۳۶)	اور اس میں ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا۔

نزول عذاب کا وقت | توراۃ میں ہے:

"اور زمین پر دھوپ نکل چکی تھی جب لوطؑ ضغر میں داخل ہو گیا تب خداوند نے اپنی طرف سے سدوم اور عمورہ پر گندھک اور آگ آسمان سے برسائی۔" [1]

اور قرآن مجید میں جگہ جگہ نزول عذاب کے ذکر میں 'صبح' کا لفظ آیا ہے۔

سورۂ ھود میں ہے۔ فرشتے حضرت لوطؑ سے کہتے ہیں:

اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ (ھود ۸۱)	ان کے (عذاب کے) وعدے کا وقت صبح ہے۔

سورۂ حجر میں ہے:

وَقَضَيْنَا اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰۤؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ۝ (الحجر ۶۶)	(اور ہم نے ان کی (لوطؑ کی) طرف وحی بھیجی کہ ان لوگوں کی جڑ صبح ہوتے ہوتے ہی کاٹ دی جائے گی۔

سورۂ قمر میں ہے:

وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ۚ (القمر ۳۸)	اور ان پر صبح سویرے ہی اٹل عذاب آ نازل ہوا۔

ان آیات سے ثابت ہے کہ عذاب علی الصبح نازل ہوا۔

اس مشکل کو خود قرآن مجید کی ایک آیت نے حل کر دیا ہے۔ سورہ حجر میں ایک

---

[1] کتاب پیدائش، باب ۱۹: ۲۳ و ۲۴

بلکہ "مُصْبِحِیْنَ" کی بجائے "مُشْرِقِیْنَ" کا لفظ آیا ہے :

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ○	اور سورج نکلتے ہی ان کو چنگھاڑ نے آپکڑا
فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا	اور ہم نے اس (شہر) کو (الٹا کر) نیچے اوپر
عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ○ (الحجر ۳۰)	کر دیا اور ان پر کھنگر کی پتھریاں برسائیں

یہاں "مُشْرِقِیْنَ" کے لفظ سے احتمال ہوتا ہے کہ شاید مطلب یہ ہو کہ صبح ہوتے ہی عذاب شروع ہوا اور اشراق تک سب معاملہ ختم ہو گیا[۱]۔

یہاں ایک اور بات کی وضاحت کر دینا بھی ضروری ہے۔ توراۃ کی عبارت محولہ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت لوطؑ ضُغر میں دھوپ نکل آنے کے بعد داخل ہوئے اور قرآن مجید میں ہے کہ :

نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ○ (القمر ۳۴)	ہم نے ان کو پچھلی رات ہی سے بچا لیا۔

ممکن ہے صورت یہ ہو کہ حضرت لوطؑ مع اپنے رفقاء کے سدوم سے پچھلی رات کو نکل گئے ہوں اور نواح کی بستی ضُغر میں دھوپ نکلنے کے بعد داخل ہوئے ہوں۔

حضرت لوطؑ کی بیوی

حضرت نوحؑ کی بیوی کی طرح حضرت لوطؑ کی بیوی بھی منافق تھی۔ بظاہر حضرت لوطؑ کے ساتھ تعلق تھا مگر دل سے اپنی کافر قوم کی شریک حال تھی۔ حضرت لوطؑ کے متعلقین میں سے صرف یہی آپ سے علیحدہ رہی۔ ایک محترم پیغمبر کا رشتہ زوجیت بھی اس کو عذاب الٰہی سے نہ بچا سکا اور وہ دیگر معذبین کے ساتھ ہلاک ہوئی۔ ہمارے مفسرین کا بیان ہے کہ لوط علیہ السلام کے یہاں جو مہمان وغیرہ آتے ان کی اطلاع یہ ہی کیا کرتی اور ان کو بدکاری کی ترغیب دیتی تھی بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ مردوں کی طرح عورتوں میں بھی "مساحقہ" کا رواج ہو گیا تھا اور یہ عورت اس میں مبتلا تھی۔

---

[۱] اس آیت میں "صیحہ" (چنگھاڑ) کا لفظ آیا ہے ابن جریج کا قول ہے کہ ہر عذاب جس سے کوئی قوم ہلاک کی جائے "صیحہ" اور "صاعقہ" کہلاتا ہے۔

سورۂ تحریم میں ہے :

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ○

(التحریم - ۱۰)

خدا نے کافروں کے لیے نوحؑ کی بیوی اور لوطؑ کی بیوی کی مثال بیان فرمائی ہے۔ دونو ہمارے دو نیک بندوں کے گھر میں تھیں اور دونوں نے ان کی خیانت کی۔ تو وہ خدا کے مقابلہ میں ان عورتوں کے کچھ بھی کام نہ آئے اور ان کو حکم دیا گیا کہ اور داخل ہونے والوں کے ساتھ تم بھی دوزخ میں داخل ہو جاؤ

اس آیت میں حضرت نوحؑ کی بیوی اور حضرت لوطؑ کی بیوی کی "خیانت" کا ذکر ہے۔ اس سلسلہ میں مولوی فتح محمد خاں ام۔ اے جالندھری لکھتے ہیں :

"خیانت سے مراد بدکرداری نہیں ہے کیونکہ کسی پیغمبر کی بی بی سے یہ حرکت صادر نہیں ہوئی۔ یہ خیانت دوسری باتیں ہیں جو ان کے شایان شان نہ تھیں، حضرت نوحؑ کی بیوی کی خیانت تو یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ لوگوں سے کہا کرتی تھی کہ نوحؑ دیوانہ ہے اور حضرت لوطؑ کی بیوی کی خیانت یہ ہے کہ جو مہمان ان کے یہاں آتا وہ لوگوں کو بتا دیتی تھی اور لوط علیہ السلام کو یہ بات منظور نہ تھی"۔ [۱]

اس کے انجام پر قرآن مجید نے یہ اطلاع دی ہے کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں ہو گئی اور دیگر معذبین کے ساتھ وہ بھی عذاب الٰہی سے ہلاک ہوئی اور پھر دوزخ میں ڈال دی گئی توراۃ کا بیان ہے کہ

"مگر اس کی بیوی نے اس کے پیچھے مڑ کر دیکھا اور وہ نمک کا ستون بن گئی"۔ [۲]

---

[۱] فتح الحمید ترجمہ قرآن مجید مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ صفحہ ۱۱۴۲۔ حاشیہ [۲] کتاب پیدائش باب ۱۹۔ ۲۶)

حضرت لوطؑ پر توراۃ کا شرمناک اتہام اور قرآن کا اعلانِ براءت

توراۃ کا بیان ہے کہ

"ضُغر[1] سے نکل کر لوطؑ پہاڑ پر جا بسا" (کتاب پیدائش باب ۱۹ - ۳۰)

اور اپنی دو بیٹیوں کے ساتھ غار میں رہنے لگے۔ یہاں توراۃ نے حضرت لوطؑ کو ان کی بیٹیوں کے ساتھ متہم کیا ہے (کتاب پیدائش باب ۱۹ ۳۱ تا ۳۸) عصمتِ پیغمبری کا احترام اس ناپاک الزام کی نقل سے مانع ہے:

قرآن اس اتہام سے آپ کی براءت کا اعلان ان تعریفی الفاظ میں کرتا ہے:

وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ۙ وَ اَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۞ (الانبیاء ۷۴، ۷۵)	اور لوطؑ کو ہم نے حکم (یعنی حکمت و نبوت) اور علم بخشا اور اس بستی سے جہاں کے لوگ گندے کام کیا کرتے تھے بچا نکالا۔ بے شک وہ بُرے اور بدکردار لوگ تھے، اور ان کو ہم نے اپنی رحمت میں داخل کیا، بے شک وہ نیک کرداروں میں تھے۔

یہاں خاص طور پر یہ امر قابلِ غور ہے کہ بدکردار قوم کی گندگی کے مقابلہ میں آپ کی نیک کرداری کا اعلان کیا گیا ہے اور ان پر مخصوص رحمتوں کے نزول کا ذکر ہے۔

سورہ انعام میں چند دوسرے انبیائے عظام کے ساتھ آپ کا نام آیا ہے اور ان کے ساتھ تمام جہان کے لوگوں پر آپ کی بھی فضیلت اور بزرگی کا اعلان فرمایا گیا ہے:

وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۞ (الانعام ۸۶)	اور اسمٰعیلؑ اور الیسعؑ اور لوطؑ۔ اور ان سب کو جہان کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی۔

اسی کے کچھ ہی آگے مزید تصریح اور تاکید ہے۔

---

[1] توراۃ کے بیان کے مطابق رات کے وقت حضرت لوطؑ مع اپنے رفقاء کے سدوم سے نکل کر قریب کی چھوٹی سی بستی ضُغر میں پناہ گزین ہو گئے تھے اور اسی وجہ سے ضُغر کی بستی ہلاک کرنے سے چھوڑ دی گئی تھی۔

وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (الانعام-۸۸) | اور ان کو برگزیدہ بھی کیا تھا اور سیدھا راستہ بھی دکھایا تھا۔

مولانا شبیر احمد عثمانی تحریر فرماتے ہیں:

"موجودہ بائیبل کے جمع کرنے والوں کی شرمناک جسارت پر ماتم کرنا پڑتا ہے کہ ایسے پاکباز اور معصوم پیغمبر کی نسبت جو دنیا کو بے حیائی اور گندگی سے پاک کرنے کے لیے آیا تھا ایسی سخت ناپاک حرکات منسوب کیں جن کے سننے سے حیادار آدمی کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا" [1]

حضرت لوطؑ کا زمانہ حضرت لوطؑ، حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے اور ہمعصر تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ کی تصریح اوپر پیش کی جا چکی ہے وہی زمانہ حضرت لوطؑ کا سمجھنا چاہیے۔

قوم کی تباہی کے بعد آپ کی زندگی کے حالات معلوم نہیں چونکہ ان کا ذکر نہ قرآن نے کیا ہے اور نہ توراۃ نے۔ آپ کی عمر اور تاریخ پیدائش و وفات بھی توراۃ میں مذکور نہیں۔

حضرت لوطؑ کی اولاد توراۃ کی کتاب پیدائش کے باب ۱۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت لوطؑ کی دو بیٹیاں اور دو بیٹے تھے۔ بیٹیوں کے نام مذکور نہیں ہیں۔ بیٹوں کے نام یہ تھے (۱) موآب اور (۲) عمون (کتاب پیدائش باب ۱۹-۳۶)

ہلاک شدہ بستی کے باقی ماندہ اثرات قوم لوطؑ کی ہلاک شدہ بستیوں کے نشانات اللہ تعالیٰ نے دنیا کی عبرت کے لیے چھوڑ دیے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک تک باقی تھے اور اس مشہور تجارتی شاہراہ پر واقع تھے جو حجاز سے شام جاتے ہوئے عربوں کی راہگذر تھی۔ اس وجہ سے عرب ان سے واقف تھے۔

یہی سبب ہے کہ سورۂ ہود میں ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ۝ (هود-۸۳) | اور وہ بستی ان ظالموں سے کچھ دور نہیں۔

سورۂ حجر میں ہے:

---

[1] ترجمہ قرآن مجید شیخ الہند فوائد صفحہ ۲۰۷

وَإِنَّهَا لَبِسَبِيلٍ مُّقِيمٍ ۝ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝ (الحجر - ۷۷)

اور وہ (بستی) اب تک سیدھے راستے پر موجود ہے بیشک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے نشانی ہے۔

سورۂ عنکبوت میں ہے:

وَلَقَد تَّرَكْنَا مِنْهَا آيَةً بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ (العنکبوت ۳۵)

اور ہم نے سمجھنے والوں کے لیے اس بستی میں ایک کھلی نشانی چھوڑ دی۔

سورۂ صافات میں ہے:

وَإِنَّكُمْ لَتَمُرُّونَ عَلَيْهِم مُّصْبِحِينَ ۝ وَبِاللَّيْلِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ (صافات ۱۳۸)

اور تم دن کو بھی ان (بستیوں) کے پاس سے گزرتے رہتے ہو اور رات کو بھی، تو کیا تم عقل نہیں رکھتے۔

سورہ ذاریات میں ہے:

وَتَرَكْنَا فِيهَا آيَةً لِّلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۝ (الذاریات ۳۷)

اور جو لوگ عذاب الیم سے ڈرتے ہیں ان کے لیے وہاں نشانی چھوڑ دی۔

اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا (سورہ مریم)
(بے شک وہ صادق الوعد اور نبی مرسل تھے)

حضرت اسماعیل علیہ السلام ISMAEL

(۲۰۷۴ء ق م تا ۱۹۳۷ء ق م)

سلسلہ نسب حضرت اسماعیلؑ، حضرت ابراہیمؑ کے فرزند اکبر ہیں۔ توراۃ کی تصریح کے مطابق آپ کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۸۶ سال کی تھی (توراۃ کتاب پیدائش باب ۱۶/۲۴ و ۲۵)

عمر توراۃ کا بیان ہے کہ آپ نے ۱۳۷ سال کی عمر پائی (پیدائش باب ۱۶-۱۷ و باب ۱۵-۲۵ اور باب ۲۵-۱۷)

تاریخ پیدائش و وفات حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ اور تاریخوں کے متعلق سر چارلس مارسٹن کی تحقیقات کا خلاصہ اوپر حضرت ابراہیمؑ کے سلسلہ میں پیش کیا جا چکا ہے۔ اگر یہ تخمینہ صحیح ہے تو حضرت اسماعیلؑ کی تاریخ پیدائش ۲۰۷۴ء ق م اور تاریخ وفات ۱۹۳۷ء ق م ٹھہرتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی وفات کے وقت آپ ۸۹ سال کے تھے۔

مولد، مسکن و مدفن آپ کنعان میں پیدا ہوئے، حجاز میں سکونت اختیار کی اور وہیں وفات پائی۔

حضرت اسمٰعیلؑ کی پیدائش کیلیے حضرت ابراہیمؑ کی دُعا اور آپکی ولادت کی بشارت قرآن مجید میں ہے

کہ حضرت ابراہیمؑ نے اولاد کے لیے دعا کی:

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (صافات) | پروردگار، مجھ کو نیک فرزند عطا فرما،

اور

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ۝ (صافات ۱۰۲) | ہم نے اس کو ایک متحمل مزاج فرزند (کے تولد) کی بشارت دی

توراۃ کی کتاب پیدائش کے پندرھویں باب میں ہے:

"پھر ابرامؑ نے کہا دیکھ تو نے مجھے کوئی اولاد نہیں دی اور دیکھو میرا خانہ زاد میرا وارث ہوگا۔ تب خداوند کا کلام اس پر نازل ہوا اور اس نے فرمایا، یہ تیرا وارث نہ ہوگا بلکہ وہ جو تیرے صلب سے پیدا ہوگا، وہی تیرا وارث ہوگا" (۳ و ۴)

حضرت سارہ بانجھ تھیں، توراۃ کی روایت کے مطابق جب آپ کو اولاد کی امید منقطع ہوگئی تو قیام کنعان کے دس سال بعد (پیدائش باب ۱۶۔ ۳) آپ نے خود اپنی خوشی سے حضرت ہاجرہ کو حضرت ابراہیمؑ کی زوجیت میں دے دیا۔ حضرت ہاجرہ پہلے ہی سال حاملہ ہوئیں۔ اب حضرت سارہ ان سے رشک کرنے اور ان کو ستانے لگیں، بالآخر حضرت ہاجرہ نے گھر چھوڑ کر جانے کا ارادہ کیا اور ایک چشمہ تک جو شور کی راہ میں واقع ہے آکر ٹھہر گئیں۔ اس وقت ایک فرشتے نے ان کے سامنے آکر کہا:

"ہاجرہ! اپنی بی بی کے پاس لوٹ جا اور اپنے کو اس کے قبضہ میں کر دے۔ اور خداوند کے فرشتہ نے اس سے کہا کہ میں تیری اولاد کو بہت بڑھاؤں گا یہاں تک کہ کثرت کے سبب سے اس کا شمار نہ ہو سکے گا۔ اور خداوند کے فرشتہ نے اس سے کہا کہ تو حاملہ ہے اور تیرے بیٹا ہوگا۔ اس کا نام اسماعیل رکھنا اس لیے کہ خداوند نے تیرا دکھ سن لیا، وہ گورخر کی طرح آزاد مرد ہوگا۔ اس کا ہاتھ سب کے خلاف اور سب کے ہاتھ اس کے خلاف ہوں گے اور وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسا رہے گا" (پیدائش باب ۱۶۔ ۹ تا ۱۲)

وجہ تسمیہ | علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

"اسماعیل، عبرانی میں "شماع ایل" ہے "شماع" (سماع) سننا، اور ایل (اللہ) لفظی معنی خدا کا سننا۔ چونکہ خدا نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا اور حضرت ہاجرہ کی فریاد سنی اس لیے بچے کا نام "شماعیل" پڑا۔"

(ارض القرآن جلد دوم صفحہ ۴۳)

واقعۂ قربانی

حضرت اسماعیلؑ کا بچپن اپنے پدر بزرگوار حضرت ابراہیمؑ ہی کے زیر سایہ کنعان میں گذرا قربانی کا واقعہ بھی غالباً یہیں پیش آیا۔ قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَىٰ ۚ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ (صافات ۱۰۲)

لڑکا جب اس سن کو پہنچا کہ باپ کے ساتھ دوڑے باپ نے کہا، فرزند من! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں، دیکھو تم کیا سمجھتے ہو۔ بیٹے نے کہا میرے باپ! جو حکم دیا گیا ہے کر گذریے۔ انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔

اللہ کے خلیل نے اپنے اس جگر گوشے کو جو مدتوں کی تمناؤں اور بڑھاپے کی دعاؤں کے بعد پیدا ہوا تھا اللہ کے حکم پر خود اپنے ہاتھ سے ذبح کر ڈالنے کے لیے ماتھے کے بل لٹا دیا (والصّٰفّٰت ۱۰۳) اور چھری لے کر بیٹھ گئے۔ کیسی عجیب آزمائش تھی کتنا رفیع مقام تھا بیٹے کی سعادت اور رشد و ہدایت کا، کس قدر بلند منزل تھی باپ کی محبت الٰہی اور ایمان باللہ کی جس میں یہ آزمائش پوری ہوئی بالآخر بارگاہِ الٰہی سے ندا بلند ہوئی۔ يَا إِبْرَاهِيمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا ج (صافات ۱۰۵) "اے ابراہیم! (بس) تو نے خواب سچا کر دکھایا" اور حضرت اسماعیلؑ کی بجائے ایک دنبا عطا کیا گیا۔ جس کو بالآخر حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کی راہ پر ذبح کر دیا۔ اس آزمائش کے متعلق خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ۝ (صافات ۱۰۶) "بلاشبہ یہ صریح آزمائش تھی"

ذبیح اللہ کون تھا

یہودیوں کی روایت کے مطابق ذبیح اللہ حضرت اسحٰقؑ ہیں۔ موجودہ توراۃ کی کتاب پیدائش باب ۲۲ میں ہے:

"ابرہام نے قربان گاہ بنائی اور اس پر لکڑیاں چنیں اور اپنے بیٹے اضحاق کو باندھا اور اسے قربان گاہ پر لکڑیوں کے اوپر رکھا اور ابرہام نے ہاتھ بڑھا کر چھری لی کہ اپنے بیٹے کو ذبح کرے (۱۰)"

قرآن مجید نے ذبیح اللہ کا نام نہیں لیا ہے لیکن قرآن کی تصریح سے یہ بات پوری طرح ثابت ہوتی ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسحٰقؑ نہیں بلکہ حضرت اسماعیلؑ تھے۔ واقعہ قربانی کے متعلق سورۂ صافات

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا مولد ومسکن
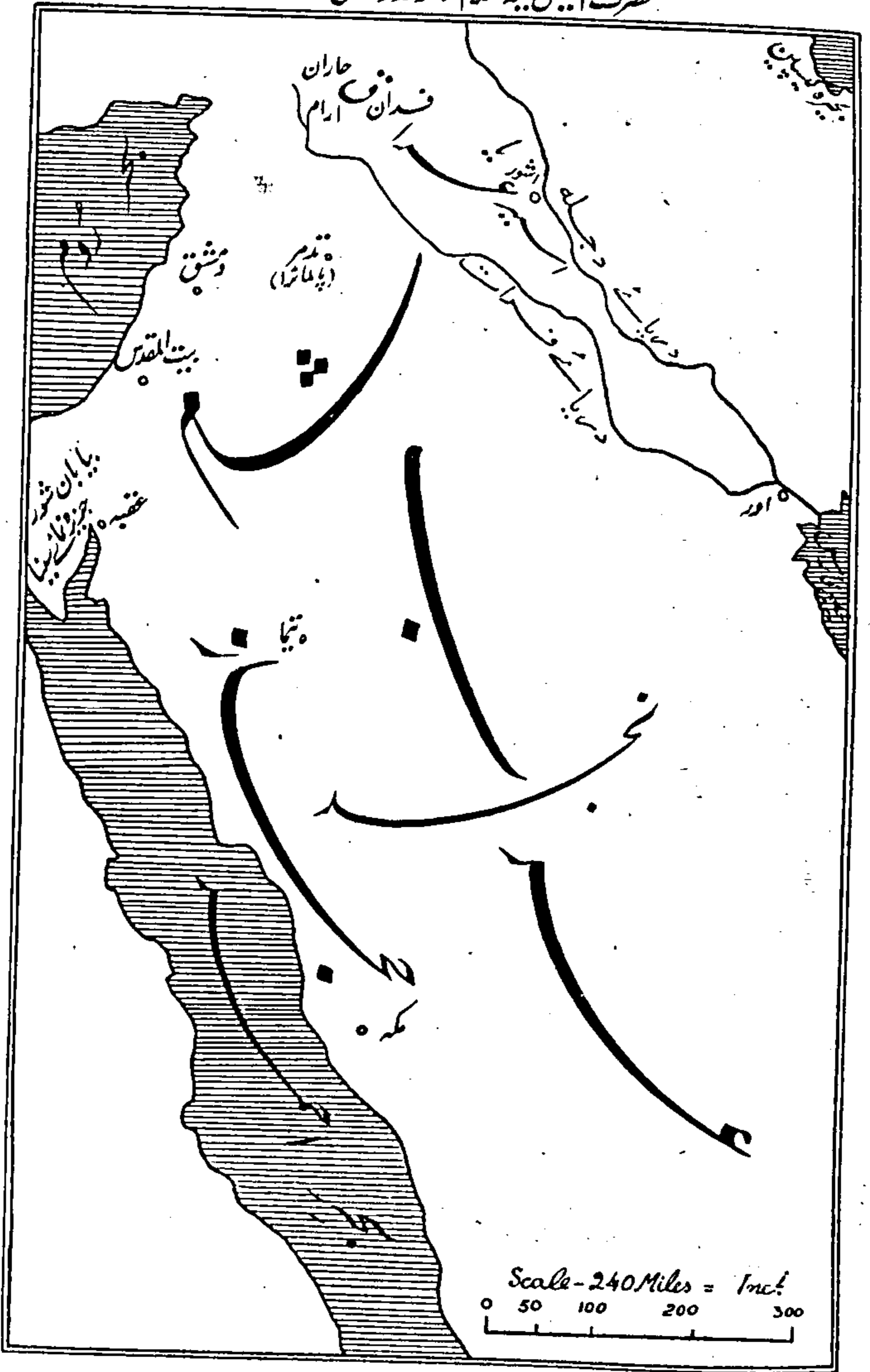
حوالہ صفحہ نمبر ۲۵۶

حضرت اسحاق علیہ السلام کے تذکرہ سے تعلق رکھنے والے چند اہم مقامات

حاران

فدان ارام

حتی قبائل

تدمر

صوباہ

دمشق

بشن

کنعان

سکم

سامریہ

یروشلم

حبرون

بیر سبع

قوم لوط

حوالہ صفحہ نمبر ۲۸۰

کی آیتیں جو اوپر پیش کی گئیں، ان کے بعد اسی سلسلہ میں ارشاد ہوتا ہے :

وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ اور ہم نے ان کو اسحاق کی بشارت دی۔ (صافات ۱۱۲)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قربانی کا واقعہ حضرت اسحاقؑ کی ولادت سے پہلے کا ہے اور اس وقت حضرت ابراہیمؑ کے بیٹوں میں صرف حضرت اسمٰعیلؑ ہی موجود تھے۔

قرآن مجید سے قطع نظر، اگر صرف توراۃ کے بیان کا بغور مطالعہ کیا جائے تو وہ خود اپنی تردید کرتا نظر آتا ہے۔ توراۃ کی عبارت محولہ بالا سے پہلے ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو اپنے "اکلوتے" اور "محبوب" بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا۔ توراۃ میں ہے کہ اس آزمایش میں پورا اترنے کے بعد بارگاہِ ایزدی سے ارشاد ہوا :

"چونکہ تو نے یہ کام کیا کہ اپنے بیٹے کو بھی جو تیرا اکلوتا ہے دریغ نہ رکھا۔ میں نے بھی اپنی ذات کی قسم کھائی ہے کہ میں تجھے برکت پر برکت دونگا۔"
(کتاب پیدایش باب ۲۲-۱۶)

توراۃ سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ سے پہلے پیدا ہو چکے تھے (پیدایش باب ۱۷-۱۵ تا ۲۰۔ اس سلسلہ کے اور حوالے اوپر گذر چکے ہیں) اس لیے حضرت اسماعیلؑ کی موجودگی میں حضرت اسحاقؑ "اکلوتے" کیسے کہے جا سکتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس عبارت میں حضرت اسحاقؑ کا نام بعد کی تحریف ہے۔

اور غالباً یہی نکتہ ہے جس کی بنا پر سارے قرآن کریم میں "حَلِیْم" کا لفظ صرف حضرت ابراہیمؑ (سورۂ ھود رکوع ۷۔ اور سورۂ توبہ رکوع ۱۴) اور حضرت اسماعیلؑ (صافات رکوع ۳) ہی کے لیے استعمال فرمایا گیا ہے جنھوں نے ذبح کرنے اور ذبح کیے جانے میں اس قدر زبردست تسلیم و رضا اور اس قدر عجیب صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔ "حَلِیْم" کا مطلب ہے "متحمل مزاج"۔ اسی لیے مولانا شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں :

"حلیم اور صابر کا مفہوم قریب قریب ہے" [۵]

---

[۵] ترجمہ قرآن مجید شیخ الہند۔ فوائد صفحہ ۵۸۴ (مطبوعہ مدینہ پریس بجنور)

حجاز کو ہجرت تیرہ برس کی عمر میں حضرت ابراہیمؑ نے آپ کا ختنہ کیا۔ اسی سال حضرت اسحاقؑ پیدا ہوئے۔ توراۃ کے بیان کے مطابق حضرت اسماعیلؑ کی پیدائش کے وقت ہی سے حضرت سارہ کو حضرت ہاجرہ سے رشک و رقابت پیدا ہو گئی تھی۔ حضرت اسحاقؑ جب کچھ بڑے ہوئے تو حضرت سارہ نے اس ڈر سے کہ کہیں حضرت اسماعیلؑ باپ کی جایداد کے وارث نہ ہوں حضرت ابراہیمؑ کو مجبور کیا کہ وہ حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ کو اپنے پاس سے علیحدہ کر دیں۔ توراۃ میں ہے :

"اور اضحاقؑ کے دُودھ چھڑانے کے دن ابرہامؑ نے بڑی ضیافت کی۔ اور سارہ نے دیکھا کہ ہاجرہ مصری کا بیٹا جو اس کے ابرہامؑ سے ہوا تھا ٹھٹھے مارتا ہے۔ تب اس نے ابراہامؑ سے کہا کہ اس لونڈی کو اور اس کے بیٹے کو نکال دے کیونکہ اس لونڈی کا بیٹا میرے بیٹے اضحاقؑ کے ساتھ وارث نہ ہوگا۔ پر ابرہامؑ کو اس کے بیٹے کے باعث یہ بات نہایت بڑی معلوم ہوئی۔ اور خدا نے ابرہامؑ سے کہا کہ تجھے اس لڑکے اور اپنی لونڈی کے باعث بُرا نہ لگے، جو کچھ سارہ تجھ سے کہتی ہے تو اس کی بات مان کیونکہ اضحاقؑ سے تیری نسل کا نام چلے گا اور اس لونڈی کے بیٹے سے بھی میں ایک قوم پیدا کروں گا اس لیے کہ وہ تیری نسل ہے"۔[1]

بالآخر اللہ کا حکم پا کر آپ نے کچھ کھانا اور پانی کا ایک مشکیزہ ساتھ لیا اور ایک عمر کی تمناؤں اور دعاؤں کے بعد جو نورِ نظر پیدا ہوا تھا اور جو ابھی بڑھاپے کا سہارا اور قوت بازو بننے والا تھا اس بیٹے کو اور بیوی کو لیکر مشیت ایزدی کے اشارے پر روانہ ہو گئے اور ان دونوں کو حجاز میں "فاران کے بیابان" میں (توراۃ۔ کتاب پیدائش باب ۲۱-۲۱) جس کو قرآن نے "وَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ" (سورہ ابراہیمؑ رکوع ۲) "بن کھیتی کی زمین" کہا ہے پہنچا دیا۔ "بن کھیتی کی زمین" اس لیے کہ یہاں اس وقت کھیتی باڑی نہیں ہوتی تھی اور یہ ایک چٹیل

---

[1] توراۃ۔ کتاب پیدائش باب ۲۱ ۸ تا ۱۳۔

بنجر بے آب وگیاہ میدان تھا، یہی وہ مقام ہے جہاں اب مکہ معظمہ آباد ہے۔

صحیح بخاری میں، حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے کہ اس وادئ بے برگ وگیاہ میں حضرت ابراہیمؑ جب ان دونفوس قدسیہ کو اللہ کے حکم سے تنہا چھوڑ کر واپس لوٹنے لگے تو حضرت ہاجرہؑ نے آواز دے کر کہا:

"ابراہیمؑ! ہم کو کس پر چھوڑے جاتے ہو؟"

آپ نے فرمایا

"اللہ پر"

بولیں،

"تو میں اللہ پر راضی ہوں"

حضرت اسمٰعیلؑ کو حجاز میں آباد کرتے وقت حضرت ابراہیمؑ کی دعا

حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت ہاجرہؑ کو مکہ میں آباد کرتے وقت حضرت ابراہیمؑ نے بارگاہ الٰہی میں جو دعا کی تھی وہ سورہ ابراہیمؑ رکوع ۶ میں مذکور ہے۔ آپ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا:

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّ اجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ؁ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ج فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ج وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ؁ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً	اے میرے پروردگار! اس شہر کو (لوگوں کے لیے) امن کی جگہ بنادے اور مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے کہ بتوں کی پرستش کرنے لگیں بچائے رکھ۔ اے پروردگار! انھوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے سو جس شخص نے میرا کہا مانا وہ میرا ہے، اور جس نے میری نافرمانی کی، تو تو بخشنے والا مہربان ہے۔ اے پروردگار! میں نے اپنی اولاد میدان (مکہ) میں جہاں کھیتی نہیں تیرے عزت والے گھر کے پاس لا بسائی ہے اے پروردگار

مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۝ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ط وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ط اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ۝ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝

(سورۂ ابراہیم ع ۶ تا ۱۴)

تاکہ یہ نماز پڑھیں، تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ ان کی طرف جھکے رہیں اور ان کو میووں سے روزی دے تاکہ تیرا شکر کریں۔ اے پروردگار جو بات ہم چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں تو سب جانتا ہے اور خدا سے کوئی چیز مخفی نہیں (نہ) زمین میں نہ آسمان میں۔ خدا کا شکر ہے جس نے مجھ کو بڑھاپے میں اسماعیلؑ اور اسحاقؑ بخشے بے شک میرا پروردگار دعا سننے والا ہے۔ اے پروردگار! مجھ کو (ایسی توفیق عطا فرما) کہ میں نماز پڑھتا رہوں اور میری اولاد کو بھی یہ توفیق بخش) اے پروردگار! میری دعا قبول فرما۔ اے پروردگار! حساب کے دن مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور مومنوں کو بخش دے!

چاہ زمزم | صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے:۔

"جب مشک کا تمام پانی ختم ہو گیا اور پیاس ان¹ کو بھی لگی اور حضرت اسمٰعیلؑ کو بھی اور حضرت اسمٰعیلؑ کو پیاس کی شدت کی وجہ سے زمین پر لوٹتا دیکھا تو دیکھنے کی تاب نہ رہی اور ایک طرف کو چل دیں اس زمین سے سب سے زیادہ قریب پہاڑ صفا تھا لہٰذا اس پر کھڑے ہو کر وادی کی طرف منہ کر کے چاروں طرف نظر دوڑائی کہ شاید کوئی شخص نظر آ جائے لیکن کوئی دکھائی نہ دیا مجبوراً کوہ صفا سے اتر آئیں جب وادی میں پہنچیں تو پھر کرتے کا دامن اٹھا کر مصیبت زدہ آدمی کی طرح ایک طرف کو دوڑیں اور وادی کو پار کر کے کوہ مروہ پر پہنچیں اور اس پر کھڑے ہو کر ادھر ادھر نظر دوڑائی کہ شاید کوئی شخص نظر پڑ جائے لیکن کوئی دکھائی نہ دیا۔ خلاصہ یہ کہ اسی طرح سات مرتبہ کیا۔ ابن

¹ یعنی حضرت ہاجرہؑ

عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہی وجہ ہے کہ حج کے زمانہ میں لوگ صفا اور مروہ کے درمیان دوڑتے ہیں" ابن عباسؓ فرماتے ہیں: بالآخر جب ایک مرتبہ حضرت ہاجرہ مروہ پر پہنچیں تو ایک آواز سنائی دی، تو خود ہی کہنے لگیں: چپ رہ! دوسری بار بغور سنا تو پھر وہی آواز سنی کہنے لگیں: تو نے آواز تو سنادی کاش تیرے پاس ہماری فریاد رسی بھی ہوسکتی۔ اتنے میں دیکھتی کیا ہیں کہ ایک فرشتہ مقام زمزم کے پاس موجود ہے۔ فرشتے نے زمین پر ایڑی ماری جس سے پانی نکل آیا۔ حضرت ہاجرہ اس پانی کو حوض کی طرح بنانے لگیں اور پانی کے اس پاس پتھروں کی مینڈھ باندھنے لگیں اور چلو سے پانی لے کر مشک بھرنی شروع کر دی! ابن عباسؓ کہتے ہیں: حضورؐ نے ارشاد فرمایا: خدا اسمٰعیلؑ کی والدہ پر رحم فرمائے اگر وہ زمزم کو چھوڑ دیتیں تو ایک چشمہ جاری ہو جاتا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہاجرہ تو چلو سے مشک بھر رہی تھیں اور پانی برابر جوش مار رہا تھا" [۱]

یہی چاہ زمزم ہے جو آج بھی موجود ہے۔

ہجرت حجاز کے وقت حضرت اسمٰعیلؑ کی عمر

توراۃ اور قرآن کی محولہ بالا تصریحات کے بعد حسب ذیل امور خود بخود واضح ہو جاتے ہیں:

اول یہ کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی ولادت حضرت اسحٰقؑ سے تیرہ سال پہلے ہوئی (توراۃ)

دوم یہ کہ جس وقت حضرت ابراہیمؑ نے آپ کو اور آپ کی والدہ کو لا کر مکہ کے میدان میں بسایا اس وقت حضرت اسحٰقؑ پیدا ہو چکے تھے۔ (توراۃ اور قرآن)

سوم یہ کہ حضرت اسحٰقؑ کے دودھ چھڑانے کے بعد آپ کو حجاز کی ہجرت کا واقعہ پیش آیا (توراۃ)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت آپ کی عمر پندرہ سولہ سال کے قریب ہوگی۔

لیکن صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی حدیث محولہ بالا کے ابتدائی حصہ میں ہے کہ اس وقت حضرت اسمٰعیلؑ شیرخوار بچہ تھے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں:

---

[۱] صحیح بخاری۔ کتاب الانبیاء، حدیث حضرت ابن عباسؓ

"حضرت ابن عباس رض کہتے ہیں سب عورتوں سے پہلے حضرت اسمٰعیلؑ کی والدہ نے کمر کا پٹکا بنایا تھا تاکہ حضرت سارہ کو ان کے نشانات قدم معلوم نہ ہوں، پٹکے کے کنارے کی رگڑ سے مٹ جائیں، تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ اور ان کی والدہ کو لیکر آئے اور بیت اللہ کے پاس ایک بڑے درخت کے نیچے زمزم کے اوپر بالائی حصہ میں دونوں کو اتارا، حضرت اسمٰعیلؑ ہاجرہ کا دودھ پیتے تھے۔ اس زمانہ میں مکہ میں کوئی رہتا نہ تھا، نہ وہاں پانی تھا ......" [1]

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رض ہی سے ایک اور حدیث اسی مضمون کی مروی ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں :

" حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیمؑ اور ان کی بیوی کے درمیان جو واقعات ہونے تھے وہ ہو گئے تو حضرت ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ اور ان کی والدہ کو لے کر نکل چلے، پانی سے بھری ہوئی ایک مشک ہمراہ لے لی، حضرت اسمٰعیلؑ کی والدہ خود مشک کا پانی پی لیتی تھیں اور حضرت اسمٰعیلؑ کو اپنا دودھ پلاتی تھیں ...." [2]

یہاں یہ امر خاص طور پر قابل غور ہے کہ ان دونوں بیانات کے سلسلہ کی ابتداء حضرت ابن عباسؓ ہی سے ہوئی آنحضرت صلعم سے نہیں ہوتی۔

توراۃ کے بیان کے کچھ حصے بھی اس سے قریب قریب ہیں اور غالباً حضرت اسمٰعیل کی شیر خوارگی کے خیال کی ابتداء بھی یہیں سے ہوئی ہے۔ توراۃ میں ہے :

"تب ابراہامؑ نے صبح سویرے اٹھ کر روٹی اور پانی کی ایک مشک لی اور اسے ہاجرہ کو دیا بلکہ اسے اس کے کندھے پر دھر دیا اور لڑکے کو بھی اس کے حوالہ کر کے اُسے رخصت کر دیا، سو وہ چلی گئی اور بیر سبع کے بیابان میں آوارہ پھرنے لگی اور جب مشک کا پانی ختم ہو گیا تو اس نے لڑکے کو ایک جھاڑی کے نیچے ڈال دیا اور آپ اس کے مقابل ایک تیر کے ٹپے پر وہ بیٹھ گئی اور کہنے لگی کہ میں اس لڑکے کا مرنا تو نہ دیکھوں۔ سو وہ اس کے مقابل بیٹھ گئی اور چلا چلا کر رونے لگی، اور خدا

---

[1] و [2] صحیح بخاری۔ کتاب الانبیاء حدیث نمبر ۶۵۷ و ۶۵۸ (جلد دوم)

نے اس لڑکے کی آواز سُنی اور خدا کے فرشتے نے آسمان سے ہاجرہ کو پکارا اور اس سے کہا اے ہاجرہ!
تجھ کو کیا ہوا مت ڈر کیونکہ خدا نے اس جگہ سے جہاں لڑکا پڑا ہے اُس کی آواز سُن لی ہے۔ اٹھ اور
لڑکے کو اٹھا اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کیونکہ میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا، پھر خدا نے
اس کی آنکھیں کھولیں اور اس نے پانی کا ایک کنواں دیکھا اور جا کر مشک کو پانی سے بھر لیا اور لڑکے
کو پلایا اور خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا......" [۱]

حضرت ابن عباسؓ کی روایت محولہ بالا کے متعلق سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں :-

"بخاری کی کتاب الرویا اور کتاب الانبیاء میں حضرت ابن عباسؓ کی جو حدیث
اسماعیلؑ کی شیر خوارگی کے متعلق ہے وہ مرفوع نہیں ہے یعنی اس کا سلسلہ آنحضرت صلعم تک
نہیں پہنچتا (بجز چند خاص ضمنی فقروں کے) اس لیے وہ حضرت ابن عباسؓ کی اسرائیلیات میں سے ہے" [۲]

اگر ہم توراۃ کے بیانات سے بالکل قطع نظر بھی کر لیں اور صرف نص قرآن کی روشنی میں اس
معاملہ کی تنقیح کریں تب بھی نتیجہ یہی برآمد ہوگا۔ ایسی صورت میں دو احتمالات ذہن میں پیدا ہو سکتے ہیں اور
ہمیں آخری فیصلہ سے پہلے ان دونوں کو قرآن کی کسوٹی پر کسنا ہوگا۔

اول یہ کہ شاید حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت اسحٰقؑ سے صرف سال دو سال بڑے ہوں۔ اس صورت میں
یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ ہجرت مکہ کے وقت آپ شیر خوار بچہ ہوں۔ لیکن یہ صورت نصِ قرآن کے خلاف ہو گی
چونکہ واقعہ قربانی کے تذکرہ میں (آیات اوپر گذر چکی ہیں) قرآن نے تصریح کی ہے کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا
جب اسمٰعیلؑ "دوڑنے بھاگنے" کی عمر کو پہنچ چکے تھے فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ (صافات) "لڑکا جب اس
عمر کو پہنچا کہ باپ کے ساتھ دوڑے" پھر خواب بیان کرنے کے بعد حضرت ابراہیمؑ کا یہ فرمانا بھی قابل غور
ہے کہ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَىٰ (صافات) "دیکھو تم کیا سمجھتے ہو؟" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ سوچنے سمجھنے کی عمر
کو بھی پہنچ چکے تھے اور اس وقت تک حضرت اسحٰقؑ پیدا نہیں ہوئے تھے چونکہ واقعہ قربانی کے بیان کرنے
کے بعد اسی تسلسل اور اسی سورۃ میں قرآن کہتا ہے وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ (صافات) اور ہم نے ان کو اسحاقؑ

---

[۱] توراۃ۔ کتاب پیدائش۔ باب ۲۱۔ ۱۴ تا ۲۰

[۲] ارض القرآن جلد دوم صفحہ ۴۴

کی بشارت دی"۔

دوسرا احتمال یہ ہو سکتا ہے کہ غالباً قربانی کا واقعہ مکہ ہی میں پیش آیا ہو اور آپ حضرت اسحٰقؑ کی ولادت سے پہلے ہی بعمر شیر خوارگی حجاز آ گئے ہوں۔ یہ صورت نص قرآن کی رُو سے اس لیے قابل قبول نہیں کہ مکہ میں حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت ہاجرہ کو چھوڑتے وقت حضرت ابراہیمؑ کی جو دعا قرآن نے نقل کی ہے اس میں ہم یہ الفاظ بھی پاتے ہیں: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ط (سورہ ابراہیم) "خدا کا شکر ہے جس نے مجھ کو بڑھاپے میں اسماعیلؑ و اسحٰقؑ بخشے"۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہجرت حجاز کے وقت حضرت اسحاقؑ پیدا ہو چکے تھے۔

مکہ کا بسنا اور حضرت اسمٰعیلؑ کی شادی

اس کے بعد حضرت اسمٰعیلؑ کی زندگی کے واقعات کے متعلق (سوائے آپ کی تیر اندازی اور تعمیر کعبہ کے) توراۃ اور قرآن دونوں خاموش ہیں۔ البتہ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی حدیث محولہ بالا میں آگے چل کر ہے:

"اُمِ اسمٰعیلؑ مدت تک اسی حالت میں رہیں۔ اتفاقاً ایک بار قافلۂ بنی جرہم کداء کے راستہ سے اس طرف کو گذرے اور مکہ کے زیریں جانب فروکش ہوئے۔ کچھ پرندوں کو گھیرا باندھ کر اُڑتے ہوئے دیکھ کر کہنے لگے، یقیناً پانی کا چکر لگا رہے ہیں، لیکن ہمیں تو اس وادی میں آتے ہوئے مدت ہو گئی یہاں تو پانی تھا نہیں (اب کہاں سے آگیا؟) یہ کہہ کر ایک یا دو قاصد خبر لینے کے لیے بھیجے، قاصدوں نے آ کر پانی دیکھ کر واپس جا کر پانی کی اطلاع دے دی، قافلہ والے فوراً آ گئے ام اسمٰعیلؑ اس وقت پانی کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں، کہنے لگے اگر آپ اجازت دیں تو ہم آپ کے پاس آ کر ٹھہر جائیں۔ حضرت ہاجرہ نے فرمایا، اچھا، لیکن پانی پر تم کو (ملکیت کا) کوئی حق نہ ہو گا۔ قافلہ والوں نے کہا بہت اچھا۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں، حضورؐ نے فرمایا:۔ اسمٰعیلؑ کی والدہ کی عین مراد بر آئی، وہ رفیق چاہتی تھیں، رفیق مل گئے چنانچہ قافلہ والے وہیں اُتر گئے اور اپنے اہل و عیال کو بھی بُلا لیا، یہاں تک کہ وہاں چند خاندان ہو گئے وہ لڑکا (اسمٰعیلؑ)

جوان ہوا۔ قافلہ والوں سے عربی سیکھی اور جوان ہونے کے بعد سب سے حسین اور سب کا منظور نظر ہوا۔ قافلہ والوں نے اپنی ہی ایک عورت کے ساتھ حضرت اسمٰعیلؑ کا نکاح بھی کرا دیا۔

حضرت اسمٰعیلؑ کی دوسری شادی

مسلمانوں اور یہودیوں کی روایت کے مطابق آپ نے دو شادیاں کی تھیں۔ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں جو اوپر گذر چکی ہے ایک بیوی کو جرہمی بتایا گیا ہے اور توراۃ نے ایک بیوی کو مصری بتایا ہے۔

"اس کی ماں نے مصر کی ایک بیوی اس کے لیے لی" [1]

دوسری شادی کی تفصیل حضرت ابن عباسؓ کی حدیث محولہ بالا میں اس طرح ملتی ہے:

"حضرت ہاجرہ کا بھی انتقال ہو گیا تو اس وقت حضرت ابراہیمؑ تشریف لائے اور جس چیز کو چھوڑ گئے تھے اس کی تلاش کرنے لگے۔ حضرت اسمٰعیلؑ مکان پر موجود نہ تھے، حضرت ابراہیمؑ نے اسمٰعیلؑ کی بیوی سے اسمٰعیلؑ کو دریافت کیا، بیوی نے کہا ہمارے کھانے کے لیے کچھ لینے گئے ہیں، حضرت ابراہیمؑ نے طریقۂ زندگی اور گذران کی صورت دریافت کی، بیوی نے کہا بہت بری گذرتی ہے، ہم بہت تنگی اور سختی میں ہیں اور کچھ اور بھی شکایت کی، حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا جب تیرا شوہر آ جائے تو اس سے میرا اسلام کہنا اور کہہ دینا کہ اپنے دروازہ کی چوکھٹ بدل دے۔ حضرت اسمٰعیلؑ گھر آئے تو ان کو کچھ سن گن مل گئی تھی۔ پوچھنے لگے کیا کوئی آیا تھا؟ بیوی نے کہا، ہاں ایک بوڑھا آدمی آیا تھا، یہ شکل اور یہ حلیہ تھا۔ مجھ سے آپ کو دریافت کیا تھا۔ میں نے ان کو بتا دیا۔ پھر اس نے گذاران کی صورت دریافت کی تو میں نے اس سے کہہ دیا کہ ہم بہت تکلیف اور سختی میں ہیں۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے فرمایا، پھر کچھ اس نے تم کو نصیحت بھی کی ہے؟ بیوی نے کہا ہاں مجھ سے یہ کہہ گیا ہے کہ آپ سے اس کا سلام کہہ دوں اور یہ کہہ دوں کہ آپ اپنے دروازہ کی چوکھٹ تبدیل کر دیجیے۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے فرمایا، وہ میرے والد تھے اور

---

[1] توراۃ۔ کتاب پیدائش باب ۲۱۔ ۲۱

مجھے حکم دیے گئے ہیں کہ تم کو چھوڑ دوں، لہٰذا تم اپنے میکے چلی جاؤ۔ چنانچہ حضرت اسمٰعیلؑ نے بیوی کو طلاق دے دی۔ اور ایک اور عورت سے نکاح کر لیا۔ ایک مدت تک ابراہیم علیہ السلام نہ آئے۔ مدت دراز کے بعد پھر ایک روز تشریف لائے، لیکن حضرت اسمٰعیلؑ نہ ملے۔ بیوی سے دریافت کیا تمھارا شوہر کہاں ہے؟ بیوی نے کہا ہمارے لیے کچھ تلاش معاش کرنے گئے ہیں۔ فرمایا، تمھارا کیا حال ہے، طریقۂ زندگی اور صورت معاش کیا ہے؟ بیوی نے کہا ہم بہت اچھے ہیں، آرام سے گذرتی ہے، گویا خدا تعالیٰ کا بیوی نے شکریہ ادا کیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا، تم لوگ کیا چیز کھاتے ہو؟ بیوی نے کہا، گوشت۔ فرمایا، کیا چیز پیتے ہو؟ بیوی نے عرض کیا پانی، حضرت ابراہیمؑ نے کہا، الٰہی ان کو گوشت اور پانی میں برکت عطا فرما۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس زمانہ میں مکہ میں غلہ پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اگر غلہ ہوتا تو حضرت ابراہیمؑ اس میں بھی برکت ہونے کی دعا کرتے۔ چونکہ حضرت ابراہیمؑ نے اہل مکہ کے لیے گوشت اور پانی میں برکت ہونے کی دعا کی تھی اسی وجہ سے سوائے اہل مکہ کے اور کوئی صرف گوشت اور پانی پر گذارا نہیں کر سکتا اور نہ کسی کو صرف گوشت اور پانی موافق مزاج ہوتا ہے۔ خیر، حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا جب تمھارا شوہر آجائے تو اس سے میرا سلام کہہ دینا اور کہنا کہ وہ اپنے دروازہ کی چوکھٹ قائم رکھے۔ جب حضرت اسمٰعیلؑ گھر میں آئے تو بیوی سے دریافت کیا، کیا کوئی آیا تھا؟ بیوی نے کہا، جی ہاں، ایک خوب صورت بوڑھا آدمی آیا تھا، اوّل تو مجھ سے آپ کو دریافت کیا۔ میں نے بتا دیا، پھر طریقۂ گذران پوچھا، میں نے کہہ دیا کہ خوب مزے سے گذرتی ہے اس نے آپ کو ایک پیام دیا ہے، سلام کہا ہے اور یہ کہا ہے کہ اپنے دروازہ کی چوکھٹ کو قایم رکھو، حضرت اسمٰعیلؑ نے فرمایا وہ میرے والد تھے اور چوکھٹ سے مراد تمھاری ذات ہے، مجھے انھوں نے حکم دیا ہے کہ تمھیں طلاق نہ دوں'' [۱]

---

[۱] صحیح بخاری جلد دوم مترجمہ سید عبدالدایم پارہ ۱۳ کتاب الانبیا حدیث نمبر ۶۵ صفحہ ۶۸، ۶۹ مطبوعہ حمیدیہ پریس دہلی

تعمیرِ کعبہ | حضرت ابن عباس رض کی اسی حدیث میں، اس کے بعد ہے :

"اس کے بعد حضرت ابراہیم مدت تک تشریف نہ لائے، ایک روز حضرت اسمٰعیل زمزم کے قریب ایک درخت کے نیچے بیٹھے تیر بنا رہے تھے کہ حضرت ابراہیم تشریف لے آئے، حضرت اسمٰعیل نے دیکھا تو کھڑے ہو گئے اور جس طرح باپ بیٹے کے ساتھ اور بیٹا باپ کے ساتھ کرتا ہے وہی برتاؤ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل نے باہم کیا، حضرت ابراہیم نے فرمایا، اسمٰعیل! خدا تعالیٰ نے مجھے ایک کام کرنے کا حکم دیا ہے، حضرت اسمٰعیل نے عرض کیا، تو جو کچھ خدا نے حکم دیا ہے اس کو پورا کیجیے۔ فرمایا، تو کیا تم میری مدد کرو گے؟ حضرت اسمٰعیل نے کہا، (جی ہاں) میں مدد کروں گا۔ حضرت ابراہیم نے ایک اونچے ٹیلہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ یہاں ایک مکان بناؤں، اس کے بعد حضرت اسمٰعیل و حضرت ابراہیم نے اس مکان کی بنیادیں اٹھائیں۔ حضرت اسمٰعیل پتھر اٹھا کر لاتے تھے اور حضرت ابراہیم تعمیر کرتے تھے، جب دیواریں کچھ اونچی ہو گئیں تو حضرت ابراہیم نے یہ پتھر (مقام ابراہیم) لا کر رکھا تاکہ اس پر کھڑے ہو کر دیوار بنا سکیں، بہرحال حضرت اسمٰعیل پتھر دیتے جاتے تھے اور حضرت ابراہیم بناتے جاتے تھے۔"

قرآن مجید اسی واقعہ کا تذکرہ کرتا ہے :

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ ط (سورۂ بقرہ ۱۲۷)	اور جب ابراہیم اور اسمٰعیل بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے۔

تعمیرِ بیت اللہ کے وقت حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل کی دعا | جب بیت اللہ تعمیر ہو گیا تو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل اس کے پاس طواف کرتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے :

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ ص	اے ہمارے پروردگار، ہم سے یہ خدمت قبول فرما، بیشک تو سننے والا اور جاننے والا ہے، اے پروردگار ہم کو اپنا فرمانبردار بندہ رکھیو اور ہماری اولاد میں سے

وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ط اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○

(سورہ بقرہ ۱۲۷ تا ۱۲۹)

بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بنائیے رہیو اور اے پروردگار ہمیں ہمارے طریق عبادت بتا اور ہمارے حال پر توجہ فرما بے شک تو توجہ فرمانے والا مہربان ہے۔ اے پروردگار ان لوگوں میں انھی میں سے ایک پیغمبر مبعوث کیجو جو ان کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے اور کتاب اور دانائی سکھایا کرے اور ان (کے دلوں) کو پاک صاف کیا کرے، بیشک تو غالب اور صاحب حکمت ہے۔

بیت اللہ کی قدامت

مولانا عبدالماجد دریابادی کا خیال ہے :

"اس وقت حضرت اسمٰعیلؑ کی عمر اگر ۱۲ سال کی فرض کی جائے تو اس بنا پر ابنا بھی تاریخ کوئی ۲۰۵۴ ق م قرار پاتی ہے۔ یعنی آج سے کوئی چار ہزار سال قبل یہ محض تخمینہ ہے ورنہ اس کی نفس قدامت یہود و نصاریٰ تک کو تسلیم ہے" ۱؎

یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی تعمیر بیت اللہ صرف بیت اللہ کی تعمیر جدید تھی، ورنہ کعبہ اس سے پہلے موجود تھا۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث محولہ بالا کے ابتدائی حصہ میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو میدان مکہ میں چھوڑ کر واپس ہوئے اور

"جب مقام ثنیہ کے پاس پہنچکر حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی والدہ کی آنکھوں سے اوجھل ہوئے تو کعبہ کی طرف رخ کر کے ہاتھ اٹھا کر یہ کلمات فرمائے الٰہی میں نے اپنی ذریت کو تیرے پاک مکان کے پاس بالکل ایسے میدان میں لا کر بسایا ہے جس میں کہیں کھیتی نہیں ہے الخ"

اسی حدیث میں آگے بڑھ کر جہاں چاہ زمزم کا ذکر ہے اس کے بعد ہی یہ تصریح بھی ملتی ہے :

"فرشتے نے کہا تم ہلاک ہونے کا اندیشہ نہ کرو کیونکہ یہاں خدا کا گھر ہے یہ لڑکا اور اس کا باپ اس کو بنائیں گے اور اس کے رہنے والوں کو خدا تباہ نہیں کرے گا۔ کعبہ اس زمانہ میں

۱؎ مسائل وقصص صفحہ ۱۲۷

ٹیلہ کی طرح زمین سے کچھ بلند تھا۔ سیلاب آتا تھا تو دائیں بائیں ہو کر نکل جاتا تھا اوپر نہ پہنچ سکتا تھا۔"

یہ دنیا کی سب سے پہلی مسجد زمین پر خدا کی سب سے پہلی عبادت گاہ اور اس عالم خاکی میں سب سے پہلا خانۂ خدا ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ

"میں نے عرض کیا یا رسول اللہ زمین پر سب سے اول کون سی مسجد بنائی گئی؟ فرمایا مسجد حرام۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد؟ فرمایا بیت المقدس کی مسجد۔ میں نے عرض کیا ان دونوں کے درمیان کتنی مدت کا فصل ہے؟ فرمایا چالیس سال کا"

حضرت اسمٰعیلؑ اور خدمت بیت اللہ

نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے احکام کے علاوہ خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد حج و قربانی کے احکام نازل ہوئے اور حضرت ابراہیمؑ نے ان کا اعلان فرمایا[1]۔ خانہ کعبہ کی خدمت بھی حضرت ابراہیمؑ اور آپ کی اولاد میں حضرت اسمٰعیلؑ کو تفویض ہوئی جس کا تذکرہ قرآن کریم اس طرح کرتا ہے:

وَعَهِدْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِـۧمَ وَإِسْمَٰعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِينَ وَٱلْعَٰكِفِينَ وَٱلرُّكَّعِ ٱلسُّجُودِ ○ (البقرہ۔ ۱۲۵)	اور ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کو حکم دیا کہ طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لیے میرے گھر کو پاک و صاف رکھا کرو۔

اور حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد خانہ کعبہ کی خدمت خاندان بنو اسمٰعیل ہی میں منتقل ہوتی چلی گئی۔

مکہ اور اہل مکہ کے لیے حضرت ابراہیمؑ کی دعا اور اس کا جواب

سورۂ بقرہ میں تعمیر بیت اللہ ہی کے سلسلہ ہی میں حضرت ابراہیمؑ کی ایک اور دعا مذکور ہے جو آپ نے مکہ اور اہل مکہ کے لیے فرمائی تھی:

وَإِذْ قَالَ إِبْرَٰهِـۧمُ رَبِّ ٱجْعَلْ هَٰذَا بَلَدًا	اور جب ابراہیمؑ نے دعا کی کہ اے پروردگار اس جگہ کو

---

[1] سورہ حج۔ رکوع ۴۔

اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ط (البقرۃ ۔ ۱۲۶)	امن کا شہر بنا اور اس کے رہنے والوں میں سے جو خدا پر اور روزِ آخرت پر ایمان لائیں ان کو کھانے کو میوے عطا فرما۔

جواب ۱۱ :

قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ط وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ (البقرۃ ۱۲۶)	خدا نے فرمایا کہ جو کافر ہوگا میں اس کو کسی قدر متمتع کروں گا (مگر) پھر اس کو (عذاب) دوزخ کے (بھگتنے کے) لیے ناچار کر دوں گا، اور وہ بری جگہ ہے۔

کارِ نبوت کی انجام دہی حضرت اسمٰعیل ع کے کارِ نبوت اور فرض تبلیغ کی انجام دہی کا ذکر سورہ مریم میں اس طرح کیا گیا ہے :

وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ص (سورہ مریم ۔ ۵۵)	اور اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم کرتے تھے۔

یہاں "گھر والوں کو" آیا ہے اس لیے کہ بقول مولانا شبیر احمد عثمانی :

"گھر والے قریب ہونے کی وجہ سے ہدایت کے اول مستحق ہیں، ان سے آگے کو سلسلہ چلتا ہے۔ اسی لیے دوسری جگہ فرمایا۔ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا[۱] (طٰہٰ۔ رکوع ۸) اور يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا[۲] (تحریم۔ رکوع ۱) خود نبی کریم صلعم کو بھی یہی ارشاد ہوا وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ[۳] (شعراء۔ رکوع ۱۱) بعض کہتے ہیں کہ یہاں "اہل" سے ان کی ساری قوم مراد ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود رض کے مصحف میں "اَهْلَهٗ" کی جگہ "قَوْمَهٗ" تھا۔ واللہ اعلم[۴]۔"

تیر اندازی معلوم ہوتا ہے کہ تیر اندازی آپ کا محبوب مشغلہ تھا اور اس میں آپ نے بڑا نام پیدا کیا تھا۔ تیر اندا

---

[۱] "اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرو اور اس پر قائم رہو" (طٰہٰ ۔ ۱۳۲) [۲] "مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آتش جہنم سے بچاؤ" (تحریم ۶) [۳] "اور اپنے قریب کے رشتہ داروں کو ڈر سنا دو" (شعراء ۲۱۴) [۴] ترجمہ قرآن مجید شیخ الہند فوائد صفحہ ۴۰۱ سورہ مریم۔

اور صحیح احادیث دونوں میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ توراۃ میں ہے۔

"خدا اس بچے کے ساتھ تھا، وہ بڑا ہوا، اور بیابان میں رہنے لگا اور تیر انداز بنا"[1]

اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں گذر چکا ہے کہ

"ایک روز حضرت اسمٰعیلؑ زمزم کے قریب ایک درخت کے نیچے بیٹھے تیر بنا رہے تھے کہ حضرت ابراہیمؑ تشریف لائے۔"

صحیح بخاری کی کتاب الانبیاء ہی میں حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے مروی ہے کہ

"ایک بار قبیلہ بنو اسلم کے کچھ لوگ تیر اندازی کر رہے تھے، رسول اللہ صلعم کا ادھر سے گذر ہوا، فرمایا اے اسمٰعیلؑ کی اولاد تیر اندازی کرو، کیونکہ تمہارے باپ بھی تیر انداز تھے الخ"

وفات توراۃ کے بیان کے مطابق ۱۳۷ سال کی عمر میں حضرت اسمٰعیلؑ نے وفات پائی اور اپنی والدہ حضرت ہاجرہ کے پہلو میں مطاف کعبہ میں دفن ہوئے۔

فضائل قرآن مجید نے حضرت اسمٰعیلؑ کی تعریف اس طرح کی ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا ۝ وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ۝ (مریم ۴-۵۵)	اور کتاب میں اسمٰعیلؑ کا ذکر کر، وہ وعدے کے سچے اور نبی مرسل تھے اور اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم کرتے تھے اور اپنے پروردگار کے یہاں پسندیدہ تھے۔

یہاں پہلی آیت سے حضرت اسمٰعیلؑ کی حضرت اسحٰقؑ پر فضیلت ثابت ہے کیونکہ حضرت اسحٰقؑ کو صرف نبی فرمایا اور حضرت اسمٰعیلؑ کو "رسولا نبیا"۔ صحیح مسلم میں حدیث ہے۔

إِنَّ اللهَ اصْطَفٰى مِنْ وَلَدِ إِبْرَاهِيمَ إِسْمٰعِيلَ	حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے اللہ نے اسمٰعیلؑ کو چن لیا۔

دوسری آیت میں ان کے صادق الوعد ہونے کی خبر ہے یعنی آپ نے خدا سے یا بندوں سے جو وعدہ

---

[1] کتاب پیدائش۔ باب ۲۱-۲۱۔

کیا وہ پورا کر کے دکھلا دیا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں :

"ایک شخص سے وعدہ کیا کہ جب تک تو آئے میں اسی جگہ رہوں گا۔ کہتے ہیں وہ ایک برس نہ آیا۔ یہ وہیں رہے۔ نبی کریم صلعم سے بھی منقول ہے کہ قبل از بعثت آپ سے عبداللہ بن الحمساء نے کہا آپ یہاں ٹھہریے میں ابھی آتا ہوں آپ تین دن تک اسی جگہ رہے جب واپس آیا تو فرمایا تو نے ہم کو تکلیف دی۔ میں حسب وعدہ تین دن سے یہیں ہوں۔"

حضرت اسمٰعیلؑ کے وعدہ کی سچائی کا بلند ترین مظاہرہ اس وقت ہوا تھا جب آپ نے حضرت ابراہیمؑ کا خواب قربانی سن کر کہا تھا کہ "ابا! جو کچھ آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ کر گزریے۔ انشاءاللہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔" اور اس پر پوری طرح عمل کر کے دکھا دیا۔

حضرت اسمٰعیلؑ عرب حجاز کے مورث اعلیٰ اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں۔ آپ شریعت ابراہیمی دے کر بنی جرہم کی طرف مبعوث فرمائے گئے تھے۔ آپ کے فضائل قرآن مجید میں تین جگہ اور بیان ہوئے ہیں :

سورۂ انعام میں چند دیگر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ آپ کی فضیلت و برگزیدگی کا تذکرہ اس طرح ہوا ہے :

وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ط وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ج وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (الانعام ۸۷ تا ۸۸)	اور اسمٰعیل اور الیسع اور یونسؑ اور لوطؑ کو یاد کرو اور ہم نے ان سب کو جہان کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی اور بعض بعض کو ان کے باپ دادا اور اولاد اور بھائیوں میں سے بھی اور ان کو برگزیدہ بھی کیا تھا اور سیدھا راستہ بھی دکھایا تھا۔

اسی سلسلہ میں اس سے کچھ ہی آگے ہے :

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ج فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا	یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب اور حکم (شریعت) اور نبوت عطا فرمائی تھی اگر یہ کفار ان باتوں سے

هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ (الانعام ۸۹ تا ۹۱)

انکار کریں تو ہم نے ان پر ایمان لانے کے لیے) ایسے لوگ مقرر کر دیے ہیں کہ وہ ان سے کبھی انکار کرنے والے نہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے ہدایت دی تھی، تو تم انہی کی ہدایت کی پیروی کرو۔

سورہ انبیاء میں آپ کے صبر و رضا کا ذکر ہے:

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ○ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ (الانبیاء ۸۵ و ۸۶)

اور اسمٰعیلؑ اور ادریسؑ اور ذوالکفلؑ (کو یاد کرو) یہ سب صبر کرنے والے تھے۔ اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کیا، بلاشبہ وہ نیکوکار تھے۔

سورہ ص میں ہے:

وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ○ (ص۔ ۴۸)

اور اسمٰعیلؑ اور الیسعؑ اور ذوالکفل کو یاد کرو، وہ سب نیک لوگوں میں سے تھے۔

آپ ذبیح اللہ ہیں اور غالباً اسی کے صلہ میں آپ کو صافات میں "حلیم" کے لقب سے یاد فرمایا گیا ہے۔ (صافات۔ ۱۰۱)

اولاد تورات کی تصریح کے مطابق آپ کے تیرہ اولادیں ہوئیں۔ ایک لڑکی جس کا نام تورات میں ایک جگہ بشامہ (پیدائش باب ۳۶۔ ۳) اور دوسری جگہ محلات (پیدائش باب ۲۸۔ ۹) بتایا گیا ہے۔ یہ حضرت اسحٰقؑ کے بڑے صاحبزادے اور حضرت یعقوبؑ کے بڑے بھائی عیسا ادوم کے عقد میں آئیں جو حضرت ایوبؑ کے جد اعلیٰ ہیں۔ حضرت اسمٰعیلؑ کے باقی بارہ بیٹے تھے جن کے نام علی الترتیب یہ ہیں:۔

(۱) نبایوط جن کو عرب نابط یا نابت بھی کہتے ہیں اور جن سے نبطی قبیلہ کا آغاز ہوا۔

ان ہی کو انباط بھی کہتے ہیں۔

نبا یوط سے عرب میں تین شاخیں چلیں (۱) انباط (۲) آل غسان اور (۳) انصار کے قبیلے اوس و خزرج

(۲) قیدار۔ حضرت اسمٰعیل کے دوسرے صاحبزادے ہیں جو شہرت اور اعزاز میں اپنے سب بھائیوں سے ممتاز تھے۔ مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

"قیدار کے عبری میں معنی سیاہی اور غم کے ہیں، عربی میں بھی لفظ "کدر" و "کدورت" شاید حضرت اسمٰعیلؑ نے یہ نام باپ سے جدائی اور صحرا نوردی کے غم کی یادگار میں رکھا ہو، قیدار بہ حسب روایت توراۃ و عرب، حجاز میں آباد ہوا تھا۔۔۔ قیدار کی اہمیت و عظمت کے لیے یہ دلائل کافی ہیں کہ ان کا ذکر توراۃ کے صفحات میں، اسیریا کے کتبات میں، اور یونان کے جغرافیہ میں ہر جگہ موجود ہے لیکن اس سے بھی عظیم الشان عزت اس کو یہ حاصل ہے کہ وہ نورِ الٰہی جو آدمؑ و ابراہیمؑ کو ودیعت ہوا تھا وہ اسمٰعیلؑ کے بیٹے قیدار کی پشت سے دنیا میں جلوہ افروز ہوا یعنی پیغمبر عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نسل قیدار کی شاخ عدنان سے پیدا ہوئے"[1]

حضرت اسمٰعیلؑ کے باقی دس بیٹوں کے نام یہ ہیں:

(۳) ادبئیل (۴) مبشام (۵) مشماع (۶) دومہ (۷) مسا (۸) حدور (۹) تیما (۱۰) جطور (۱۱) نفیس اور (۱۲) قدمہ (توراۃ۔ کتاب پیدائش۔ باب ۲۵-۱۴ تا ۱۶)

توراۃ کی تصریح کے مطابق یہ بارہ بیٹے بارہ خاندانوں کے سردار تھے اور ان کے ناموں سے ان کی بستیاں نامزد ہو گئی تھیں (پیدائش باب ۲۵-۱۷) عجیب اتفاق ہے کہ حضرت اسحٰقؑ کے بیٹے حضرت یعقوب (جن کا لقب اسرائیل ہے) کے بھی بارہ لڑکے تھے جن سے بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا آغاز ہوا۔

---

[1] ارض القرآن مولفہ سید سلیمان ندوی جلد دوم صفحہ ۹۲ و ۹۳)

بنی اسمٰعیل کی آبادی | بنی اسمٰعیل کی بستیوں کے متعلق توراۃ کا بیان ہے کہ

"اس کی اولاد حویلہ سے شور تک جو مصر کے سامنے اس راستہ پر جس سے اسور کو جاتے ہیں آباد تھی۔ یہ لوگ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسے ہوئے تھے۔" (کتاب پیدائش باب ۲۵ - ۱۸)

حضرت اسمٰعیلؑ کی زبان | حضرت اسماعیل علیہ السلام کنعان میں پیدا ہوئے شام میں سکونت فرمائی اور پھر ہجرت کر کے مکہ میں آباد ہوئے آپ کی والدہ حضرت ہاجرہ مصری تھیں۔ آپ کی مادری زبان قبطی اور پدری زبان عبرانی تھی۔ آپ کی شادی جیسا کہ اوپر صحیح بخاری کی حدیث کی تصریح سے واضح ہو چکا ہے "بنی جرہم" میں ہوئی۔ چنانچہ سسرال کی زبان خالص عربی تھی حضرت اسمٰعیلؑ نے عربی میں کمال پیدا کر لیا تھا۔ بخاری کتاب الانبیاء میں آپ کے لیے "تعلم العربیہ" کے الفاظ آئے ہیں۔

سید سلیمان ندوی نے ارض القرآن جلد دوم میں عیسائی فاضل فنس جبرائیل قرواحی نائب پٹریارک و پروفیسر عربی و سریانی مدرسہ رومانیہ کی کتاب متعلقہ سریانی کے حوالہ سے بتایا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی زبان عبرانی نہیں آرامی عربی تھی۔ چنانچہ حضرت اسمٰعیلؑ کی زبان کے متعلق وہ کہتے ہیں :

"اس بناء پر حضرت اسمٰعیلؑ کی اصلی زبان عبرانی نہیں بلکہ آرامی عربی تھی، جرہم جن میں وہ آکر بسے قحطان کی زبان بھی وہ عربی نہ تھی جو ظہور اسلام کے وقت قریش بولتے تھے اس لیے نسل اسماعیل کو "مستعربہ" کہنے کی یہ وجہ کہ عربی ان کی اصلی زبان نہ تھی بلکہ جرہم کے ساتھ رہ کر انھوں نے سیکھی تھی، صحیح نہیں ہے۔" [۱]

بنی اسمٰعیلؑ کی زبان | شمالی عرب بنی اسماعیل کا مسکن تھا اور جنوبی عرب میں بنی قحطان آباد تھے اہل مغرب نے عرب کی جغرافیائی تقسیم کی ہے یعنی شمالی عرب اور

---

[۱] ارض القرآن جلد دوم صفحہ ۱۳۴

جنوبی عرب عربی زبان بھی ان ہی دو شاخوں میں منقسم ہے یعنی جنوبی یا قحطانی عربی اور شمالی یا اسرائیلی عربی۔ بنی اسماعیل کی زبان یہی شمالی یا اسرائیلی عربی ہے۔ اس کے متعلق سید سلیمان ندوی رقمطراز ہیں :۔

"شمالی زبانوں کے حدود تدمر (شام کے قریب) اور حیرہ (عراق کے قریب سے) شروع ہوتے ہیں۔ ان کی حسب ذیل شاخیں ہیں۔ تدمری۔ نبطی۔ حجازی۔ پہلی دو زبانوں میں آرامی کا اثر زیادہ نمایاں ہے۔ تدمری قرآن کی عربی زبان سے الفاظ میں بہت مغائر ہے۔ بلکہ عبرانی کے قریب قریب ہے .... نبطی جو اصحاب الحجر کی زبان تھی۔ وہ قرآن کی عربی سے بہت قریب ہے۔ نبطی خط بھی قدیم عربی خط یا کوفی خط سے مشابہ ہے .... یہ زبان تمام شمالی عرب میں یعنی حدود یمن سے لے کر شام و عراق تک بولی جاتی تھی لیکن حجاز و نجد کی زبان سب سے بہتر تھی اور ان میں بھی قبیلہ بنی سعد اور قریش کی زبان۔ اسی لیے آنحضرت صلعم نے ان دو قبیلوں کے انتساب پر فخر کیا ہے۔ آپ قریش میں پیدا ہوئے تھے اور بنو سعد میں پرورش پائی تھی۔" [۱]

---

[۱] ارض القرآن جلد دوم صفحہ ۱۴۲ تا ۱۴۶

وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (صافات ۱۱۲)

"اور ہم نے ان کو (ابراہیم کو) اسحاق ؑ کی بشارت دی (کہ وہ) نبی (اور) نیکو کاروں میں سے ہوں گے"

حضرت اسحٰق علیہ السلام ISAAC

(سنہ ۲۰۶۰ ق م تا سنہ ۱۸۸۰ ق م)

حضرت اسحاق ؑ اور قرآن

قرآن مجید میں حضرت اسحاق ؑ کی بشارت کا تذکرہ سورۂ ھود آیات ۶۹ تا ۷۱ سورہ حجر آیت ۵۳۔ اور سورۂ ذاریات آیات ۲۸ تا ۳۰ میں کیا گیا ہے۔ (لیکن سورۂ ذاریات کی ان آیات میں آپ کا نام مذکور نہیں ہے) قرآن مجید نے آپ کے نبی اور صالح ہونے کی خبر دی ہے (مریم ۴۹، صافات ۱۱۲) اور آپ پر اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کے نزول کا ذکر کیا ہے (صافات ۱۱۳) سورہ انعام (آیت ۸۴) میں اس ھدایت الٰہی کا تذکرہ ہے جو آپ کو عطا کی گئی اور سورہ ص میں حضرت ابراہیم ؑ اور حضرت یعقوب کے ساتھ آپ کو اولی الایدی والابصار، منتخب روزگار اور نیک کردار فرمایا گیا ہے لیکن قرآن کریم میں آپ کے مفصل حالات بیان نہیں ہوئے ہیں' اس لیے تفصیلی حالات کے لیے ہمیں لامحالہ توراۃ ہی سے استفادہ کرنا پڑے گا حالانکہ توراۃ میں بھی آپ کا تذکرہ نسبتاً نہایت اختصار سے ہوا ہے۔

مقام

حضرت اسحاق ؑ کا مونہ مسکن اور جائے وفات ملک شام ہی کی سرزمین ہے جہاں سفر مصر کے بعد حضرت ابراہیم ؑ اقامت گزین ہو گئے تھے۔

پیدائش کی بشارت

اس کا تذکرہ قرآن کریم اور توراۃ دونوں میں موجود ہے' قرآن کریم کے حوالے اوپر گذر چکے ہیں۔ توراۃ میں اس کا تذکرہ کتاب پیدائش کے

اٹھارویں باب میں ہے۔

حضرت سارہ کو فرزند کی بہت تمنا تھی مگر وہ بانجھ تھیں اور ضعیف ہو چکی تھیں۔ توراۃ میں ہے کہ مایوس ہو جانے کے بعد بالآخر انھوں نے حضرت ہاجرہ کو خود اپنی خوشی سے سفر مصر کے دس سال بعد حضرت ابراہیمؑ کی زوجیت میں دے دیا تھا (پیدائش۔ باب ۱۶۔ ۳) حضرت اسمٰعیل کی ولادت کے بعد فطری طور پر یہ تمنا اور زیادہ شدید ہو گئی۔ بالآخر بارگاہ الٰہی میں ان کی فریاد مقبول ہوئی۔

حضرت لوطؑ کے تذکرہ میں اوپر گذر چکا ہے کہ جو تین فرشتے قوم لوطؑ کی ہلاکت پر مامور کیے گئے تھے وہ خوب صورت اجنبی نوجوانوں کی شکل میں پہلے حضرت ابراہیمؑ کے پاس آئے۔ حضرت ابراہیمؑ نے ان کی خاطر و مدارات کی اور ایک بھنا ہوا بچھڑا ان کی ضیافت کے لیے لے آئے۔ لیکن جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھتے تو دل میں کچھ خوف محسوس کیا (ھود رکوع ۷، الحجر رکوع ۴، اور الذاریات رکوع ۲) فرشتوں نے کہا آپ ڈریں نہیں ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں اور حضرت ابراہیمؑ کو ایک "صاحب علم و دانش فرزند" "غُلٰمٍ عَلِیْمٍ" (الحجر اور الذاریات) کی بشارت دی۔ اور بتایا کہ وہ نبی ہوں گے اور نیکوکاروں سے ہوں گے (والصّٰفّٰت رکوع ۲) سورہ الحجر میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے یہ بشارت سنکر فرمایا

اَبَشَّرْتُمُوْنِیْ عَلٰٓی اَنْ مَّسَّنِیَ الْکِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ (الحجر)	"کیا خوشخبری سناتے ہو جب آپکڑا مجھ کو بڑھاپے نے اب کاہے پر خوشخبری دیتے ہو؟"

یہ الفاظ خدا کی رحمت سے ناامیدی کی بنا پر نہیں تھے بلکہ واقعہ کی اعجوبہ کاری کی بنا پر تھے چونکہ توراۃ کی تصریح کے مطابق اس وقت آپ کی عمر ۱۰۰ سال اور حضرت سارہ کی عمر ۹۰ سال تھی (کتاب پیدائش باب ۱۷۔ ۱۷) یہی وجہ ہے کہ حضرت سارہ جو خیمہ کے دروازے کے پاس کھڑی ہوئی یہ باتیں سن رہی تھیں، ہنسیں۔

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ (ھود) اور ابراہیم کی بیوی (جو پاس) کھڑی تھی ہنس پڑی۔ اور فرط حیرت سے اپنا منہ پیٹ لیا۔

فَصَکَّتْ وَجْهَهَا (الذاریات) پیٹا اپنا ماتھا۔

چیخ اٹھیں "اے ہے! میں نگوڑی بچہ جنوں گی" (یٰوَیْلَتٰۤی ءَاَلِدُ - ھود) "بوڑھیا بانجھ" (عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ (الذاریات) یعنی کیا خوب۔ جس کے جوانی میں اولاد نہ ہوئی وہ اب بڑھاپے میں بانجھ ہونے کے باوجود بچہ جنے گی جبکہ

وَهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ط اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ○ (ھود)	"یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں یہ تو بڑی عجیب بات ہے!"

فرشتوں نے کہا:

اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ (ھود)	کیا تم خدا کی قدرت پر تعجب کرتی ہو اے اہل بیت تم پر خدا کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں۔

چنانچہ اس بشارت کے مطابق حضرت اسحٰق تولد ہوئے جو بنی اسرائیل کے جد اعلیٰ ہیں۔ آپ کی نسل سے بڑے بڑے اولوالعزم نبیوں کا ظہور ہوا۔

توراۃ میں اس واقعہ کا تذکرہ توراۃ کی کتاب پیدائش کے باب ۱۸ میں اس واقعہ کا تذکرہ اس طرح ہوا ہے:

"پھر خداوند ممرے کے بلوطوں میں اسے (ابراہیم کو) نظر آیا اور وہ دن کو گرمی کے وقت اپنے خیمہ کے دروازہ پر بیٹھا تھا، اور اس نے اپنی آنکھیں اٹھا کر نظر کی اور کیا دیکھتا ہے کہ تین مرد اس کے سامنے کھڑے ہیں اور وہ ان کو دیکھ کر خیمہ کے دروازہ سے ان سے ملنے کو دوڑا اور زمین تک جھکا اور کہنے لگا کہ اے میرے خداوند! اگر مجھ پر آپ نے کرم کی نظر کی ہے تو اپنے خادم کے پاس سے چلے نہ جائیں، بلکہ تھوڑا سا پانی لایا جائے اور آپ اپنے پاؤں دھو کر اس درخت کے نیچے آرام کریں میں کچھ روٹی لاتا ہوں، آپ تازہ دم ہو جائیں تب آگے بڑھیں کیونکہ اسی لیے اپنے خادم کے یہاں آئے ہیں، انھوں نے کہا جیسا تو نے کہا ہے ویسا ہی کر۔ اور ابرہام ڈیرے میں سارہ کے پاس دوڑا گیا اور کہا کہ تین پیمانے باریک آٹا جلد لے اور اسے گوندھ کر پھلکے بنا، اور ابرہام گلہ کی طرف دوڑا اور ایک موٹا تازہ بچھڑا لا کر ایک جوان کو دیا اور اس

سنے جلدی جلدی اُسے تیار کیا، پھر اس نے مکھن اور دودھ اور بچھڑے کو جو اس نے پکوایا تھا لیکر ان کے سامنے رکھا اور آپ ان کے پاس درخت کے نیچے کھڑا رہا اور انھوں نے کھایا[له]۔ پھر انھوں نے اس سے پوچھا کہ تیری بیوی سارہ کہاں ہے؟ اس نے کہا وہ ڈیرے میں ہے۔ تب اس نے کہا میں پھر موسم بہار میں تیرے پاس آؤں گا اور دیکھ تیری بیوی سارہ کے بیٹا ہوگا۔ اس کے پیچھے ڈیرہ کا دروازہ تھا۔ سارہ وہاں سے سن رہی تھی، اور ابرہام اور سارہ ضعیف اور بڑی عمر کے تھے اور سارہ کی وہ حالت نہیں رہی تھی جو عورتوں کی ہوتی ہے، تب سارہ نے اپنے دل میں ہنس کر کہا کیا اس قدر عمر رسیدہ ہونے پر بھی میرے لیے شادمانی ہو سکتی ہے حالانکہ میرا خاوند بھی ضعیف ہے؟ پھر خداوند نے ابرہام سے کہا کہ سارہ کیوں یہ کہہ کر ہنسی کہ کیا میرے جو ایسی بڑھیا ہو گئی ہوں واقعی بیٹا ہوگا؟ کیا خداوند کے نزدیک کوئی بات مشکل ہے؟ موسم بہار میں معین وقت پر میں تیرے پاس پھر آؤں گا اور سارہ کے بیٹا ہوگا، تب سارہ انکار کر گئی کہ میں نہیں ہنسی کیونکہ وہ ڈرتی تھی پھر اس نے کہا نہیں تو ضرور ہنسی تھی۔"

(کتاب پیدائش باب ۱۸: ۱ تا ۱۵)

اس اقتباس کا آخری حصہ محرفین توراۃ کی ذہنی کاوش کا نتیجہ ہے جس میں جناب سارہؑ پر یہ کہہ کر کہ "تب سارہ انکار کر گئی کہ میں نہیں ہنسی" جھوٹ کا الزام لگانے کی کوشش کی گئی ہے۔ قرآن کریم نے اس قسم کا کوئی ذکر نہیں کیا بلکہ اس کے خلاف ان برگزیدہ اہل بیت کی عظمت اور علو مرتبت کے اظہار کے لیے ان پر اپنی خصوصی رحمتوں اور برکتوں کے نزول کا اعلان فرمایا ہے جیسا کہ اوپر سورہ ھود کی آیت ۷۳ میں گذر چکا ہے۔ قرآن کریم نے حضرت سارہؑ کے ہنسنے کا ضرور ذکر کیا

له قرآن کریم نے سورہ ھود اور سورہ ذاریات میں تصریح فرمائی ہے کہ یہ فرشتے تھے اور انھوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا اور نہیں کھایا جس کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ نے (یہ سمجھ کر کہ یہ فرشتے ہیں) دل میں کچھ خوف محسوس کیا۔ سورہ ھود میں ہے۔

فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ ۝ فَلَمَّا رَأَىٰ أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۚ (ھود ۶۹، ۷۰)

پھر جلدی ہی (ابراہیمؑ) ایک تلا ہوا بچھڑا لے آئے پھر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں اٹھتے تو کھٹکے اور دل میں خوف محسوس کیا۔

ہے مگر نہ اس ہنسی پر کسی اعتراض کا ذکر ہے نہ حضرت سارہ کے انکار کا۔ مزید براں قرآن کریم کے الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سارہ بشارت سن کر نہیں بلکہ اس سے پہلے ہنسی تھیں، ارشاد ہوتا ہے:

وَامْرَاَتُہٗ قَآئِمَۃٌ فَضَحِکَتْ فَبَشَّرْنٰہَا بِاِسْحٰقَ ﴿ھود-۷۱﴾	اور ان (ابراہیمؑ) کی بیوی کھڑی تھیں تب وہ ہنس پڑیں، پھر ہم نے خوشخبری دی اسحٰق کے پیدا ہونے کی۔

محرفین توراۃ کی یہ عبارت بھی تعجب انگیز ہے کہ انھوں نے کسی پیغمبر اور کسی برگزیدہ ہستی کو کذب و دروغ کا الزام لگائے بغیر نہیں چھوڑا۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحٰقؑ، حضرت یعقوبؑ سب پر یہ اتہام بالالتزام لگایا گیا ہے اور قرآن کریم نے اپنے معجزانہ انداز بیان میں ایک ایک دو دو لفظ استعمال کر کے ان الزامات کی تردید کر دی ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کی براءت قرآن نے یہ کہہ کر کر دی کہ

اِنَّہٗ کَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا ﴿مریم ۴۱﴾	بے شک وہ نہایت سچے پیغمبر تھے۔

اور حضرت اسحٰقؑ اور حضرت یعقوبؑ کو "صالح" (صافات) "ہدایت یاب (انعام)" "منتخب روزگار" اور "نیکوکار" (ذاریات) فرما کر اس الزام سے بری کر دیا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ!

بچپن کے چند واقعات

حسب وعدہ الٰہی جناب سارہؓ حاملہ ہوئیں اور اگلے سال معینہ وقت پر ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اسحاقؑ رکھا گیا۔ اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر سو سال اور جناب سارہؓ کی عمر ۹۰ سال کی تھی جب حضرت اسحٰقؑ آٹھ دن کے ہوئے تو شریعت ابراہیمی کے مطابق آپ کا ختنہ ہوا۔ آپ کو جناب سارہؓ ہی نے دودھ پلایا۔

جب آپ کی رضاعت کا زمانہ ختم ہوا تو حضرت ابراہیمؑ نے ایک شاندار ضیافت

کی ۔اس موقع پر توراۃ کے بیان کے مطابق حضرت اسمٰعیلؑ کو قہقہے لگاتے دیکھ کر جناب سارہ کو حسد پیدا ہوا اور انھوں نے حضرت ابراہیمؑ سے درخواست کی کہ وہ جناب ہاجرہؓ اور ان کے فرزند حضرت اسمٰعیل کو اپنے پاس سے جدا کر دیں۔ حضرت ابراہیم کو یہ بات ناگوار گذری مگر پھر وحی الٰہی نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ مشیت ایزدی یہی ہے کہ وہ اس پر عمل کریں۔ یہ حکم پا کر آپ فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور جناب ہاجرہؓ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو لے کر آپ حجاز تشریف لائے اور بیت اللہ کے قریب ان کو بسا دیا۔ حضرت اسحاقؑ شام ہی میں رہے۔

حضرت اسحاقؑ کی شادی

حضرت سارہؓ نے ۱۲۷ سال کی عمر میں حبرون میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئیں۔ اُس وقت حضرت ابراہیمؑ نہایت ضعیف اور عمر رسیدہ ہو چکے تھے۔ چنانچہ اب آپ کو حضرت اسحاقؑ کی شادی کی فکر ہوئی۔ آپ چاہتے تھے کہ حضرت اسحاق کی شادی کسی کنعانی لڑکی سے نہ ہو بلکہ خاندان ہی کی کسی مناسب لڑکی سے رشتہ ہو جائے۔ اس زمانہ میں عہد لینے کا طریقہ یہ تھا کہ دُوسرے شخص کا ہاتھ اپنی ران کے نیچے رکھ کر اس سے قول و قرار لیا جاتا تھا اور اسے نہایت پختہ عہد سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ آپ نے اپنے خانہ زاد اور معتمد ملازم کو جو گھر کا منتظم بھی تھا بُلایا۔ اور اس سے اسی قسم کا عہد لے کر فرمایا کہ وہ حضرت اسحاقؑ کے لیے کوئی مناسب لڑکی تلاش کرے لیکن وہ لڑکی کنعانی نہ ہو۔ بلکہ وہ آپ کے آبائی وطن حاران جائے اور وہاں آپ ہی کے خاندان میں کوئی لڑکی تلاش کرے۔ اور اُس کے ہمراہ دس اونٹ، کچھ ملازم اور تحفے تحائف کر کے اس کو روانہ کر دیا۔ ملازم جب حاران پہنچا (جو میسوپوٹامیہ کا شمالی مغربی حصّہ تھا) تو اپنے اونٹوں کو لے کر ایک کنوئیں کے قریب ٹھہر گیا اور دل میں سوچا کہ میں جس لڑکی سے پانی مانگوں اور وہ خوشی سے مجھے پانی پلانے کے بعد میرے اونٹوں کو بھی پانی پلانے کے لیے خود کہے اسی کو میں سمجھوں گا کہ خدا نے حضرت اسحٰقؑ کیلئے منتخب

فرمایا ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک خوب صورت نازک اندام لڑکی اپنا گھڑا کاندھے پر لیے ہوئے آئی اور ملازم نے جو سوچا تھا بعینہٖ وہی واقعہ پیش آیا۔ اس کو غیب کا اشارہ سمجھ کر ملازم نے اس لڑکی کو سونے کی نتھ اور کڑے پہنا دیے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس لڑکی کا نام ربقہ ہے اور وہ حضرت ابراہیمؑ کے بھائی نحور کی پوتی ہے۔ ذیل کے شجرہ سے یہ رشتہ پوری طرح واضح ہو جاتا ہے :

TERAH تارح

HARAN حاران — LOT حضرت لوطؑ

NAHOR نحور — زوجہ ملکاہ MILCAH — بیتوایل (آٹھویں اولاد) BETHUEL

ABRAHAM حضرت ابراہیم علیہ السلام — زوجہ جناب سارہؓ SERAH — حضرت اسحاقؑ ISAAC

LABAN لابن — REBEKAH ربقہؓ زوجہ حضرت اسحاقؑ
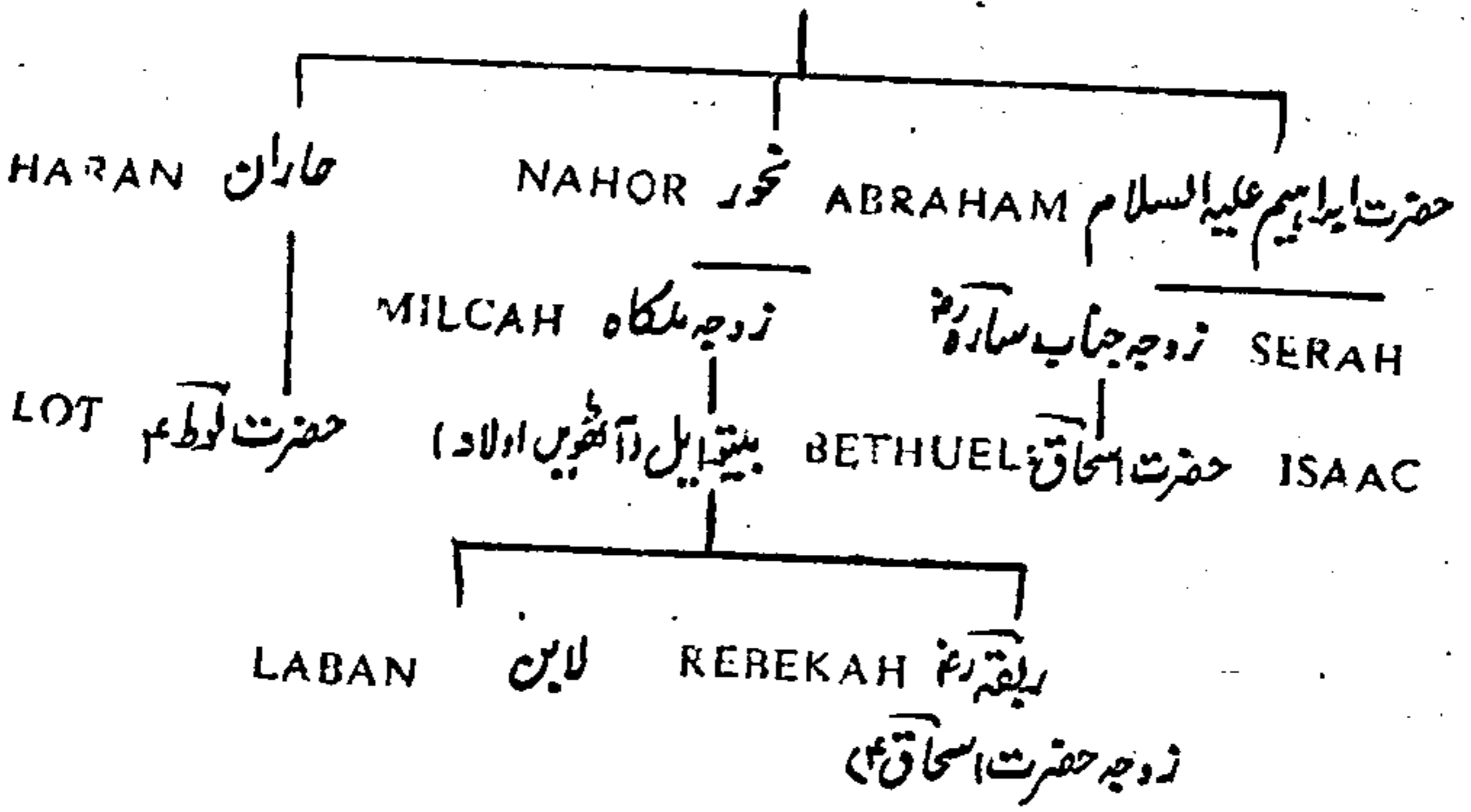
جناب ربقہ نے گھر جا کر واقعہ بیان کیا اور ان کے بھائی لابن حضرت ابراہیمؑ کے ملازم کے پاس آئے اور اس کو مہمان بنا کر اپنے یہاں لے گئے۔ ملازم نے اپنی آمد اور غیب کی اشارت کا تذکرہ کیا اور حضرت ابراہیمؑ کی امارت و ثروت کا حال بیان کیا اور وہ تحائف جو حضرت ابراہیمؑ نے ساتھ کر دیے تھے پیش کیے۔

جناب ربقہ کے والد بیتوایل اور بھائی لابن نے اس رشتہ کو پسند کر کے قبول کر لیا۔ اور دوسرے دن جناب ربقہ کی مرضی معلوم کر کے ان کو ملازم کے ہمراہ کنعان کی طرف رخصت کر دیا۔ منزل مقصود کے قریب راستہ ہی میں حضرت اسحاقؑ سے ملاقات ہو گئی جو بکریاں چراتے ہوئے ادھر نکل آئے تھے اور اس وقت بیٹھے ہوئے کچھ سوچ رہے تھے۔

یہاں سے یہ سارا قافلہ ڈیرہ میں پہنچا جہاں حضرت اسحاق کی جناب ربقہ سے شادی ہو گئی۔ توراۃ کی تصریح کے مطابق اس وقت حضرت اسحاقؑ کی عمر چالیس سال کی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۱۴۰ سال ہو گی۔

عیسو ادوم اور حضرت یعقوبؑ کی ولادت

جناب ربقہ بانجھ تھیں بیس سال تک ان کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ بالآخر حضرت اسحاقؑ نے دعا کی جو مقبول بارگاہ ہوئی اور جناب ربقہ حاملہ ہو گئیں اور ان کے بطن سے دو توام بیٹے تولد ہوئے پہلے عیسو ادوم جن کا رنگ سُرخ تھا اور بدن پر بال تھے اور پھر حضرت یعقوبؑ۔ عیسو ادوم حضرت یعقوب کی ایڑی ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھے۔ اس وقت حضرت اسحاق کی عمر ساٹھ سال کی تھی۔

بڑے ہو کر جناب عیسو ادوم ایک ماہر شکاری ہوئے۔ آپ کا زیادہ تر وقت جنگل میں گزرتا اور آپ شکار کا گوشت لا کر حضرت اسحاقؑ کو کھلایا کرتے تھے۔ حضرت یعقوبؑ سادہ مزاج تھے اور آپ زیادہ تر ڈیرہ ہی میں رہا کرتے تھے۔ آپ کا پیشہ چوپانی تھا جو اُمم سامیہ کے تمام پیغمبروں کا پیشہ رہا ہے۔

جرار کو ہجرت

کنعان میں گاہے گاہے نہایت شدید قسم کا قحط پڑا کرتا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی قحط کی بنا پر مصر کا سفر اختیار کیا تھا جس کا ذکر حضرت ابراہیمؑ کے تذکرہ میں گزر چکا ہے۔ اب پھر کنعان میں اسی قبیل کا ایک اور قحط پڑا اور حضرت اسحاقؑ نے وہاں سے ہجرت کرنے کا ارادہ کیا۔ اس وقت وحئ الٰہی نے آپ کو ہدایت فرمائی کہ

> "مصر کو نہ جا۔ بلکہ جو ملک میں تجھے بتاؤں اس میں رہ، تو اسی ملک میں قیام رکھ اور میں تیرے ساتھ رہوں گا اور تجھے برکت بخشوں گا کیونکہ میں تجھے اور تیری نسل کو یہ سب ملک دوں گا اور میں اس قسم کو جو میں نے تیرے باپ ابراہام سے کھائی پورا کروں گا" (توراۃ۔ کتاب پیدائش۔ باب ۲۶ ۲ و ۳۔)

چنانچہ آپ نے مصر کا ارادہ ترک فرما دیا۔ اور اشارہ غیب پاکر فلسطینوں کے ملک جرار کو ہجرت کی۔ جرار قدیم فینیشیہ یا موجودہ لبنان کے جنوب میں بحر روم کے کنارے واقع تھا۔ یہاں کا حکمران ابی ملک تھا جو حضرت ابراہیمؑ کا حلیف اور دوست تھا۔ یہاں آپ مع اہل و عیال قیام پذیر ہو گئے۔ اور زراعت کا کام شروع کر دیا۔ اس میں خدا نے بہت برکت دی اور تھوڑے ہی عرصہ میں آپ بہت متمول ہو گئے۔ اور آپ کے پاس بھیڑ بکری گائے بیل اور نوکر چاکر بے شمار ہو گئے جو اس زمانہ کی سب سے بڑی دولت سمجھے جاتے تھے۔ اس بنا پر مقامی آبادی آپ سے رشک کرنے لگی اور آپ کے خلاف ہو گئی اور انھوں نے شرارت اور ہنگامے شروع کر دیے اور حضرت ابراہیمؑ نے جو کنوئیں کھدوائے تھے وہ مٹی سے پاٹ دیے۔ شاہ ابی ملک بھی آپ کی روز افزوں ترقی کو دیکھ کر دل میں ڈرا اور اس نے آپ سے درخواست کی کہ آپ وہاں سے کہیں اور تشریف لے جائیں۔

وادی جرار میں قیام

چنانچہ آپ وہاں سے منتقل ہو کر وادی جرار میں قیام پذیر ہو گئے۔ اس سرزمین میں حضرت ابراہیمؑ نے جو کنوئیں کھدوائے تھے ان کو بھی فلسطینوں نے بند کر دیا تھا حضرت اسحاقؑ نے ان کو دوبارہ کھدوایا اور ان کے وہی نام رکھے جو حضرت ابراہیمؑ نے رکھے تھے۔ ان کے علاوہ آپ نے کچھ نئے کنوئیں بھی کھدوائے جن میں سے بیر عسق، بیر سطنہ، بیر رحوبوت، اور بیر سبع کے نام توراۃ میں مذکور ہیں۔ بیر سبع پر آپ نے ایک عبادت گاہ بھی تعمیر کی۔

وادی جرار کے دوران قیام میں بھی تائید ایزدی برابر آپ کے شامل حال رہی اور آپ روز افزوں ترقی کرتے رہے۔ یہ دیکھ کر جرار کا حکمران شاہ ابی ملک اپنے سپہ سالار فیکل کے ہمراہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ سے معذرت چاہی اور آپ سے صلح کا معاہدہ کر کے واپس لوٹا۔

حضرت اسحاق کا عالم پیری اور تفویض نبوت کا نا شنیدہ افسانہ

اب حضرت اسحاقؑ بہت ضعیف ہو گئے تھے اور بہ سبب پیری آپ کی نظر کام نہیں کرتی تھی۔ آپ اپنے بڑے بیٹے عیسو کو زیادہ عزیز رکھتے تھے اور جناب ربقہ حضرت یعقوبؑ کو زیادہ چاہتی تھیں۔ موجودہ توراۃ (کتاب پیدائش۔ باب ۲۷) کا بیان ہے کہ آپ

عیسو کے حق میں دعائے نبوت وخیر وبرکت کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ ایک دن آپ نے عیسو کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ میرے لیے جنگل سے شکار مار کر لاؤ اور میری حسب پسند لذیذ کھانا تیار کرو تاکہ اس کو کھا کر میں اپنے مرنے سے پہلے تمھارے حق میں دعا کروں۔ عیسو یہ سُن کر شکار کے لیے چلے گئے۔ جناب ربقہ یہ باتیں سُن رہی تھیں انھوں نے فوراً حضرت یعقوبؑ کو بُلا کر اس امر سے مطلع کیا اور کہا کہ فوراً ریوڑ میں سے دو بکری کے بچے لے آؤ تاکہ میں لذیذ کھانا تیار کردوں اور تم اپنے آپ کو عیسو ظاہر کرکے حضرت اسحاقؑ سے دعائے نبوت حاصل کرلو۔ حضرت یعقوبؑ نے اعتراض کیا کہ

"دیکھو میرے بھائی عیسو کے جسم پر بال ہیں اور میرا جسم صاف ہے، شاید میرا باپ مجھے ٹٹولے تو میں اس کی نظر میں دغاباز ٹھہروں گا اور برکت نہیں بلکہ لعنت کماؤں گا۔"[1]

مگر توراۃ کے بیان کے مطابق جناب ربقہ اپنی بات پر مصر رہیں۔ انھوں نے بکری کے بچوں کو ذبح کرکے لذیذ کھانا تیار کیا، عیسو کا ایک نفیس لباس نکال کر حضرت یعقوبؑ کو پہنایا۔ ان کی گردن اور ہاتھوں پر بکری کی کھال لپیٹ دی اور پھر ان کو حضرت اسحاقؑ کے پاس بھیجا۔ حضرت یعقوبؑ نے اپنے آپ کو عیسو ظاہر کیا اور کہا کہ میں نے آپ کے ارشاد کی تعمیل کردی ہے اب آپ کھانا کھائیں اور مجھے دعا دیں۔ حضرت اسحٰقؑ کو تعجب ہوا کہ شکار اس قدر جلد کیسے مل گیا۔ پھر آواز بھی حضرت یعقوبؑ کی معلوم ہوئی۔ چنانچہ آپ نے ان کو قریب بلا کر ٹٹولا تو ہاتھوں پر بال اور لباس میں عیسو کی خوشبو پائی۔ چنانچہ آپ مطمئن ہوگئے۔ آپ نے کھانا تناول فرمالیا اور پھر دعا دی اور فرمایا:

"دیکھو میرے بیٹے کی مہک
اس کھیت کی مہک کے مانند ہے
جسے خداوند نے برکت دی ہو
خدا آسمان کی اوس اور زمین کی فربہی
اور بہت سا اناج اور مے تجھے بخشے

---

[1] توراۃ۔ کتاب پیدائش باب ۲۷ ۱۲ و ۱۳

— تو میں تیری خدمت کریں
اور قبیلے تیرے سامنے جھکیں
تو اپنے بھائیوں کا سردار ہو
اور تیری ماں کے بیٹے تیرے آگے جھکیں
جو تجھ پر لعنت کرے وہ خود لعنتی ہو
اور جو تجھے دعا دے وہ برکت پائے"

(کتاب پیدائش باب ۲۷ ۲۸ و ۲۹)

دعا حاصل کرنے کے بعد حضرت یعقوبؑ خیمہ سے نکلے ہی تھے کہ عیسو کھانا لے کر اندر داخل ہوئے اب حضرت اسحاقؑ کو حقیقت معلوم ہوئی تو آپ شدت غضب سے کانپنے لگے اور فرمایا کہ:

"تیرا بھائی دغا سے آیا اور تیری برکت لے گیا" [۱]

عیسو کے اصرار پر آپ نے فرمایا کہ میں یعقوبؑ کو سردار ٹھہرا چکا اب اس میں تبدیلی ممکن نہیں، پھر آپ نے عیسو کے حق میں دعا کی اور فرمایا:

"دیکھ زرخیز زمین میں تیرا مسکن ہو
اور اوپر سے آسمان کی شبنم اس پر پڑے
تیری اوقات بسری تیری تلوار سے ہو اور تو اپنے بھائی کی خدمت کرے
اور جب تو آزاد ہو
تو اپنے بھائی کا جوا اپنی گردن سے اتار پھینکے"

(کتاب پیدائش باب ۲۷ ۳۹ و ۴۰)

یہ افسانہ اس قدر واضح طور پر جعلی و مصنوعی ہے کہ اس پر کسی سنجیدہ تبصرہ کی حاجت معلوم نہیں ہوتی قابل نفرین ہے وہ گستاخ جرأت رندانہ جو محرفین توراۃ نے اپنے اولوالعزم اور معصوم پیغمبروں کے ساتھ روا رکھی

---

[۱] توراۃ کتاب پیدائش باب ۲۷ ۳۵

ہے۔ غالباً یہ اپنے کذب و دروغ اور مکر و فریب کا جواز تلاش کرنے کی کوشش تھی جس نے ان کو اس قسم کے افسانے تراشنے اور ہر نبی پر اس طرح کے الزامات لگانے پر مجبور کیا۔ محرفین توراۃ کے پیش نظر نبوت کی حقیقت و ماہیت ہی نہ تھی۔ ان کے خیال میں نبی صرف آنے والے واقعات کی پیشین گوئی کرنے والا ہوتا تھا اور بس۔ قرآن کریم دنیا میں حق و باطل کا فیصلہ کرنے کے لیے آیا تھا اس لیے ممکن نہ تھا کہ وہ اس قسم کے بے بنیاد الزامات کی تردید نہ کرتا۔ مگر اس کے اسلوب بیان کا یہ انداز یاد رکھنے کے قابل ہے کہ وہ اس قسم کے خرافات کو معرض بحث میں نہیں لاتا چونکہ در اصل وہ قابل اعتناء نہیں مگر اپنے معجزانہ انداز میں اس قسم کے الفاظ ضرور استعمال کر جاتا ہے جو بہ یک ضربت کذب و دروغ کی ساری عمارت کو منہدم کر ڈالتے ہیں۔

قرآن کریم کا انداز بیان اس تمام الزامی افسانہ کی تردید کرتا نظر آتا ہے چونکہ قرآن کہتا ہے کہ جو فرشتے حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحاقؑ کی بشارت دینے آئے تھے انھوں نے اسی وقت حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحاقؑ کے ساتھ حضرت یعقوبؑ کی بشارت بھی دے دی تھی۔ سورہ ھود میں ارشاد ہوتا ہے:

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ○ (ھود - ۷۱)	اور ان (ابراہیمؑ) کی بیوی کھڑی تھیں تب وہ ہنس پڑیں پھر ہم نے خوشخبری دی اسحٰق کے پیدا ہونے کی اور اسحاقؑ کے بعد یعقوبؑ کی۔

سورہ مریم میں ہے:

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا۔ (مریم - ۴۹)	اور ہم نے ان (ابراہیمؑ) کو اسحاقؑ اور یعقوبؑ بخشے اور سب کو نبی بنایا۔

سورہ انبیاء میں ہے:

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ (انبیاء ۷۲)	اور ہم نے ان (ابراہیمؑ) کو اسحاقؑ عطا کیے اور مستزاد بر آں یعقوبؑ اور سب کو صالح بنایا۔

واضح رہے کہ جو شخص کذب و دروغ اور مکر و فریب کا عادی ہو وہ "صالح" نہیں ہو سکتا۔

وصال | حضرت اسحٰقؑ کا وصال ۱۸۰ سال کی عمر میں کنعان میں ہوا اور آپ قریت اربع (حبرون) میں حضرت

ابراہیم علیہ السلام اور جناب سارہؓ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

فضائل قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوبؑ کے ساتھ حضرت اسحاقؑ کی بھی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ سورہ انعام میں تینوں کے ذکر کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

كُلًّا هَدَيْنَا ج (انعام ۸۴)	اور سب کو ہدایت یاب کیا

سورۂ انبیاء میں حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ، حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے ذکر کے بعد یہ تصریح بھی ہے:

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۙ (انبیاء ۷۳)	اور ان کو پیشوا بنایا کہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ان کو نیک کام کرنے اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم بھیجا اور وہ ہماری عبادت کیا کرتے تھے۔

سورہ صافات میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسحاقؑ کے ذکر کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ط (صافات ۱۱۳)	اور ہم نے ان (ابراہیمؑ) پر اور اسحاقؑ پر برکتیں نازل کی تھیں۔

سورہ صٓ میں ہے:

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ۝ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ۝ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ۝ (صٓ - ۴۵ تا ۴۷)	اور ہمارے بندوں ابراہیمؑ اور اسحاق، اور یعقوبؑ کو یاد کرو جو ہاتھوں والے اور آنکھوں والے تھے (یعنی عمل و معرفت والے تھے) ہم نے ان کو ایک خاص گھر (آخرت) کی یاد سے ممتاز کیا تھا اور وہ ہمارے نزدیک منتخب اور نیک لوگوں میں سے تھے۔

تاریخ پیدائش و وفات وغیرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرہ میں آپ کے زمانہ کے تعین کے سلسلہ میں مختلف جدید تحقیقات کا خلاصہ اوپر گذر چکا ہے۔ سر

چارلس مارسٹن (Sir Charles Marston) کی تحقیق کے مطابق جو مختلف وجوہ کی بنا پر زیادہ وزنی اور قابل اعتماد ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تاریخ پیدائش سنہ ۲۱۶۰ قبل مسیح قرار پاتی ہے توراۃ کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسحاقؑ کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر سو سال کی تھی (کتاب پیدائش باب ۲۱-۵) اس بنا پر حضرت اسحٰقؑ کا سن پیدائش سنہ ۲۰۶۰ قبل مسیح قرار پاتا ہے حضرت اسحاقؑ چالیس سال کے تھے جب جناب ربقہ سے آپ کی شادی ہوئی۔ (کتاب پیدائش باب ۲۵-۲۰) چنانچہ آپ کی شادی کی تاریخ سنہ ۲۰۲۰ ق م ہوئی۔ جناب عیسو اور حضرت یعقوبؑ کی پیدائش کے وقت حضرت اسحٰقؑ کی عمر ساٹھ سال کی تھی (کتاب پیدائش باب ۲۵-۲۶) چنانچہ عیسو اور حضرت یعقوبؑ کی ولادت کا سن سنہ ۲۰۰۰ ق م ہوا۔ توراۃ کا بیان ہے کہ حضرت اسحٰقؑ نے ایک سو اسی سال کی عمر پائی (کتاب پیدائش باب ۳۵-۲۹) چنانچہ آپ کا سن وفات سنہ ۱۸۸۰ ق م ہونا چاہیے۔

———— (۰۰) ————

وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ (سورہ یوسف ۶۸)
"اور بیشک وہ صاحب علم تھے کیونکہ ہم نے ان کو علم سکھایا تھا"

JACOB
حضرت یعقوب علیہ السلام

(۲۰۰۰ ق م تا ۱۸۵۳ ق م)

حضرت یعقوبؑ اور توراۃ و قرآن توراۃ کی کتاب پیدائش کے سولہ ابواب (باب ۲۵ تا ۳۵ و باب ۳۷، اور ۴۶ تا ۵۰) میں حضرت یعقوبؑ کا مفصل تذکرہ موجود ہے۔ قرآن مجید میں سورہ ھود میں آپ کی پیدائش کی بشارت کا تذکرہ ہے، سورہ مریم میں آپ کو "نبی" اور سورہ انبیاء میں "صالح" فرمایا گیا ہے۔ آخر وقت میں آپ کی بیٹوں کو نصیحت اور تعلیم دین کا ذکر سورۂ بقر میں ہے۔ اس کے علاوہ نام سورۂ آل عمران، نساء، ص وغیرہ میں آیا ہے، لیکن سورہ یوسف میں حضرت یوسفؑ کے تعلق سے آپ کا نسبتاً تفصیلی ذکر ہے۔ قرآن نے بایں اجمال و ایجاز آپ کے علم و عرفان کی جن رفعتوں، ایمان و کردار کی جن بلندیوں اور صبر و رضا کے جن اعلیٰ مقامات کا تذکرہ کیا ہے توراۃ کے سولہ ابواب کی تفصیلات ان سے عاری ہیں۔

پیدائش اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت اسحٰقؑ کی زوجہ جناب ربقہ بانجھ تھیں۔ شادی کے بیس سال بعد حضرت اسحٰقؑ نے اولاد کے لیے دعا کی اور جناب ربقہ حاملہ ہوئیں۔ حضرت اسحاقؑ نے پیشین گوئی کی :

"دو قومیں تیرے پیٹ میں ہیں۔
اور دو قبیلے تیرے بطن سے نکلتے ہی الگ الگ ہو جائیں گے

اور ایک قبیلہ دوسرے قبیلے سے زور آور ہوگا۔

اور بڑا چھوٹے کی خدمت کرے گا" (پیدائش باب ۲۵-۲۳)

چنانچہ دو توام لڑکے پیدا ہوئے پہلے عیسو ادوم اور پھر حضرت یعقوبؑ۔ حضرت یعقوبؑ (جن کا لقب اسرائیل ہے) پیدائش کے وقت عیسو ادوم کی ایڑی کو پکڑے ہوئے تھے (کتاب پیدائش باب ۲۵-۲۶) ان دونوں سے حضرت اسحٰقؑ کی پیشین گوئی کے مطابق "بنو ادوم" اور "بنی اسرائیل" کے دو عظیم الشان قبائل کی ابتداء ہوئی۔

عمر، تاریخ پیدائش و وفات

توراۃ کے بیان کے مطابق آپ کی پیدائش کے وقت حضرت اسحٰقؑ کی عمر ۶۰ سال تھی (کتاب پیدائش باب ۲۵-۲۶) اس لیے آپ کا سن پیدائش ۲۰۳۳ء ق م قرار پاتا ہے۔ آپ کی کل عمر ۱۴۷ سال کی ہوئی (کتاب پیدائش باب ۴۷-۲۸) اسلیے آپ کا سن وفات ۱۸۵۳ء ق م ہونا چاہیے۔

ابتدائی زندگی اور عیسو ادوم سے بنائے مخاصمت

توراۃ کا بیان ہے کہ عیسو آدوم کا مشغلہ شکار اور آپ کا مشغلہ آبائی پیشہ چوپانی بگہ بانی رہا۔ توراۃ نے آپ کے پاکیزہ کردار پر سخت حملے کیے ہیں مثلاً ایک دن عیسو جنگل سے جہاں وہ بغرض شکار گئے ہوئے تھے نہایت خستہ و ماندہ واپس لوٹے اور بھوک سے بیدم ہو رہے تھے۔ حضرت یعقوبؑ نے مسور کی دال پکائی تھی۔ انھوں نے کھانا مانگا مگر حضرت یعقوبؑ نے کہا:

"آج تو اپنے پہلوٹھے کا حق میرے ہاتھ بیچ دے" (باب ۲۵-۳۱)

اور جب تک یہ حق حاصل نہ کر لیا ان کو دال اور روٹی نہ دی۔ یہ وہ کردار ہے جو بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر امجد کا بیان کیا ہے۔ مگر اس کے برخلاف قرآن اعلان کرتا ہے:

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ (الانبیاء-۷۲)

اور ہم نے اس کو (ابراہیمؑ کو) اسحٰقؑ عطا کیے اور ان کے علاوہ یعقوب اور سب کو نیکوکار کیا۔

دوسرا واقعہ حضرت اسحٰقؑ سے دعائے نبوت و برکت کے حصول کا ہے جس کا اجمالی تذکرہ اوپر

بھی گذر چکا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے والد کی ضعفِ بصارت سے فائدہ اٹھاکر والدہ کی سازش کے مطابق جھوٹ بولا اور اپنے آپ کو عیسو بنا کر حضرت اسحٰقؑ سے اپنے حق میں دعائے خیر و برکت کرالی۔ (پیدائش باب ۲۷) اور جب اس دھوکہ دہی پر عیسو نے بگڑ کر آپ کے قتل کرنے کا ارادہ کیا تو آپ کی والدہ نے آپ کو اپنے آبائی وطن فدان ارام (حاران) میں اپنے نانا بیتوایل کے پاس شادی کیلئے بھیج دیا، لیکن قرآن کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو پہلے ہی حضرت اسحٰقؑ کی بشارت کے ساتھ حضرت یعقوبؑ کی بشارت بھی دے دی تھی :

فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ○ (هود ۱۷)

"ہم نے ان کو (ابراہیمؑ کو) اسحاقؑ کی اور اسحاقؑ کے بعد یعقوبؑ کی بشارت دی"۔

قرآن نے ان چند الفاظ سے محرفین توراۃ کی اس ساری افسانہ طرازی کو باطل کر کے رکھ دیا ہے۔

ازواج و اولاد توراۃ کی کتاب پیدائش کے باب ۲۹ میں ہے کہ حضرت یعقوبؑ کو حضرت اسحٰقؑ نے تاکید فرمائی کہ کسی کنعانی لڑکی سے شادی نہ کریں بلکہ اپنے ماموں لابن کی لڑکیوں میں سے کسی ایک سے بیاہ کرلیں۔ حضرت یعقوب جب فدان آرام (حاران) پہنچے تو کنوئیں پر ایک مجسمہ حسن و رعنائی سے مڈبھیڑ ہوگئی جو آپ کی ماموں زاد بہن راخل تھیں اسی وقت راخل کی محبت آپ کے دل میں گھر کر گئی۔ توراۃ کا بیان ہے کہ اس پہلی ہی ملاقات میں

"یعقوبؑ نے راخل کو چوما اور چلّا چلّا کر رو دیا" (پیدائش باب ۲۹-۱۱)

آپ کے ماموں لابن کو جب آپ کے سفر کے مقصد کی اطلاع ہوئی تو وہ بطیب خاطر اس امر پر آمادہ ہوگئے کہ آپ کا عقد راخل کے ساتھ کر دیں۔ لیکن شرط یہ طے پائی کہ پہلے آپ سات برس ماموں کی خدمت انجام دیں۔ اس مدت موعودہ کے اختتام پر جب آپ کی شادی ہوئی تو صبح کو معلوم ہوا کہ راخل کی بجائے ان کی بڑی بہن لیاہ[1] آپ کی زوجہ بن چکی تھیں۔ آپ اس بدعہدی پر نہایت برہم ہوئے لیکن لابن نے بتایا کہ رواج کے مطابق بڑی لڑکی

---

[1] لیاہ کے ساتھ ان کی کنیز زلفہ بھی آئی تھیں۔

سے پہلے چھوٹی لڑکی کی شادی نہیں ہو سکتی تھی اس لیے ایک ہفتہ بعد ان کا دُوسرا عقد راخل سے کر دیا گیا۔[۱] ساتھ میں ان کی کنیز بلہاہ بھی آئیں۔ اس دوسرے عقد کے لیے حضرت یعقوبؑ کو سات برس اور لابن کی خدمت انجام دینا پڑی۔ اس کے بعد لابن کی خواہش پر آپ نے چھ سال مزید وہیں قیام کیا۔ اس طرح پورے بیس سال کی مدت فدان ارام میں ماموں کے پاس گذارنے کے بعد حضرت یعقوبؑ نے کنعان کی طرف مراجعت کی۔ اس دوران میں خدا کی برکت آپ کے بابر شامل حال رہی اور آپ کے اثاثہ اور دولت میں بڑی ترقی ہوئی۔

لیاہ اور راخل دونوں میں ابتداء ہی سے رقابت تھی۔ شروع میں لیاہ سے پے در پے چار بیٹے تولد ہوئے مگر راخل کے اولاد نہ ہوئی۔ یہ دیکھ کر راخل نے اپنی کنیز بلہاہ کو آپ کی زوجیت میں دے دیا جن سے دو لڑکے پیدا ہوئے۔ لیاہ نے جب دیکھا کہ ان کے مزید اولاد ہونے میں تاخیر ہوئی تو انھوں نے بھی اپنی کنیز زلفہ کو حضرت یعقوبؑ کی زوجیت میں دیدیا۔ ان سے بھی دو بیٹے پیدا ہوئے۔ اس کے بعد لیاہ سے پھر دو بیٹے اور ایک بیٹی تولد ہوئی۔ آخر میں راخل سے دو بیٹے ہوئے یہ کل ایک لڑکی اور بارہ لڑکے تھے۔ حضرت یعقوبؑ کی یہ تمام اولاد فدان ارام ہی میں پیدا ہو چکی تھی۔ (ملخص از کتاب پیدائش باب ۳۰)

حضرت یعقوبؑ کے ان چاروں ازواج سے جو اولاد ہوئی اُن کے نام یہ ہیں :

(۱) لیاہ LEAH سے : (۱) روبن REUBEN (۲) شمعون SIMEON
(۳) لاوی LEVI (۴) یہوداہ JUDAH
(۵) اشکار ISSACHAR (۶) زبلون ZEBULUN
اور دینہ DINAH (دختر)

(۲) لیاہ کی کنیز زلفہ سے : (۸) جد GAD (۹) آشر ASHER

(۳) راخل کی کنیز بلہاہ سے : (۱) دان DAN (۱۱) نفتالی NEPHTALI

---

[۱] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شریعت میں دو بہنوں کا جمع کرنا جائز ہوگا۔

۴۔ راخل سے : ۔ ۱۲۔ حضرت یوسفؑ JOSEPH اور (۱۳) بن یمین BENJAMIN

حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ کی ازواج و اولاد کی تفصیل ذیل کے شجرہ سے بیک نظر واضح ہو جاتی ہے :

تارح

حضرت ابراہیمؑ — نحور — نحور — حاران

(ازواج) (۱) حضرت سارہ (۲) حضرت ہاجرہ (۳) حضرت قطورا

(اولاد) زمران۔ یقسان۔ مدان۔ مدیان۔ اسباق۔ سوخ

حضرت لوطؑ

ملکاہ (بنت حاران)

بیتوایل

لابن — ربقہ زوجہ حضرت اسحاقؑ

حضرت اسماعیلؑ

نبایوط۔ قیدار۔ ادبایل۔ مشام۔ سمع۔ دومہ۔ مسا۔ حدد۔ تیما۔ جطور۔ نفیس۔ قدمہ۔ بشامہ (دختر)

حضرت یعقوبؑ — عیسو

ازواج حضرت یعقوب

لیاء — راخل — زلفہ (کنیز لیاہ) — بلہاہ (کنیز راخل)

روبن۔ شمعون۔ لاوی۔ یہوداہ۔ اشکار۔ زبلون۔ دینہ (دختر)

حضرت یوسفؑ — بن یمین

جد — آشر

دان — نفتالی

مراجعت اور عیسو ادوم کی برادرانہ شفقت

بیس سال کے بعد جب حضرت یعقوبؑ کنعان (شام) واپس آئے تو آپ کو خطرہ تھا کہ عیسو ادوم کوئی انتقامی کارروائی نہ کریں لیکن عیسو ادوم آپ کی آمد کی اطلاع پا کر کافی دور تک آپ کے استقبال کے

لیے آئے اور برادرانہ شفقت و محبت اور اعزاز و اکرام کے ساتھ آپ کو لے گئے (پیدائش باب ۳۳) فدان ارم سے کنعان کو اسی مراجعت کے دوران میں حضرت یوسفؑ کی حقیقی والدہ راخل کا افرات (بیت لحم) کے قریب انتقال ہو گیا۔ اور وہ وہیں دفن ہو لیں۔ (پیدائش باب ۳۵)

حضرت یوسفؑ کی مفارقت اور حضرت یعقوبؑ کی تسلیم و رضا اور ایمان و عرفان کا سبق آموز منظر

حضرت یعقوبؑ کو اپنے بیٹوں میں سب سے زیادہ محبت حضرت یوسفؑ سے تھی اور یہ بات حضرت یوسفؑ کے سوتیلے بھائیوں پر سخت گراں تھی۔ بالآخر برادران یوسفؑ باہم مشورہ کر کے بلطائف الحیل حضرت یوسفؑ کو باپ سے اجازت لے کر اپنے ساتھ کھیلنے کے بہانے لے گئے اور ایک اندھے کنوئیں میں ڈال دیا اور لوٹ کر روتے ہوئے آئے اور کہنے لگے کہ ان کو تو بھیڑیا کھا گیا۔ بھلا جس نے سوتیلے بھائیوں کی حضرت یوسفؑ کو ساتھ لیجانے کی استدعا ہی پر ان کے دل کے چھپے ہوئے رازوں اور مشوروں کا ادراک کر لیا ہو وہ اس فریب میں کب آسکتا تھا مگر پیغمبر کے صبر و رضا اور ایمان باللہ کی منزلیں ملاحظہ ہوں کہ اس المناک اور روح فرسا واقعہ کو سن کر زبان مبارک سے نکلا بھی تو صرف اتنا

بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ط فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ط وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ○ (سورہ یوسف - ۸)	نہیں بلکہ تم اپنے دل سے یہ بات بنا لائے ہو۔ اب صبر (ہی) بہتر ہے اور خدا ہی سے مدد مانگتا ہوں اس بارے میں جو تم بیان کرتے ہو۔

یعنی حقیقت حال یہ نہیں ہے جو تم بیان کرتے ہو۔ یہ تمھاری سازش اور دلوں کی تراشی ہوئی باتیں ہیں لیکن میں صبر جمیل ہی اختیار کرتا ہوں جس میں نہ کسی غیر کے آگے شکوہ ہو گا۔ نہ تم سے انتقام کی کوشش۔ صرف اپنے خدا ہی سے دعا کرتا رہوں گا کہ اس صبر میں میری مدد فرمائے۔

کچھ عرصہ کے بعد شام میں قحط پڑا اور برادران یوسف دو مرتبہ غلہ لینے کے لیے مصر حضرت یوسفؑ کے پاس گئے جن کو وہ نہ پہچان سکے۔ دوسری دفعہ حضرت یوسفؑ کی فرمائش کے مطابق انھوں نے حضرت یعقوبؑ سے بن یمین کو بھی اپنے ساتھ لے جانے کی استدعا کی اور ان کی حفاظت
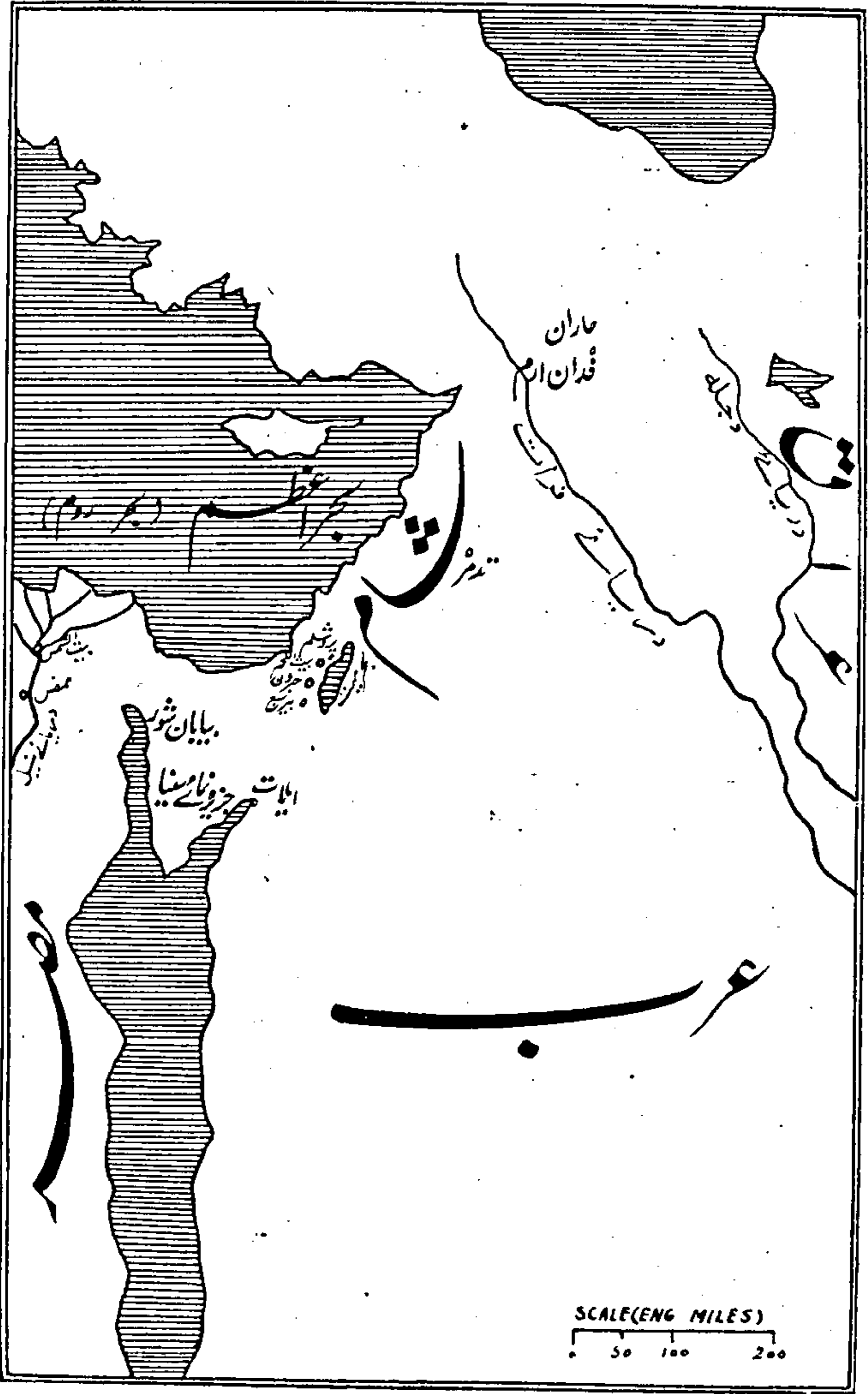
حضرت یوسف علیہ السلام کی ہجرت مصر اور کنعان و مصر کے متعلقہ مقامات
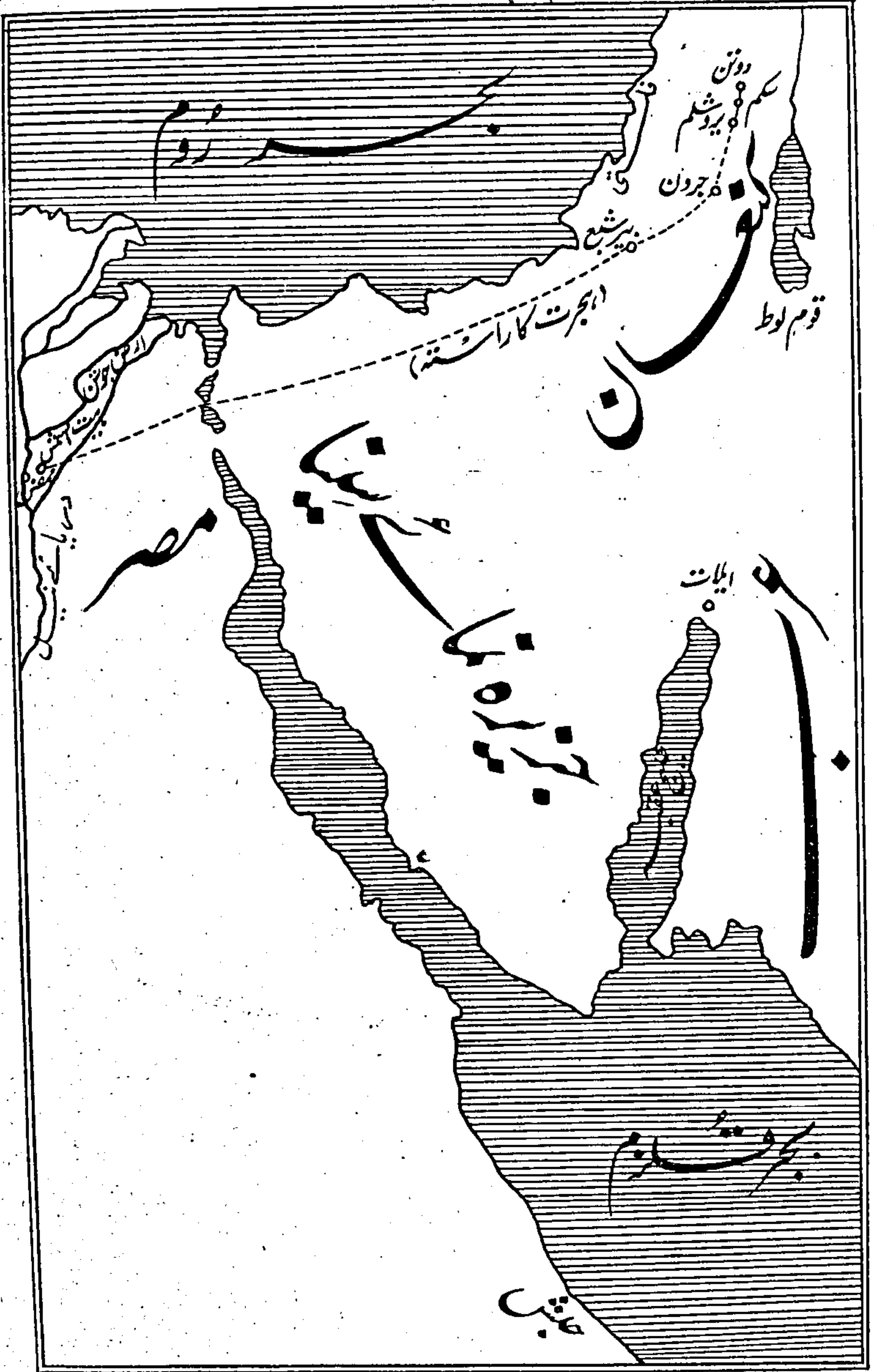
حوالہ صفحہ نمبر ۳۳۲

کرنے کا وعدہ کیا۔حضرت یعقوبؑ نے فرمایا کہ تمھارے وعدہ پر کیا اعتبار کروں۔تم نے تو یوسف کو لے جاتے وقت بھی یہی وعدہ کیا تھا۔

فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ سو خدا ہی بہتر نگہبان ہے اور وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے" (سورہ یوسف۔۶۴)

بالآخر جب حضرت یعقوبؑ بن یمین کو مصر بھیجنے کے لیے آمادہ ہو گئے تو لوگوں کی نظر بد اور حسد سے بچانے کے لیے آپ نے نصیحت فرمائی کہ جب مصر پہنچیں تو شہر میں ایک دروازہ سے داخل نہ ہوں بلکہ منتشر و متفرق ہو کر الگ الگ دروازوں سے داخل ہوں لیکن اس ظاہری تدبیر کی تلقین کے بعد جو الفاظ آپ کی زبان مبارک سے ادا ہوئے وہ خلاصۂ ایمان ہیں اور ایک پیغمبر ہی کے شایان شان ہیں۔ارشاد فرمایا :

وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝ سورۂ یوسف	اور میں خدا کی تقدیر تو تم سے روک نہیں سکتا۔ (بے شک) حکم اسی کا ہے۔اسی پر مجھ کو بھروسہ ہے اور اسی پر بھروسہ رکھنا چاہیے اہل توکل کو۔

جب بیٹے مصر سے لوٹے تو انھوں نے بتایا کہ بن یمین کو سرقہ کے الزام میں روک لیا گیا ہے۔یہ دوسرا صبر آزما صدمہ تھا۔پھر بھی آپ خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہوئے اور قریب وہی الفاظ ارشاد فرمائے جو حضرت یوسفؑ کی گمشدگی پر فرمائے تھے :

بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ (سورۂ یوسف ۸۳)	بلکہ یہ بات تم نے اپنے دل سے بنالی ہے۔تو صبر ہی بہتر ہے عجب نہیں کہ خدا ان سب کو میرے پاس لے آئے، بیشک وہ دانا اور حکمت والا ہے۔

لیکن نیا زخم کھا کر پرانا زخم پھر ہرا ہو گیا اور بے اختیار زبان سے نکلا یٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ (ہائے افسوس یوسف!) آپ کے غم واندوہ کا یہ عالم تھا کہ قرآن کا بیان ہے کہ

وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ۔ (سورہ یوسف ۸۴) "اور ان کی آنکھیں غم سے سفید ہو گئیں، اور وہ گھونٹ رہے تھے اپنے آپ کو"

مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں "حدیث میں ہے نَحْنُ مَعَاشِرَ الْاَنْبِیَاءِ اَشَدُّ بَلَاءً ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ یعنی انبیاء کی جماعت حق تعالیٰ کی طرف سے سخت ترین امتحانوں میں مبتلا کی جاتی ہے، پھر امتحان کی اقسام ہیں۔ ہر نبی کو حق تعالیٰ اپنی حکمت اور اس کی استعداد کے موافق جس قسم کے امتحان میں چاہے مبتلا کرتا ہے یعقوب علیہ السلام کے قلب میں یوسف کی فوق العادت محبت ڈال دی۔ پھر ایسے محبوب اور ہونہار بیٹے کو جو خاندان ابراہیمی کا چشم و چراغ تھا ایسے دردناک طریقہ سے جدا کیا گیا غم۔ دہ اور زخم خوردہ یعقوبؑ کے جگر کو اس روح فرسا صدمہ نے کھا لیا تھا۔ وہ کسی مخلوق کے سامنے نہ صرف حرف شکایت زبان پہ لاتے تھے، نہ کسی سے انتقام لیتے۔ نہ غصہ نکالتے غم کی بات منہ سے نہ نکلتی۔ ہاں جب اپنے آپ کو بہت گھونٹتے تو دل کا بخار آنکھوں کی راہ سے ٹپک پڑتا۔ بیسیوں برس تک چشم گریاں اور سینہ بریاں کے باوجود ادائے فرائض و حقوق میں کوئی خلل نہ پڑنے دیا۔ ان کا دل جتنا یوسف کے فراق میں روتا تھا اتنا ہی خدا کے حضور میں زیادہ گڑگڑاتا تھا۔ درد و غم کی شدت اور اشکباری کی کثرت جس قدر ان کی بصارت کو ضعیف کرتی اسی قدر نور بصیرت کو بڑھا رہی تھی بے تابی و اضطراب کا کیسا ہی طوفان اٹھتا دل پکڑ کر اور کلیجہ مسوس کر رہ جاتے زبان سے اُف نہ نکالتے بنیامین کی جدائی سے جب پرانے زخم میں نیا چرکہ لگا تو اس وقت بے اختیار "یٰاَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ" صرف اتنا لفظ زبان سے نکلا" (فوائد ترجمہ قرآن مجید از شیخ الہند صفحہ ۳۱۷)

شاہ عبد القادر صاحبؒ فرماتے ہیں "ایسا درد اتنی مدت دبا رکھنا پیغمبر کے سوا کس کا کام ہو سکتا ہے" یہ حال دیکھ کر بیٹے کہنے لگے: تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ یُوْسُفَ حَتّٰی تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِیْنَ (سورۂ یوسف ۸۵) "اللہ کی قسم اگر آپ یوسف کو اسی طرح یاد کرتے رہے تو یا تو بیمار ہو جائیں گے یا جان ہی دے دیں گے۔"

آپ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰهِ وَ	میں تو اپنے غم و اندوہ کا اظہار خدا سے کرتا ہوں

اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ یٰبَنِیَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوْسُفَ وَ اَخِیْهِ وَلَا تَایْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکٰفِرُوْنَ ۝

(سورۂ یوسف ۸۶ و ۸۷)

اور خدا کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ بیٹا! (یوں کرو) کہ (ایک دفعہ پھر) جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو کیونکہ خدا کی رحمت سے صرف کافر ہی ناامید ہوتے ہیں۔

بیٹے حسب الارشاد پھر گئے اس مرتبہ حضرت یوسفؑ نے اپنے آپ کو اپنے بھائیوں پر ظاہر کر دیا اور باپ کی بصارت کی بحالی کے لیے اپنا کُرتہ بھیجا اور حضرت لیعقوبؑ کو مع خاندان کے دیگر افراد کے مصر آنے کی دعوت دی۔ ابھی یہ قافلہ پیراہن یوسف لے کر مصر سے روانہ ہی ہوا تھا کہ شام میں حضرت لیعقوبؑ نے فرمایا:

اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْلَا اَنْ تُفَنِّدُوْنِ (سورۂ یوسف ۹۴) "اگر یہ نہ کہو کہ بوڑھا بہک گیا ہے تو مجھے یوسف کی بو آ رہی ہے"

بالآخر جب قافلہ شام پہنچا تو پیراہن یوسف آپ کے منہ پر ڈال دیا گیا اور آپ بینا ہو گئے۔

(سورۂ یوسف ۹۶)

خطاکار بیٹوں کے ساتھ برتاؤ

اب نادم اور خطاکار بیٹے باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی یٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا کُنَّا خٰطِئِیْنَ (سورہ یوسف ۹۷) "ابا! ہمارے لیے گناہوں کی مغفرت مانگیے۔ بیشک ہم خطاکار تھے۔"

اس وقت مجرم خود اقبال کر رہے تھے اور ایک ایسے سنگین جرم کا اقبال جس نے ان کو ان کے عزیز ترین بیٹے سے جدا کر کے غم سے اندھا کر دیا تھا۔ مگر آپ کی عفو و درگذر کا یہ عالم تھا کہ فرمایا:

سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَکُمْ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ (سورۂ یوسف ۹۸) "میں اپنے پروردگار سے تمھارے لیے بخشش طلب کروں گا بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

ہجرت مصر

بالآخر حضرت یعقوبؑ نے اپنے اموال و اسباب و مویشی اور خاندان کے افراد کے ساتھ مصر کو ہجرت فرمائی۔ ان سب افراد کی تعداد توراۃ کے بیان کے مطابق ۷۰ تھی توراۃ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت آپ کی عمر ۱۳۰ سال کی تھی۔ حضرت یوسفؑ اپنا رتھ لیکر استقبال کے لیے آئے اور دونوں بچھڑے ہوئے باپ بیٹے گلے سے چپٹ کر دیر تک روتے رہے (پیدائش باب ۴۶ - ۲۹) - فرعون نہایت اعزاز و اکرام سے پیش آیا اور رعمسیس کا علاقہ جو مصر کا نہایت زرخیز خطہ تھا جاگیر میں دیا۔ (پیدائش باب ۴۷ - ۱۱)

حضرت یعقوبؑ مصر پہنچنے کے بعد سترہ سال اور زندہ رہے (پیدائش باب ۴۷ - ۱۱)

آخر وقت میں بیٹوں کو نصیحت[۱]

قرآن مجید نے اس واقعہ کا تذکرہ اس طرح کیا ہے :

أَمْ كُنتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَٰهًا وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ○ (سورۂ بقرہ ۱۳۳)

بھلا جس وقت یعقوبؑ وفات پانے لگے تو تم اس وقت موجود تھے جب انھوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے تو انھوں نے کہا کہ آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و اسحٰقؑ کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبود یکتا ہے اور ہم اسی کے حکم بردار ہیں[۱]

---

[۱] توراۃ میں حضرت یعقوبؑ کی آخر وقت میں بیٹوں کو نصیحت کا ذکر ہے مگر درحقیقت وہ نصیحت نہیں بیٹوں کے متعلق پیشین گوئی ہے۔ (ملاحظہ ہو کتاب پیدائش باب ۴۹ و تا ۲۷)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے بیٹوں کو جمع کرکے فرمایا، روبن نے اپنے باپ کے بستر کو نجس کیا ہے۔ اس لیے بے ثبات ہوگا، روبن اور لاوی میں باہمی جنگ و قتال ہوگا اور وہ پراگندہ ہو جائیں گے۔ یہوداہ غالب و ممدوح ہوگا اور اس کی نسل میں حکومت باقی رہے گی۔ زبلون ساحل بحر کے قریب سکونت اختیار کرے گا۔ اشکار، غلاموں کی طرح بیگار میں پکڑا جائے گا۔ دان "رہ گذار کا افعی ہے" جد پر ایک فوج حملہ کرے گی مگر یہ اس کے دنبالہ پر چھاپہ مارے گا، آشر زراعت کا پیشہ اختیار کرے گا۔ نفتالی ایک غزال کی مانند ہے جو میٹھی میٹھی باتیں کریگا۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۷۷ پر)

وفات و تدفین

۱۴۷ سال کی عمر میں حضرت یعقوبؑ نے مصر میں وفات پائی۔ حضرت یوسفؑ نے لاش کو حنوط کرایا اور اس میں خوشبو بھروائی جس میں چالیس دن لگے (پیدائش باب ۵۰-۳) پھر ماتم کے ستر دن گذر جانے کے بعد (پیدائش باب ۵۰-۴) حضرت یعقوبؑ کی وصیت کے مطابق (پیدائش باب ۴۹، ۲۸ تا ۳۲) حضرت یوسفؑ ان کی لاش کو لیکر کنعان آئے (پیدائش باب ۵۰ ۵ تا ۱۲) اور ان کو حضرت ابراہیمؑ، حضرت سارہ، حضرت اسحاقؑ اور حضرت ربقہ کے پہلو میں دفن کیا (پیدائش باب ۵۰-۱۳)

———— ❁ ————

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۶) حضرت یوسفؑ ایک پھلنے پھولنے والے درخت کے مانند ہیں جنھوں نے خداوند قدوس سے قوت پائی ہے ان پر بے شمار رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں گی اور بن یمین کا کام بھیڑیے کی طرح لوٹ مار ہوگا۔

توراۃ کا بیان توحید کی اس تعلیم سے یکسر خالی ہے جس کا ذکر قرآن کریم نے کیا ہے، اس لیے دراصل آپ کی نصیحت قرآن ہی میں مذکور ہے توراۃ میں نہیں +

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ (سورۂ یوسف ۲۴)
"بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھے"

حضرت یوسف علیہ السلام JOSEPH

(۱۹۲۷ قم تا ۱۸۱۷ قم)

حضرت یوسفؑ اور توراۃ و قرآن

حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر توراۃ، کتاب پیدائش کے سولہ ابواب (۳۰، ۳۳، ۳۵، ۳۷، اور ۳۹ تا ۵۰) میں نہایت تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ لیکن مقصد صرف تاریخی واقعات کو پیش کر دینا ہے اس تمام تفصیل کے باوجود توراۃ کا بیان حضرت یوسفؑ کے ان پیغمبرانہ کارناموں آپ کی ان عجیب و غریب آزمائشوں، آپ کے کردار کی ان بلندیوں، آپ کے ان فضائل و مناقب، اور علوم و ہدایات کے ان دفتروں سے خالی نظر آتا ہے جو قرآن نے پیش کیے ہیں/ قرآن کریم میں انبیاء سلف کی مثال کے سلسلہ میں حضرت یوسفؑ کے ذکر میں صرف ایک آیت (۳۴) سورۂ مومن میں ہے۔ اور آپ کا مفصل تذکرہ سورۂ یوسف کی آیات ۴ تا ۱۰۱ میں ہے۔ جس میں آپ کے تذکرہ کو "اَحْسَنَ الْقَصَصِ" فرمایا گیا ہے۔ قرآن کریم نے اس تذکرہ کو ایسی عجیب ترتیب اور بلیغ انداز میں پیش کیا ہے جس نے ایک طرف تو پچھلے تذکرہ کی کوتاہیوں پر مطلع کر دیا ہے اور دوسری طرف موقع بہ موقع نہایت اعلیٰ حقائق و نتائج کی طرف رہنمائی کی ہے۔ مثلاً تقدیر الٰہی کی قدرت و برتری، صبر و استقامت کی کامیابی، بغض و عداوت کا انجام بد، جوہر عقل کی شرافت و بزرگی، اخلاقی شرافت اور

پاکدامنی کی جزاء وغیرہ وغیرہ سورہ یوسف کی شان نزول میں مفسرین نے کئی روایتیں نقل کی ہیں۔ جن کا ماحصل یہ ہے کہ یہود نے امتحاناً مشرکین مکہ کے ذریعہ یہ سوال کیا تھا کہ حضرت ابراہیمؑ اور ان کی اولاد تو شام میں رہتی تھی، پھر بنی اسرائیل مصر میں کیسے پہنچ گئے جو موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے مقابلہ کی نوبت پیش آئی۔ شاید مسلمانوں کو بھی بصائر و عبر سے مملو ایک مفصل تاریخی واقعہ کے سننے کا شوق ہوگا چنانچہ یہ سورت نازل ہوئی۔

تاریخ پیدائش و وفات سر چارلس مارسٹن نے بالتحقیق حضرت ابراہیم کی ولادت کی تاریخ ۲۱۶۰ء ق م یا طوفان نوح سے ۱۰۷۲ء سال بعد متعین کی ہے۔ اس سے حضرت اسحٰقؑ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کی تاریخوں کا حساب لگایا گیا ہے۔ ان کی عمریں اور بیٹے کی پیدائش کے وقت باپ کی عمر کے متعلق تصریحات توراۃ میں مل جاتی ہیں۔ مثلاً حضرت ابراہیم کی عمر سو سال کی تھی جب حضرت اسحٰقؑ تولد ہوئے۔ اس لیے حضرت اسحٰقؑ کا سن پیدائش ۲۰۶۰ء ق م ہونا چاہیے۔ حضرت اسحٰقؑ کی عمر ۶۰ سال کی تھی جب حضرت یعقوبؑ پیدا ہوئے۔ اس سے حضرت یعقوبؑ کا سن پیدائش ۲۰۰۰ء ق م معلوم ہوتا ہے۔ جب حضرت یوسفؑ ۱۷ سال کے تھے تو حضرت یعقوبؑ کی عمر ۹۰ سال تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسفؑ کی پیدائش کے وقت حضرت یعقوب کی عمر ۷۳ سال ہوگی۔ اس حساب سے حضرت یوسفؑ کا سن پیدائش ۱۹۲۷ء ق م برآمد ہوتا ہے۔ توراۃ کی تصریح کے مطابق حضرت یوسفؑ نے ۱۱۰ سال کی عمر پائی۔ چنانچہ آپ کا سن وفات ۱۸۱۷ء ق م برآمد ہوتا ہے۔

حضرت یوسفؑ اور آپ کے بھائی حضرت یعقوبؑ کے سلسلہ میں اوپر گذر چکا ہے کہ آپ کی دو بیویاں اور دو کنیزیں تھیں اور ان سے کل آپ کے تیرہ اولادیں ہوئیں۔ ایک بیٹی اور بارہ بیٹے۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

توراۃ۔ کتاب پیدائش باب ۵ - ۲۲)

(۱) لیاہ سے۔ روبن، شمعون، لاوی، یہوداہ، اشکار، زبلون، اور ایک لڑکی دینہ
(۲) راخل سے۔ حضرت یوسفؑ اور بن یمین
(۳) زلفہ (کنیز لیاہ) سے۔ جد اور آشر
(۴) بلہاہ (کنیز راخل) سے۔ دان اور نفتالی

توراۃ کے بیان کے مطابق لیاہ اور راخل دونوں حضرت یعقوبؑ کے ماموں لابن کی بیٹیاں تھیں۔ آپ راخل سے شادی کرنا چاہتے تھے، توراۃ کا بیان ہے کہ

"لابن کے دو بیٹیاں تھیں۔ بڑی کا نام لیاہ اور چھوٹی کا نام راخل تھا لیاہ کی آنکھیں چندھی تھیں، پر راخل حسین اور خوب صورت تھی اور یعقوبؑ راخل پر فریفتہ تھا" [1]

اور راخل کو حاصل کرنے کے لیے آپ نے سات سال تک ماموں کی خدمت کی لیکن توراۃ کا بیان ہے کہ آپ کی وارفتگی اور محبت کا یہ عالم تھا کہ خدمت کے یہ سات طویل سال

"اسے راخل کی محبت کے سبب سے چند دنوں کے برابر معلوم ہوئے" [2]

لیکن لابن نے اس مدت موعودہ کے اختتام پر ملک کے دستور کے مطابق اور بغیر آپ کو اطلاع کیے ہوئے اپنی بڑی بیٹی لیاہ سے آپ کا عقد کر دیا۔ جب صبح کو حقیقت حال آپ پر واضح ہوئی تو آپ ناراض ہوئے۔ لابن نے ایک ہفتہ بعد اپنی چھوٹی بیٹی راخل کا بھی عقد اس شرط پر آپ کے ساتھ کر دیا کہ آپ مزید سات سال خدمت انجام دیں [3] لیکن توراۃ کا بیان ہے کہ

"وہ لیاہ سے زیادہ راخل کو چاہتا تھا" [4]

چنانچہ لیاہ اور راخل میں رقابت کی ابتدا اس طرح ہوئی اور بعد کے واقعات نے

---

[1] توراۃ، کتاب پیدائش۔ باب ۲۹۔ ۱۷ و ۱۸۔
[2] " " " ۔ باب ۲۹۔ ۲۰۔
[3] " " " باب ۲۹ ۲۲ تا ۲۹
[4] " " " باب ۲۹ ۳۰

رقابت کی اس سلگتی ہوئی چنگاری کو بھڑکا کر شعلوں میں تبدیل کر دیا۔ ہوا یہ کہ پہلے لیاہ کے لگاتار چار بیٹے پیدا ہوئے روبن، شمعون، لاوی اور یہوداہ۔ اس بات سے راخل کو انتہائی رشک پیدا ہوا یہاں تک کہ

"وہ یعقوبؑ سے کہنے لگی کہ مجھے بھی اولاد دے نہیں تو میں مر جاؤں گی۔" ؎۱

اور جب راخل کے اولاد نہ ہوئی تو انھوں نے اپنی کنیز بلہاہ کو حضرت یعقوبؑ کی زوجیت میں دے دیا۔ ان سے دو بیٹے پیدا ہوئے دان اور نفتالی۔ اس سے راخل کو بڑی مسرت ہوئی۔ توراۃ میں مرقوم ہے کہ دان کی پیدائش پر راخل نے کہا:

"خدا نے میرا انصاف کیا اور میری فریاد بھی سنی اور مجھ کو بیٹا بخشا" ؎۲

اور نفتالی کی پیدائش پر خوش ہو کر بولیں:

"میں اپنی بہن کے ساتھ نہایت زور مار مار کر کشتی لڑی اور میں نے فتح پائی" ؎۳

لیکن یہ دیکھ کر لیاہ نے جوش رقابت میں اپنی کنیز زلفہ کو بھی حضرت یعقوبؑ کی زوجیت میں دے دیا اور ان سے آپ کے دو بیٹے جد اور آشر تولد ہوئے جس پر لیاہ بہت خوش ہوئیں اور کہنے لگیں:

"میں خوش قسمت ہوں، عورتیں مجھے خوش قسمت کہیں گی۔" ؎۴

اس کے بعد پھر لیاہ کے دو بیٹے اشکار اور زبولون اور ایک بیٹی دینہ تولد ہوئے۔ راخل خود اب تک بے اولاد تھیں لیکن اب

"خدا نے راخل کو یاد کیا اور خدا نے اس کی سن کر اس کے رحم کو کھولا۔ اور وہ حاملہ ہوئی۔" ؎۵

اور اب راخل سے حضرت یوسفؑ اور پھر ان کے بھائی بن یمین پیدا ہوئے۔

؎۱ توراۃ۔ کتاب پیدائش۔ باب ۳۰۔ ۱

؎۲ 〃 〃 〃 باب ۳۰۔ ۶

؎۳ 〃 〃 〃 باب ۳۰۔ ۸

؎۴ 〃 〃 〃 باب ۳۰۔ ۱۳

؎۵ توراۃ کتاب پیدائش باب ۳۰۔ ۲۲

برادران یوسفؑ نے جس رشک و رقابت کے ماحول میں آنکھ کھولی اور پروان چڑھے وہی آگے بڑھ کر حضرت یوسفؑ سے ان کی عداوت کا باعث بنی۔ اس عداوت اور دشمنی کے بھڑک اٹھنے کا ایک مزید باعث یہ امر بھی ہوا کہ توراۃ کے بیان کے مطابق حضرت یوسفؑ اپنے بھائیوں کے

"بُرے کاموں کی خبر باپ کو پہنچا دیتا تھا اور اسرائیلؑ، یوسفؑ کو اپنے سب بیٹوں سے زیادہ پیار کرتا تھا کیونکہ وہ اس کے بڑھاپے کا بیٹا تھا۔ اور اس نے اس کو ایک بوقلموں قبا بھی بنوا دی اور اس کے بھائیوں نے دیکھا کہ ان کا باپ اس کے سب بھائیوں سے زیادہ اسی کو پیار کرتا ہے سو وہ اس سے بغض رکھنے لگے اور ٹھیک طور سے بات بھی نہیں کرتے تھے۔" [۱]

حضرت یوسفؑ کا خواب

قرآن کریم میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ آپ کے خواب ہی کے واقعہ سے شروع ہوتا ہے لیکن جس خواب کا قرآن مجید میں تذکرہ ہے اس سے پہلے کے ایک اور خواب کا ذکر توراۃ اس طرح کرتی ہے:

"اور یوسفؑ نے ایک خواب دیکھا جسے اس نے اپنے بھائیوں کو بتایا تو وہ اس سے اور بھی بغض رکھنے لگے اور اس نے ان سے کہا ذرا وہ خواب تو سنو جو میں نے دیکھا ہے۔ ہم کھیت میں پولے باندھتے تھے اور کیا دیکھتا ہوں کہ میرا پولا اٹھا اور سیدھا کھڑا ہو گیا اور تمہارے پولوں نے میرے پولے کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور اسے سجدہ کیا تب اس کے بھائیوں نے اس سے کہا کہ کیا تو سچ مچ ہم پر سلطنت کرے گا یا ہم پر تیرا تسلّط ہو گا؟ اور انھوں نے اسکے خوابوں اور اس کی باتوں کے سبب سے اس سے اور بھی زیادہ بغض رکھا۔"

(کتاب پیدائش باب ۳۷۔ ۵ تا ۸)

قرآن کریم میں آپ کے اس خواب کا تذکرہ نہیں ہے۔ دوسرا خواب جو قرآن اور توراۃ دونوں میں مذکور ہے۔ قرآن کریم کے جامع الفاظ میں یہ ہے:

---

[۱] توراۃ کتاب پیدائش۔ باب ۳۷ ۳ و ۴

إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ ۝ (سورۂ یوسف ۴)

جب یوسف نے اپنے والد سے کہا کہ ابا! میں نے (خواب میں) گیارہ ستاروں اور آفتاب و ماہتاب کو دیکھا ہے۔ دیکھتا (کیا) ہوں کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔

توراۃ میں ہے:

"اور اس نے اسے اپنے باپ اور بھائیوں دونوں کو بتایا" (کتاب پیدائش باب ۳۷-۱۰)

لیکن قرآن بتاتا ہے کہ نہیں، حضرت یوسفؑ نے یہ خواب صرف حضرت یعقوب کو سنایا اور آپ نے اس کو سُن کر تاکید فرمائی کہ

يَا بُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا ۖ إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ (یوسف-۵)

بیٹا! اپنے خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرنا نہیں تو وہ تمھارے حق میں کوئی فریب کی چال چلیں گے۔ کچھ شک نہیں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

توراۃ میں ہے کہ حضرت یوسفؑ کا یہ خواب سُن کر:

"اس کے باپ نے اُسے ڈانٹا اور کہا کہ یہ خواب کیا ہے جو تو نے دیکھا ہے؟
کیا میں اور تیری ماں اور تیرے بھائی سچ مچ تیرے آگے جھک کر تجھے سجدہ کریں گے؟"
(کتاب پیدائش-باب ۳۷-۱۰)

اس بیان کو پڑھ کر ایک اولوالعزم پیغمبر کی عظمت اور پیغمبرانہ فراست کا احساس نہیں ہوتا ایک عام دنیا کے انسان کا احساس ہوتا ہے جو اپنی نخوت اور تکبر میں یہ کہہ جھلا اُٹھا ہو۔ یہ محرفین توراۃ کا ایک افترا ہے۔ قرآن نے اپنی معجزانہ سادگی اور قصہ کے تسلسل کو قائم رکھتے ہوئے اس قسم کے تمام اغلاط کی تصحیح بھی کی ہے۔ وہ کہتا ہے 'نہیں' واقعہ یہ نہیں ہے۔ حضرت یعقوبؑ نے یہ نہیں کہا بلکہ یہ فرمایا کہ

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝
(سُوْرۂ یوسف ۶)

اور اسی طرح خدا انھیں برگزیدہ و ممتاز کرے گا اور باتوں کو ٹھکانے پر بٹھانے کا علم سکھائے گا اور تم پر اور آلِ یعقوب پر اسی طرح اپنی نعمت پوری کرے گا جس طرح اس نے پہلے تمھارے دادا، پردادا، ابراہیمؑ اور اسحاقؑ پر پوری کی تھی بیشک تمھارا پروردگار سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

برادرانِ یوسفؑ کا آپ کے خلاف باہمی مشورہ

توراۃ کا بیان ہے کہ ایک دن برادرانِ یوسفؑ جنگل میں بھیڑ بکریاں چرانے گئے ہوئے تھے کہ حضرت یعقوبؑ نے پیچھے سے حضرت یوسفؑ کو بھی ان کے پاس بھیجا۔ اور برادرانِ یوسفؑ نے آپ کو دُور سے آتا دیکھ کر آپ کو قتل کر دینے کا ارادہ کیا (کتاب پیدائش باب ۳۷ ۱۲ تا ۲۰) مگر یہ بیان بھی صحت طلب معلوم ہوتا ہے، اگر توراۃ کا یہ بیان صحیح ہے (اور یقیناً صحیح ہے اس لیے کہ قرآن بھی اس کی تائید کرتا ہے) کہ حضرت یعقوبؑ کو اپنے بیٹوں میں سب سے زیادہ حضرت یوسفؑ سے محبت تھی اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہ برادرانِ یوسف کو آپ سے سخت بغض و عناد تھا اور یہ بات یقیناً حضرت یعقوبؑ سے پوشیدہ نہ تھی تو پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ ایک محبت کرنے والا باپ اپنے محبوب بیٹے کو خود تنہا دشمنوں کے حوالے کر دے! یہاں بھی اصل واقعہ کا انکشاف قرآن ہی سے ہوتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ واقعہ وہ نہیں تھا جو موجودہ توراۃ میں ملتا ہے بلکہ واقعہ یوں تھا:

اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ۨ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ

جب انھوں نے (آپس میں) تذکرہ کیا کہ یوسف اور اس کا بھائی ابا کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم جماعت (کی جماعت) ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ ابا صریح غلطی پر ہیں، تو یوسفؑ

أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صٰلِحِينَ ○ (یوسف ۸ و ۹)

کو مار ڈالو یا کسی ملک میں پھینک آؤ، پھر ابا کی توجہ صرف تمہاری طرف ہو جائے گی اور اس کے بعد تم اچھے لوگ ہو جاؤ گے۔

لیکن مشیت ایزدی کو تو حضرت یوسفؑ سے ایک دور دراز ملک میں نبوت کا کام لینا مقصود تھا پھر آپ کے قتل کا منصوبہ کیونکر کامیاب ہو سکتا تھا؛ چنانچہ :

قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِينَ ○ (یوسف، ۱۰)

ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یوسف کو جان سے نہ مارو کسی گہرے کنویں میں ڈال دو، کہ کوئی مسافر نکال لے جائے۔ اگر تم کو کرنا ہے (تو یوں کرو)

اس کہنے والے کا نام توراۃ نے ایک جگہ روبن (کتاب پیدائش باب ۳۷ ۲۱) اور دوسری جگہ یہوداہ (ایضاً باب ۳۷ ۲۶) بتایا ہے۔

برادرانِ یوسف کی حضرت یعقوبؑ سے درخواست اور آپ کا جواب

چنانچہ یہ مشورہ کرنے کے بعد وہ لوگ اکٹھے ہو کر حضرت یعقوبؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور

قَالُوا يٰٓأَبَانَا مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلٰى يُوسُفَ وَإِنَّا لَهُ لَنٰصِحُونَ ○ أَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُونَ ○ (یوسف ۱۱ و ۱۲)

کہنے لگے کہ اباجان کیا سبب ہے کہ آپ یوسفؑ کے بارے میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے حالانکہ ہم اس کے خیر خواہ ہیں، کل اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجیے کہ خوب میوے کھائے اور کھیلے کودے، ہم اس کے نگہبان ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت یعقوبؑ سے اس سے پہلے بھی اسی قسم کی درخواست کر چکے تھے مگر آپ کا دل حضرت یوسفؑ کو ان کے ساتھ بھیجنے پر مطمئن نہیں ہوتا تھا، چنانچہ

اس مرتبہ بھی آپ نے فرمایا :

قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ○ (یوسف ۱۳)

کہا کہ یہ امر مجھے غمناک کیے دیتا ہے کہ تم اسے لے جاؤ (یعنی وہ مجھ سے دُور ہو جائے) اور مجھے یہ بھی خوف ہے کہ تم اس سے غافل ہو جاؤ اور اسے بھیڑیا کھا جائے۔

آپ کے ان اور اسی قسم کے دُوسرے الفاظ سے جو اکثر آپ کی زبان سے ادا ہوئے ہیں اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کا پیغمبرانہ ضمیر ایک ایسا مجلّا اور مصفّا آئینہ تھا جس میں آئندہ ہونے والے واقعات کا ایک دھندلا سا عکس پہلے ہی سے جلوہ افگن ہو جاتا تھا اور وہی چیز آپ کی زبان مبارک سے الفاظ کی شکل میں ادا ہو جاتی تھی۔

بیٹوں نے یہ سُن کر ہر طریقے سے آپ کو اطمینان دلایا اور

قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ○ (یوسف - ۱۴)

کہنے لگے کہ ابا! اگر ہماری موجودگی میں کہ ہم ایک طاقت ور جماعت ہیں اسے بھیڑیا کھا گیا تو ہم نے سب کچھ گنوا دیا۔

اور بالآخر حضرت یعقوبؑ حضرت یوسفؑ کو ان کے ہمراہ بھیجنے پر مجبوری راضی ہو گئے۔

بھائیوں کا حضرت یوسفؑ کو کنوئیں میں ڈالنا اور پھر قافلہ کے ہاتھ فروخت کر دینا

اس طرح بہانہ کر کے آپ کے بھائی حضرت یوسفؑ کو اپنے ہمراہ لے گئے اور آپ کی وہ بوقلموں قبا جو حضرت یعقوبؑ نے خاص طور پر آپ کے لیے بنوائی تھی اور جو آپ اس وقت پہنے ہوئے تھے اتار کر آپ کو ایک خشک کنوئیں میں ڈال دیا (کتاب پیدائش باب ۳۷ - ۲۳ و ۲۴) اس مقام کا نام توراۃ میں "دُوتین" بتایا گیا ہے جو حبرون کی وادی میں سکم سے آگے واقع تھا (کتاب پیدائش باب ۳۷ ۱۵ تا ۱۷) اس وقت توراۃ کی تصریح کے مطابق حضرت یوسفؑ

کی عمر سترہ سال کی تھی (کتاب پیدائش باب ۳۷-۲) اس وقت حضرت یوسفؑ کی تالیف قلب کے لیے ان پر وحی نازل ہوئی :

فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○

(یوسف - ۱۵)

غرض جب وہ اس کو لے گئے اور اس بات پہ اتفاق کر لیا کہ اس کو گہرے کنوئیں میں ڈال دیں تو ہم نے یوسفؑ کی طرف وحی بھیجی - کہ (ایک وقت ایسا آئے گا کہ) تم ان کو اس سلوک سے آگاہ کرو گے اور ان کو (اس وحی کی) کچھ خبر نہ ہو گی۔

توراۃ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسفؑ کو ان کے بھائیوں نے کنوئیں میں ڈالا ہی تھا کہ ایک قافلے کا ادھر سے گزر ہوا - اور بھائیوں نے حضرت یوسفؑ کو ان لوگوں کے ہاتھ فروخت کر ڈالا اور پھر ایک بکرا ذبح کر کے اس کے خون میں حضرت یوسفؑ کی قبا کو تر کیا اور پھر اس کو لے کر حضرت یعقوبؑ کے پاس پہنچے - مگر قرآن کریم میں جس ترتیب سے واقعات بیان ہوئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ توراۃ کی بیان کردہ ترتیب واقعات صحیح نہیں -

قرآن کریم کے مطابق ہوا یہ کہ حضرت یوسفؑ کو کنوئیں میں ڈالنے کے بعد برادرانِ یوسف رات کے وقت روتے ہوئے حضرت یعقوب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے

يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ○

(یوسف ۱۷)

ابا! ہم تو دوڑنے اور ایک دوسرے سے آگے نکلنے میں مصروف ہو گئے اور یوسفؑ کو اپنے اسباب کے پاس چھوڑ گئے تو اسے بھیڑیا کھا گیا اور آپ ہماری بات کو باور نہیں کریں گے گو ہم سچ ہی کہتے ہوں۔

توراۃ میں ہے کہ برادران یوسف آپ کی خون میں تر قبا حضرت یعقوبؑ کے پاس لائے اور بولے کہ یہ ہمیں پڑی ہوئی ملی ہے۔ اس کو پہچان لیجیے کہ یوسفؑ کی ہے یا نہیں اور اسے دیکھ کہ حضرت یعقوبؑ نے

"اسے پہچان لیا اور کہا کہ یہ تو میرے بیٹے کی قبا ہے، کوئی بُرا درندہ اسے کھا گیا ہے یوسف بے شک پھاڑا گیا" (کتاب پیدائش باب ۳۷: ۲۳)

لیکن قرآن کا بیان ہے کہ پیغمبرانہ فراست اس طفلانہ فریب میں نہیں آئی۔ آپ واقعات کی تہ تک فوراً پہنچ گئے اور اس کے جواب میں آپ نے جو الفاظ ارشاد فرمائے وہ ایک طرف آپ کی غیر معمولی فراست و معاملہ فہمی کے ترجمان ہیں اور دوسری طرف آپ کی پیغمبرانہ عظمت اور تسلیم و رضا کے درجہ کا پتہ دیتے ہیں۔

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ○ (یوسف ۱۸)	حضرت یعقوبؑ نے کہا (حقیقت حال یوں نہیں ہے) بلکہ تم اپنے دل سے (یہ) بات بنا لائے ہو، اب صبر ہی بہتر ہے اور اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں اس بات پر جو تم ظاہر کرتے ہو۔

پھر ایسا ہوا کہ اس کنوئیں کی طرف سے ایک قافلہ کا گذر ہوا۔ انھوں نے کنواں دیکھ کر اپنا آدمی پانی بھرنے کے لیے بھیجا۔ اس نے جو ڈول کھینچا تو حضرت یوسفؑ برآمد ہوئے آپ کا حسن و جمال دیکھ کر وہ بے اختیار خوشی سے چیخ اٹھا۔

يَا بُشْرَىٰ هَٰذَا غُلَامٌ ۚ (یوسف ۱۹)	زہے قسمت! یہ تو (نہایت حسین) لڑکا ہے۔

اور آپ کو ایک بیش قیمت شے سمجھ کر اپنے ہمراہیوں سے چھپانے لگا۔

وَأَسَرُّوهُ بِضَاعَةً ۚ (یوسف ۱۹)	اور اس کو قیمتی سرمایہ سمجھ کر چھپا لیا

بھائیوں کو خبر ہوئی تو وہ قافلہ والوں کے پاس پہنچے اور

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ۝ (یوسف ۲۰)

اور اس کو تھوڑی سی قیمت (یعنی) معدودے چند درہموں پر بیچ ڈالا اور انھیں ان کے بارے میں کچھ لالچ بھی نہ تھا۔

یہ شمع بزم رسالت، یہ آفتاب حسن و خوبی، یہ دیار مصر کے خزانوں کا ہونے والا مالک توراۃ کی تصریح کے مطابق صرف بیس چاندی کے سکوں کے عوض بیچ ڈالا گیا (کتاب پیدائش باب ۳۷۔ ۲۸) توراۃ کا بیان ہے کہ یہ قافلہ جس نے حضرت یوسفؑ کو نکالا اور مصر لے گیا اسمٰعیلی عربوں اور مدیانی سوداگروں کا قافلہ تھا (کتاب پیدائش باب ۳۷ ۲۵ و ۲۸) جو جلعاد سے گرم مصالحہ، روغن بلسان اور مُر اونٹوں پر لادے ہوئے مصر جا رہا تھا (توراۃ کتاب پیدائش۔ باب ۳۷۔ ۲۵)۔

یہ آپ کی کنعانی زندگی کے دور کا اختتام اور مصری زندگی کے دور کا آغاز ہے۔

حضرت یوسفؑ کی مصری زندگی

حضرت یوسفؑ اور عزیز مصر | یہ قافلہ حضرت یوسفؑ کو لے کر مصر پہنچا اور یہاں جس شخص نے ان کو خریدا اس کا نام توراۃ نے فوطیفار (POTIPHAR) بتایا ہے جو فرعون کا ایک حاکم اور جلوداروں کا سردار (CAPTAIN OF THE GUARD) تھا۔ (کتاب پیدائش۔ باب ۳۷۔ ۳۶)۔ یہی فوطیفار بگڑ کر عربی میں قطفیر اور کہیں اطفیر بن گیا ہے، اس کا لقب عزیز تھا۔

مصریوں کا غرور تمدن | مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں :

"اس علاقہ (یعنی کنعان) سے تھوڑے سے فاصلہ پر مصر کی سرزمین تمدن

وحضارۃ میں شہرۂ آفاق ہو رہی تھی اور ایک بڑی مملکت کی پائتگاہ تھی۔ اس کا دارالحکومت عمسیس وقت کے علوم وصنائع کا مرکز تھا اور وہاں کے باشندوں میں شہریت واِمارت کی خصوصیتیں نشوونما پا چکی تھیں، جیسا کہ قاعدہ ہے مصر کے لوگ اپنے آپ کو متمدن اور ترقی یافتہ سمجھتے اور اطراف وجوانب کے بدویوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے۔ خصوصاً کنعانی اور عبرانی ان کی نگاہوں میں بڑے ہی ذلیل تھے۔ وہ انھیں "چرواہا" کہہ کر پکارتے۔ اور اس قابل نہ سمجھتے کہ اپنی مجلسوں میں جگہ دیں، یہ بات بھی ان میں عام تھی کہ کوئی مصری کنعانی کے ساتھ ایک دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا نہ کھاتا (پیدائش ۴۳ : ۳۴) اور مصر کے دیہاتی بھی انھیں اس درجہ بُرا سمجھتے کہ اپنی آبادیوں میں ان کا بسنا گوارا نہ کرتے (پیدائش ۴۶ : ۳۴)

حضرت یوسفؑ اور قدرتِ الٰہی کی کرشمہ سازی | مولانا آزاد اس کے آگے لکھتے ہیں :-

"لیکن قدرتِ الٰہی سے ایک عجیب وغریب واقعہ ظہور میں آیا کنعان کے اس بدوی قبیلہ کا ایک کمسن لڑکا بغیر اپنی خواہش ومرضی کے مصر پہنچ گیا اور کچھ عرصہ کے بعد دنیا نے دیکھا کہ اس عظیم الشان مملکت کی حکومت کی باگ اسی کنعانی کے ہاتھوں میں ہے اور بادشاہ سے لیکر مصر کی ادنیٰ رعایا تک سب اس کی عظمت وفضیلت کے آگے جھکے ہوئے ہیں! گویا وقت کی سب سے بڑی پُر شوکت، سب سے بڑی متمدن، سب سے بڑی مغرور مملکت کے تختِ حکمرانی پر اچانک کون پہنچ گیا؟ اسی بدوی قبیلہ کا ایک چرواہا جسے متمدن آبادی کا ہر فرد نفرت وحقارت کی نظر سے دیکھتا تھا!"[1]

اور قدرتِ الٰہی سے ظہور پذیر ہونے والے اس عجیب وغریب واقعہ کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ عزیزِ مصر اُس کمسن بدوی چرواہے" کی پیشانی پر ظاہر ہونے والی فراست اور دمکتے ہوئے نورِ ہدایت سے کچھ اس طرح متاثر ہوا کہ جب وہ آپ کو خرید کر گھر لے گیا تو بیوی کو ہدایت کی :

---

[1] ترجمان القرآن جلد دوم صفحہ ۲۴۹-۲۵۰

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ط (یوسف - ۲۱)	اور مصر میں جس شخص نے اس کو خریدا اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس کو عزت و اکرام سے رکھو عجب نہیں کہ یہ ہمیں فائدہ دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں۔

اور اس کے بعد آپ اس گھر کے مختار کل بن گئے۔

"اور خداوند یوسفؑ کے ساتھ تھا اور وہ اقبالمند ہوا اور اپنے مصری آقا کے گھر میں رہتا تھا اور اس کے آقا نے دیکھا کہ خداوند اس کے ساتھ ہے اور جس کام کو وہ ہاتھ لگاتا ہے خداوند اس میں اسے اقبال مند کرتا ہے چنانچہ یوسفؑ اس کی نظر میں مقبول ٹھہرا اور وہی اس کی خدمت کرتا تھا اور اس نے اسے اپنے گھر کا مختار بنا کر اپنا سب کچھ اسے سونپ دیا اور جب اس نے اسے گھر کا اور سارے مال کا مختار بنایا تو خداوند نے اس مصری کے گھر میں یوسفؑ کی خاطر برکت بخشی اور اس کی سب چیزوں پر جو گھر میں اور کھیت میں تھیں، خداوند کی برکت ہونے لگی اور اس نے اپنا سب کچھ یوسفؑ کے ہاتھ میں چھوڑ دیا اور سوا روٹی کے جسے وہ کھا لیتا تھا اسے اپنی کسی چیز کا ہوش نہ تھا"۔ (کتاب پیدائش۔ باب ۳۹۔ ۲ تا ۶)

اور

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ز (یوسف - ۲۱)	اور اس طرح ہم نے جگہ دی یوسفؑ کو اس ملک میں

عطائے علم و دانش اور یہ قدر و منزلت اور یہ عزت و اکرام بے وجہ نہ تھا، یہ نتیجہ تھا اس زبردست فراست و دانائی کا، اس بے پایاں علم و حکمت کا جو بارگاہ ایزدی سے آپ کو عطا ہوئی تھی۔ کیسا عجیب واقعہ ہے یہ تاریخ انسانی کا! خانہ بدوش اور بدوی قبیلہ کا ایک کم سن اور بظاہر غیر تعلیم یافتہ بچہ وقت کی سب سے زیادہ متمدن حکومت کے عظیم الشان دارالخلافہ میں پہنچتا ہے۔ اور اس کے علم و دانش کے سامنے بڑے سے بڑا پر نخوت سر عزت و احترام سے جھک جاتا ہے! قرآن اسی عطائے علم و دانش کا ذکر کرتا ہے:

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝ (یوسف - ۲۲)

اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچے تو ہم نے ان کو دانائی و علم بخشا' اور نیکو کاروں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔

اسی علم و دانائی کی پیشین گوئی حضرت یعقوبؑ نے ابتداء میں آپ کا خواب سن کر کی تھی :

وَ كَذٰلِكَ یَجْتَبِیْكَ رَبُّكَ وَ یُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ (یوسف - ۶)

اور اسی طرح خدا تمھیں برگزیدہ کرے گا اور باتوں کو ٹھکانے پر بٹھانا سکھائے گا۔

اور اسی علم و دانش کی عطا اور تکمیل کا پیش خیمہ تھا آپ کا تمکن فی المصر' قدرت الٰہی کو یہی منظور تھا کہ عزیز مصر کے یہاں رہ کر آپ بڑے سرداروں کی صحبت دیکھیں تاکہ رموز مملکت کو سمجھنے اور سلجھانے اور باتوں کو ان کے ٹھکانے پر بٹھانے کا کامل سلیقہ اور تجربہ حاصل ہو جائے یہی وجہ ہے کہ مصر میں آپ کے قدم جما دینے کے ذکر کے ساتھ ساتھ اسی آیت میں یہ بھی ارشاد ہوتا ہے :

وَ لِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ؕ (یوسف - ۲۱)

اور مقصد یہ تھا کہ ہم ان کو سکھائیں باتوں کو ٹھکانے پر بٹھانا

سوتیلے بھائی تو سمجھے تھے کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے اور یہ کانٹا ہم نے نکال کر پھینک دیا۔ مگر انھیں کیا معلوم تھا کہ اس کانٹے کا پھکنا ہی اس کے گلستان بن جانے کا پیش خیمہ تھا۔

وَ اللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤی اَمْرِهٖ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ (یوسف - ۲۱)

اور خدا اپنے کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

یہاں ایک اور بات بھی قابل غور ہے' تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ صرف خواب کی تعبیر کا علم نہیں ہے جیسا کہ ہمارے اکثر مفسر بتاتے ہیں بلکہ اس سے بہت وسیع ہے' تعبیر کا علم تو صرف اس کا ایک جز ہے اصل حقیقت یہی ہے جس کی طرف مولانا شبیر احمد عثمانی رح اور مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے اشارہ کیا ہے' ان الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے مولانا شبیر احمد عثمانی رح لکھتے ہیں :

" مثلاً تعبیر رؤیا' یعنی خواب سن کر اس کے اجزاء کو ذہانت و فراست سے ٹھکانے

پر لگا دینا اور ہر بات کے موقع و محل کو سمجھنا اور معاملات کے عواقب و نتائج کو فوراً بھانپ لینا یا خدا اور پیغمبروں کے ارشادات، اقوام و امم کے قصص اور کتب منزلہ کے مضامین کی تہہ تک پہنچ جانا، یہ سب چیزیں "تاویل الاحادیث" کے تحت میں مندرج ہو سکتی ہیں۔"[1]

اور مولانا ابو الکلام آزاد ان الفاظ کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں :

"حضرت یوسفؑ کے حالات میں جا بجا "تاویل الاحادیث" کا لفظ آیا ہے اور اس طرح آیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے یہ ایک علم تھا جو اللہ نے انھیں سکھا دیا تھا۔ پس معلوم ہونا چاہیے کہ اس علم سے مقصود کونسا علم ہے ؟

عربی میں "تاویل" کے معنی کسی بات کے نتیجہ اور مآل کار کے ہیں اور باتوں کے مطلب و مقصد پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے .... "احادیث" یعنی باتیں۔ پس "تاویل الاحادیث" کا مطلب یہ ہوا کہ باتوں کا مطلب و نتیجہ اور مآل بوجھ لینے کا علم، یعنی انسان میں علم و بصیرت کی ایسی قوت کا پیدا ہو جانا کہ ہر بات کے مطلب اور مآل کا شناسا ہو جائے۔ معاملات کی تہہ تک پہنچ جانا، امور و مہمات کے بھیدوں کا رمز شناس ہو جانا، ہر بات کی نبض پہچان لینی، ہر واقعہ کا مطلب پا لینا، کوئی بات کتنی ہی الجھی ہوئی ہو لیکن اس طرح سلجھا لینا کہ ساری باتوں کی کل ٹھیک بیٹھ جائے"[2]

امراۃ العزیز کا فتنہ اور حضرت یوسفؑ کی آزمائش[3]

مصر میں داخل ہونے سے اس وقت تک حضرت یوسفؑ ایک آزمائشی دور سے گذرے تھے مگر یہ آزمائش عقل و فہم کی آزمائش تھی اور اس میں آپ کی بے مثال کامیابی کا اندازہ صرف اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ اس مختصر سے دور میں آپ غلامی و بیچارگی کی پستیوں

---

[1] ترجمہ قرآن مجید شیخ الہند، فوائد از مولانا شبیر احمد عثمانی صفحہ ۳۰۲ + [2] ترجمان القرآن جلد دوم صفحہ ۲۶۲ +

[3] امراۃ العزیز عام طور پر "زلیخا" کے نام سے مشہور ہے مگر یہ نام نہ تورات میں مذکور ہے نہ قرآن نے بتایا ہے، البتہ تالمود میں اس کا نام زلیخا (ZELICHA) بیان ہوا ہے، یہیں سے ہمارے مفسروں نے اس نام کو اختیار کیا، بالآخر حضرت یوسف اور زلیخا کی شادی کا افسانہ بالکل بے بنیاد، لغو اور فرضی ہے۔

سے بلند ہو کر خواجگی و آقائی کی بلندیوں پر پہنچ چکے تھے۔ اب قدرت کو آپ کی ایک انتہائی سخت و شدید آزمائش منظور تھی۔

عزیز مصر کی بیوی آپ کے ملکوتی حسن و جمال کو دیکھ کر ہوش و حواس کھو بیٹھی اور بالآخر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایک دن حرفِ مطلب زبان تک آ ہی گیا' قرآن کا بیان ہے:

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ط (یوسف۔ ۲۳)

اور جس عورت کے گھر وہ رہتے تھے اُس نے ان کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا اور دروازے بند کر کے کہنے لگی (یوسف) جلدی آؤ۔

توراۃ کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خواہش ایک مدت سے اس کے دل میں پرورش پا رہی تھی اور وہ بارہا اس امر کی کوشش بھی کر چکی تھی۔

"اس کے آقا کی بیوی کی آنکھ یوسفؑ پر لگی اور اس نے اس سے کہا کہ میرے ساتھ ہمبستر ہو' لیکن اس نے انکار کیا .... اور وہ ہر چند روز یوسفؑ کے سر ہوتی رہی پر اس نے اس کی بات نہ مانی کہ اس سے ہمبستر ہونے کے لیے اس کے ساتھ لیٹے' اور ایک دن یوں ہوا کہ وہ اپنا کام کرنے کے لیے گھر میں گیا اور گھر کے آدمیوں میں سے کوئی بھی اندر نہ تھا' تب اس عورت نے اس کا پیراہن پکڑ کر کہا کہ میرے ساتھ ہمبستر ہو۔" (کتاب پیدائش باب ۳۹، ۷، ۱۰ تا ۱۲)

اس زبردست ابتلا' اس حیرت انگیز آزمائش کا تصور کیجیے ایک طرف حضرت یوسفؑ ہیں اور ان کا عین عنفوان شباب' وہ شباب جب جذبات اپنی پوری قوت کے ساتھ بیدار ہوتے ہیں اور تڑپ تڑپ کر آمادہ اظہار ہوا کرتے ہیں' وہ جوانی جس کو محاورہ میں دیوانی بھی کہا کرتے ہیں چونکہ نتائج و عواقب سے بے نیاز ہو کر نفس کی راہوں پر بھٹک جانا اس کی فطرت ہے' دوسری طرف ایک زہد شکن حسن رعنا ہے جو اپنے ہی نشہ سے چور ہو کر چھلک پڑنے پر آمادہ ہے' ایک دنیائے شباب و کیف و نشاط ہے جو اپنی ہی جذبات کی گرمی سے تپ کر

یہ التجا سے نیاز میں تبدیل ہو چکی ہے۔

جلدی آؤ	ھَیْتَ لَکَ ط

اور پھر تنہائی ہے، اشتیاق و التجا ہے، دعوتِ قلب و نظر ہے اور دُنیا کی ہر نظر سے پوشیدگی اور پردہ پوشی کا اہتمام، اور پھر ایک حسن و شباب کی دُنیا ہے جو سمٹ کر صرف ایک خواہش فنادگی، صرف ایک جذبۂ سپردگی بن چکی ہے، اور پھر صرف یہی نہیں، ایک طرف اس دعوت کو قبول کرنے کے صلہ میں نفس کی کامرانیاں ہیں اور دنیا کی سربلندیاں، قدر و منزلت کی افزائشیں ہیں اور تمام دنمود کی نعمتیں، اور نہ ماننے کے نتیجہ میں قید و بند کی دھمکیاں ہیں اور ظلم و استبداد کی سختیاں، دنیا کی محرومیاں ہیں اور زندگی کی تلخیاں! غرضیکہ یہ وہ ابتلاء ہے جس کا تصور کرسکے ہی ع۔

بڑے بڑوں کے قدم ڈگمگائے جاتے ہیں

مگر اللہ اکبر! کس قدر بلند ہے عصمت پیغمبری کا مقام بھی! حضرت یوسفؑ اس "قعر دریا" سے اس طرح نکلتے ہیں کہ دامن کہیں سے بھی تر نہیں ہوتا، حسن کی ان تمام جلوہ سامانیوں اور التجاؤں کے جواب میں زبان مبارک سے نکلتا ہے تو صرف یہ کہ

خدا پناہ میں رکھے، وہ (یعنی تمہارے شوہر) تو میرے آقا ہیں۔ انھوں نے مجھے اچھی طرح سے رکھا ہے بیشک ظالم فلاح نہیں پائینگے۔ ✓	مَعَاذَ اللّٰہِ اِنَّہٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ط اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (یوسف - ۲۳)

اس آزمائش کے بارے میں مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

"پچھلی آزمائش ذہن و دماغ کی آزمائش تھی، یہ جذبات کی تھی اور انسان کے لیے سب سے بڑی آزمائش جذبات ہی کی آزمائش ہوتی ہے، وہ سمندر کی موجوں سے ہراساں نہیں ہوتا، پہاڑ کی چٹانوں سے نہیں گھبراتا، آسمان کی بجلیوں سے نہیں لرزتا، درندوں کے مقابلہ سے منہ نہیں موڑتا،

تلواروں کے سائے میں کھیلنے لگتا ہے لیکن نفس کی ایک چھوٹی سی ترغیب اور جذبات کی ایک ادنیٰ کشش کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتا، لیکن حضرت یوسفؑ کی سیرت کی چٹان یہاں بھی متزلزل نہ ہوسکی، ان کی بے داغ فضیلت پر نفس انسانی کا سب سے بڑا فتنہ بھی دھبہ نہ لگا سکا ۔

خود امراۃ العزیز کے لفظوں میں (اور اس سے بڑھ کر کون شاہد ہو سکتا ہے) وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهُ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ[1] (۳۲) وہ اس حال میں بھی اپنی جگہ سے بے جگہ نہ ہوا، اس کوہ عصمت کے لیے ذرا سی بھی جنبش نہ تھی"[2]

اس کے بعد جذبات میں بہتی ہوئی جوانی نے پیکر عفت کا قصد کیا اور عصمتِ معصوم نے اس سے بچنے کی فکر، شیطانی وسواس نے تقویٰ کو ڈگمگا دینا چاہا اور اللہ کی نشانی نے ظاہر ہو کر دستگیری کی۔ حسن ہوس نے مچل کر پیش قدمی کی اور تقدس مجسم مدافعت کرتے ہوئے پیچھے ہٹا، حضرت یوسفؑ دروازہ کی طرف لپکے اور امراۃ العزیز نے ان کا تعاقب کیا۔ یہاں تک آپ کی قمیص کا پچھلا دامن اس کے ہاتھ میں آگیا۔ اس نے دامن کھینچ کر آپ کو روکنا چاہا اور آپ نے باہر نکل جانے کی کوشش کی۔ اس کشمکش میں دامن پیچھے سے پھٹ گیا اور آپ دروازہ کھول کر باہر نکلے ہی تھے کہ عزیز مصر آگیا۔ شوہر کو موقعہ پر دیکھ کر عورت کی فطرت میں سویا ہوا مکر جاگ اٹھا۔ اور اپنی ناکامی اور شکست پر جھنجھلائی ہوئی امراۃ العزیز چیخنے لگی :

مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (یوسف-۲۵)	جو شخص تمھاری بیوی کے ساتھ برا ارادہ کرے اس کی اس کے سوا کیا سزا ہے کہ یا تو قید کیا جاوے یا اس کو دردناک عذاب دیا جائے

---

[1] ترجمہ : اور بیشک میں نے اس کو اپنی طرف مایل کرنا چاہا۔ مگر یہ بچا رہا۔

[2] ترجمان القرآن جلد دوم صفحہ ۲۵۶

بالآخر حضرت یوسفؑ کو مجبوراً حقیقت حال ظاہر ہی کرنا پڑی، پھر بھی آپ نے صرف ان مختصر الفاظ پر اکتفا کی :

هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَّفْسِي (یوسف ۲۶)	اسی نے مجھ کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا-

بالآخر عزیز مصر ہی کے خاندان کے ایک فرد نے فیصلہ کیا کہ حضرت یوسفؑ کی قمیص دیکھی جائے اگر دامن آگے سے پھٹا ہے تو عورت سچی ہے اور یوسفؑ نے اقدام کیا ہے اور اگر پیچھے سے پھٹا ہے تو عورت جھوٹی ہے۔ اور اس نے یوسفؑ کو روکنے اور پکڑنے کی کوشش کی ہے۔ آپ کی قمیص دیکھی گئی تو دامن پیچھے سے پھٹا نکلا اور حقیقت حال منکشف ہو گئی۔

توراۃ میں اس فیصلہ کا کوئی ذکر نہیں ہے، توراۃ کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ امراۃ العزیز نے جب پیش قدمی کی تو آپ اپنا پیراہن اسی کے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگے اور اس نے گھر کے سب لوگوں کو جمع کر کے کہا کہ یہ عبری غلام بُری نیت سے میرے پاس گھس آیا اور جب میں نے شور مچایا تو یہ اپنا پیراہن چھوڑ کر بھاگ گیا اور وہ پیراہن کو اپنے پاس رکھے رہی اور عزیز مصر گھر آیا تو اس نے اس سے بھی یہی بات بیان کی جس کو سُن کر

"اس کا غضب بھڑکا، اور یوسفؑ کے آقا نے اس کو لیکر قید خانہ میں جہاں بادشاہ کے قیدی بند تھے ڈال دیا، سو وہ وہاں قید خانہ میں رہا۔"

(کتاب پیدائش باب ۳۹ ۱۹ و ۲۰)

مگر قرآن کہتا ہے کہ نہیں، بلکہ آپ کی قمیص کا پچھلا دامن پھٹا دیکھ کر وہ حقیقت حال کو سمجھ گیا اور اپنی بیوی سے مخاطب ہو کر بولا :

إِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۖ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ○ (یوسف ۔ ۲۸)	یہ تیرا ہی فریب ہے، کچھ شک نہیں کہ تم عورتوں کے فریب بڑے بھاری ہوتے ہیں

پھر حضرت یوسفؑ کی طرف مخاطب ہو کر کہا :

يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا ۚ بسکتہ۔ (یوسف ۔ ۲۹)	یوسف ! اس بات کا خیال نہ کرو۔

اور پھر بیوی کو حکم دیا :

وَاسْتَغْفِرِیْ لِذَنْۢبِکِ ۚۖ اِنَّکِ کُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِیْنَ ۝ (یوسف ۲۹)	تو اپنے گناہ کی بخشش مانگ، بیشک خطا تیری ہی ہے۔

فتنہ گرانِ حسن اور حضرت یوسفؑ

وہ آگ جو امراۃ العزیز کے نہاں خانۂ دل میں سُلگ سُلگ کر شعلہ بن گئی تھی اب بھڑک کر چاروں طرف پھیل گئی حسینانِ دیارِ مصر میں آپ کے شباب وجمال کے تذکرے چھڑ گئے اور وہ جو دنیا کے لیے غارتگرِ صبر وتحمل اور رہزنِ تمکین وہوش تھیں خود ایک نادیدہ بدوی غلام کو دل دے کر اپنی متاعِ صبر وقرار لٹا بیٹھیں۔ دیدارِ حبیب کی ترکیبیں سوچی گئیں اور راستے تلاش کیے گئے اور بالآخر انھوں نے ایک کامیاب نفسیاتی تدبیر اختیار کی انھوں نے طعن وتشنیع کا حربہ استعمال کر کے امراۃ العزیز کو ہدفِ ملامت بنا لیا کہ رقیب کو غصہ دلا کر کسی ایسے عمل پر مجبور کر دیں جو دیدارِ حبیب کا موجب بن جائے۔

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِی الْمَدِیْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ (یوسف۔ ۳۰)	اور شہر کی عورتیں گفتگوئیں کرنے لگیں کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتی ہے اور اس کی محبت اس کے دل میں گھر کر گئی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ صریح گمراہی میں ہے۔

نتیجہ وہی ہوا جس کی وہ متوقع تھیں۔ جب امراۃ العزیز نے یہ سُنا تو وہ بپھر گئی اور ملامت کرنے والیوں کو خود ہدفِ ملامت بنا دینے اور خود نکتہ چینی کرنے والیوں کی پارسائی اور ضبط وتحمل کے امتحان لینے کا سامان کر ڈالا۔

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً (یوسف۔ ۳۱)	پھر جب اس نے ان عورتوں کا فریب سُنا تو ان کو بُلا بھیجا اور ان کے لیے ایک محفل مرتب کی

یہ کھانے کی ایک نہایت پُرتکلف مجلس تھی، انواع و اقسام کے کھانے اور پھل چن دیے گئے اور ان کو تراشنے کے لیے ہر عورت کے ہاتھ میں ایک چھری دے دی گئی اور جب انھوں نے پھل تراشنے چاہے تو امراۃ العزیز نے جو اسی لمحہ کا انتظار کر رہی تھی حضرت یوسفؑ کو آواز دی:

قَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ (یوسف ۳۱)	بولی (یوسف!) نکل آؤ ان کے سامنے

گویا زبانِ حال سے چیلنج کر رہی تھی کہ

این است کہ خون خوردہ و دل بردہ بسے را
بسم اللہ اگر تاب نظر ہست کسے را

حضرت یوسفؑ کا داخل ہونا تھا کہ محفل میں ایک بجلی سی کوندی، آپ کے حیرت انگیز حُسن و جمال نے عقل و دل و نگاہ کو کچھ اس طرح جذب کیا جیسے گردش روزگار چلتے چلتے اچانک تھم گئی ہو، جیسے وقت کے لامتناہی تسلسل سے ایک لمحہ جُدا ہو کر لافانی و ابدی بن گیا ہو، عقل و ادراک اور ہوش و حواس کی حدود ختم ہو چکی تھیں، یہ لمحہ بس عبارت تھا لذت دید کی سرمستی و مدہوشی سے ع

مستی سے ہر نگہ ترے رُخ پر بکھر گئی

اور جب ہوش آیا تو پھلوں کی بجائے ہاتھ کٹ چکے تھے اور خون بہہ رہا تھا، وہ بیساختہ و بے اختیار پکار اٹھیں

حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ۭ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۝ (یوسف-۳۱)	حاشا للہ! یہ آدمی نہیں، یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے!

اب امراۃ العزیز کو موقع ملا کہ ان کے طعن و تشنیع کے تیر ان ہی کی طرف لوٹا دے

قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ۭ (یوسف-۳۲)	بولی، یہ وہی تو ہے جس کے بارے میں تم مجھے طعنے دیتی تھیں۔

اور بالآخر رنگ محفل دیکھ کر وہ بالکل ہی کھل پڑی اور بھری مجلس میں اعتراف کیا کہ بے شک میں نے ہی اس کو مائل کرنا چاہا تھا مگر یہ پیکرِ ایمان وحیا بچا ہی رہا پھر اپنی نامرادی و ناکامی سے تڑپ کر حضرت یوسفؑ کو اپنی تحکمانہ دھمکیوں سے مرعوب کرنے کی کوشش کی کہ شاید اب بھی خوف زدہ ہو کر

آپ مطلب براری پر آمادہ ہو جائیں :

وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ (یوسف - ۳۲)

اور اگر یہ وہ کام نہ کرے گا جو میں اس سے کہتی ہوں تو قید کر دیا جائے گا اور ذلیل ہوگا

مگر اس رفعت کردار کا کیا ٹھکانا ہے کہ پھر بھی حضرت یوسفؑ عیش و نشاط اور لذت و کامرانی کی دعوتوں کو ٹھکرا کر قید و بند کی صعوبتوں کو پسند فرماتے ہیں : [1]

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ○ (یوسف - ۳۳)

یوسفؑ نے دعا کی کہ پروردگار جس کام کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں اس کی نسبت مجھے قید پسند ہے اور اگر تو مجھ سے ان کے فریب کو نہ ہٹائے گا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادانوں میں داخل ہو جاؤں گا۔

دعا مقبول بارگاہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان فتنہ گران حسن کا مکر دفع کر دیا۔ سوچ بچار کر کے رائے یہی قائم کی گئی کہ گو آپ معصوم اور بے قصور ہیں پھر بھی مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ کچھ عرصہ آپ کو قید میں رکھا جائے کہ ایک طرف تو پھیلتی ہوئی بدنامی رک سکے اور دوسری طرف کچھ مدت تک حضرت یوسفؑ اس عورت کی نظر سے دور رہیں، چنانچہ

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ○ (یوسف - ۳۵)

پھر باوجود اس کے کہ وہ لوگ نشان دیکھ چکے تھے ان کی رائے یہی ٹھہری کہ کچھ عرصے کے لیے ان کو قید ہی کر دیں۔

یہ حضرت یوسفؑ کی تیسری آزمائش تھی اور مولانا ابوالکلام آزاد کے لفظوں میں

"اب صرف ایک امراۃ العزیز ہی کا فتنہ نہ تھا، دارالحکومت مصر کے تمام فتنہ گران حسن جمع ہو گئے تھے کہ ان کی متاع ضبط و تحمل کی غارتگریوں میں حصہ لیں۔

---

[1] توراۃ اس واقعہ کے ذکر سے یکسر خاموش ہے۔

وائے بر صید کہ یک باشد و صیادے چند

مگر نتیجہ یہاں بھی کیا نکلا "قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ۭ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۝" (یوسف-۳۱) [1]

حضرت یوسفؑ اور قید خانہ

ہمارے اکثر مفسروں کا کہنا ہے کہ (معاذ اللہ) حضرت یوسفؑ نے قید خانہ کی خواہش کر کے بدفالی اور بدشگونی کی ورنہ قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلا نہ ہوتے اس کا جواب غالباً اس سے بہتر نہیں دیا جا سکتا جو مولانا ابوالکلام آزاد نے دیا ہے، آپ لکھتے ہیں :

"یہ حضرت یوسفؑ کی سیرت کا سب سے زیادہ عظیم مظاہرہ ہے، یہ عشق حق کا نمونہ ہے یہ پرستاری حق کا دستور العمل ہے یہ ایمان کامل کا معیار ہے، جب ان کے سامنے دو باتیں پیش کی گئیں، زندگی کا عیش مگر معصیت حق کی راہ میں، زندگی کے شدائد مگر راستبازی کی راہ میں، تو ان کا فیصلہ قطعی اور بغیر کسی تامل کے یہ تھا السجن احب الی مما یدعوننی الیہ (۳۳) قید خانہ مجھے محبوب ہے مگر وہ بات نہیں جس کی مجھے دعوت دی جا رہی ہے!

ہمارے مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ حضرت یوسفؑ کی بدشگونی تھی کہ خود قید خانہ کی بات بول اٹھے، اگر جلدی میں آ کر ایسا نہ کہہ دیتے تو یہ ابتلاء پیش نہ آتی افسوس کس درجہ حقیقت فراموشی ہے، حضرت یوسفؑ کی جو بات ان کی پاکی اور عظمت کا سب سے بڑا جوہر تھی وہی ان حقیقت ناآشناؤں کی نظر میں ان کی لغزش ہو گئی گویا حضرت یوسفؑ کا قید خانہ کو معصیت پر ترجیح دینا اور اسے خوشی خوشی اختیار کر لینا کوئی ایسی بات تھی جو نہ ہونا چاہیے تھی کہ حضرت یوسفؑ نے بدشگونی کی بات کہہ دی تھی غور کرو کہ قرآن کہاں ہے اور اس کے شارح کہاں پہنچ گئے ہیں؟" [2]

قید خانہ میں بھی تائید ایزدی نے دستگیری کی اور آپ نے اپنے پاکیزہ کردار اور ستودہ صفات کی بنا پر جلد

---

[1] ترجمان القرآن جلد دوم صفحہ ۲۵۷ ۔ [2] ترجمان القرآن جلد دوم صفحہ ۲۵۷، ۲۵۸

ہی وہ درجہ حاصل کر لیا کہ داروغہ جیل نے سب انتظام آپ ہی کے ہاتھوں میں سونپ دیا۔ توراۃ کا بیان ہے کہ

" خداوند یوسفؑ کے ساتھ تھا، اس نے اس پر رحم کیا اور قید خانہ کے داروغہ کی نظر میں اسے مقبول بنایا، اور قید خانہ کے داروغہ نے سب قیدیوں کو جو قید میں تھے، یوسفؑ کے ہاتھ میں سونپا اور جو کچھ وہ کرتے اسی کے حکم سے کرتے تھے اور قید خانہ کا داروغہ سب کاموں کی طرف سے جو اس کے ہاتھ میں تھے بے فکر تھا اس لیے کہ خداوند اس کے ساتھ تھا اور جو کچھ وہ کرتا خداوند اس میں اقبال مندی بخشتا تھا" [۱]

سچ ہے،

صدر ہر جا کہ نشیند صدر است

قید خانہ کے ساتھیوں کا خواب اور حضرت یوسفؑ کی تعبیر

کچھ عرصہ کے بعد فرعون اپنے دو سرداروں سے ناراض ہو گیا ان میں سے ایک شاہی ساقیوں کا سردار اور دوسرا نان پزوں کا سردار تھا، یہ دونوں اسی قید خانہ میں بند کر دیے گئے جس میں حضرت یوسفؑ تھے (توراۃ، کتاب پیدائش باب ۴۰ آ تا ۳) ایک رات ان دونوں نے ایک خواب دیکھا اور تعبیر کے لیے حضرت یوسفؑ کے پاس حاضر ہوئے۔ ساقی نے کہا، میں نے دیکھا کہ شراب کے لیے انگور نچوڑ رہا ہوں، نان پز نے کہا، میں نے دیکھا کہ سر پر روٹیوں کا ٹوکرا اٹھائے ہوئے ہوں اور جانور ان میں سے کھا رہے ہیں۔ آپ ہمیں ان خوابوں کی تعبیر بتا دیجیے۔ حضرت یوسفؑ نے فرمایا کہ اس سے پہلے کہ دوپہر کا کھانا آئے میں تمھیں ان خوابوں کی تعبیر بتا دوں گا چونکہ یہ منجملہ ان باتوں کے ہے جو میرے پروردگار نے مجھے تعلیم فرمائی ہیں۔

اب جب آپ نے دیکھا کہ وہ لوگ آپ کی طرف متوجہ ہیں تو آپ نے موقع مناسب پا کر قید خانہ ہی میں تعبیر بیان کرنے سے پہلے تبلیغ و ارشاد کا سلسلہ چھیڑ دیا اور نہایت دلنشیں پیرایہ میں توحید کی

---

[۱] کتاب پیدائش۔ باب ۳۹ ۲۱ تا ۲۳

تعلیم دی اور ان کے باطل عقاید کی تردید فرمائی۔ آپ نے ارشاد فرمایا :

اِنِّیْ تَرَکْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ۝ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ (یوسف ۳۷ تا ۴۰)

جو لوگ خدا پہ ایمان نہیں لاتے اور روز آخرت سے انکار کرتے ہیں میں ان کا مذہب چھوڑے ہوئے ہوں، اور اپنے باپ دادا، ابراہیمؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ کے مذہب پہ چلتا ہوں، ہمیں شایاں نہیں ہے کہ کسی چیز کو خدا کا شریک بنائیں، یہ خدا کا فضل ہے ہم پر بھی اور لوگوں پر بھی۔ لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے، میرے جیل خانہ کے رفیقو! بھلا کئی جدا جدا آقا اچھے یا (ایک) خدائے یکتا و غالب؟ جن چیزوں کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمھارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، خدا نے ان کی کوئی سند نازل نہیں کی۔ (سن رکھو کہ) خدا کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے۔ اس نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، یہی سیدھا دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اس وعظ و نصیحت کے بعد آپ نے ان کے خوابوں کی تعبیر بیان فرمائی۔ آپ نے کہا کہ جس نے پہلے خواب بیان کیا ہے اس کا قصور معاف کر دیا جائے گا، وہ اپنے عہدہ پر بحال ہو جائے گا۔ اور فرعون کو شراب پلایا کرے گا اور جس نے بعد کو خواب بیان کیا ہے اس کو پھانسی دیدی جائیگی اور جانور اس کا سر نوچ نوچ کر کھائیں گے۔ اور توراۃ کا بیان ہے کہ

"تیسرے دن جو فرعون کی سالگرہ کا دن تھا یوں ہوا کہ اس نے اپنے سب

نوکروں کی ضیافت کی اور اس نے سردار ساقی اور سردار نان پز کو اپنے نوکروں کے ساتھ یاد فرمایا۔ اور اس نے سردار ساقی کو پھر اس کی خدمت پر بحال کیا اور وہ فرعون کے ہاتھ میں پیالہ دینے لگا، پر اس نے سردار نان پز کو پھانسی دلوائی جیسا یوسفؑ نے تعبیر کر کے ان کو بتایا تھا"[1]

ان دونوں میں سے جس شخص کے متعلق حضرت یوسف کو یقین تھا کہ بری ہو جائے گا اس سے آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ جب تو فرعون کی خدمت میں پہنچے تو میرا بھی ذکر کرنا لیکن جب وہ بحال ہو کر دربار میں پہنچا تو شیطانی وساوس نے اس کو کچھ ایسا غافل کیا کہ وہ حضرت یوسفؑ کا ایک مدت دراز تک ذکر کرنا ہی بھول گیا۔ اور آپ اس دوران میں قید خانہ ہی میں محبوس رہے۔

فرعون مصر

اس وقت مصر کا جو حاکم تھا اس کا نام مورخ یعقوبی کی تصریح کے مطابق ریان بن ولید تھا۔ یہ خاندان عمالقہ میں سے تھا، عمالقہ وہی ہیں جنہیں مصر کی تاریخ میں ہیکسوس[2] (Hyksos) کہا گیا ہے اور جن کے متعلق بتایا گیا ہے کہ در اصل چرواہوں کی ایک قوم تھی، جدید تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ عرب سے مصر آئے تھے، یہ قوم در اصل عربی قبائل عاربہ ہی کی ایک شاخ تھی معجم یاقوت میں تصریح ہے کہ حضرت ابراہیمؑ، حضرت یوسفؑ اور حضرت موسیٰؑ کے زمانہ کے فرعون اسی خاندان عمالقہ میں سے تھے۔

فرعون مصر کا خواب اور حضرت یوسفؑ کی تعبیر

اس واقعہ کے دو برس بعد فرعون مصر نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا، اس نے دیکھا سات موٹی گائیں ہیں اور سات دبلی اور دبلی گائیں موٹی گاؤں کو کھا رہی ہیں۔ توراۃ میں اتنا اور ہے

---

[1] کتاب پیدائش باب ۴۰، ۲۰ تا ۲۲ + [2] لفظ "ہیکسوس" (Hyksos) کا مینیھتو (Manetho) نے اس طرح ترجمہ کیا ہے "ہیک" (Hyk) یا "ہیگ" (Heg) بمعنی "شہزادہ" "سوس" (Sos) "یا شاشو" (Shashu) بمعنی "چوپان" یعنی چوپانوں کا شہزادہ۔ بیشتر ہیکسوس مخلوط عرب النسل (Semitic race) سے تھے وہ مشرق کی طرف سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ شروع میں یہ مصریوں پر چھاپے مارتے رہے اور بالآخر انھوں نے مقامی لوگوں کو مغلوب کر کے مصر میں اپنی حکومت قائم کر لی (ملاحظہ ہو "موجودہ تاریخ کا خاکہ" مصنفہ لیڈی امہرسٹ آف ہیکنی: (A sketch of Modern History by lady Amherst of Hockney)

ہے کہ اس نے دیکھا کہ وہ لب دریا کھڑا ہے اور اس میں سے پہلے سات خوب صورت موٹی گائیں برآمد ہوئیں اور سات بدشکل دبلی گائیں۔ اور دبلی گائیں موٹی گاؤں کو کھا گئیں (کتاب پیدائش باب ۴۱ ا تا ۴) پھر اس نے دوسرا خواب دیکھا کہ سات سبز خوشے ہیں اور سات خشک (قرآن) اور خشک خوشے سبز خوشوں کو نگل گئے (توراۃ) صبح کو جب فرعون اٹھا تو ان خوابوں کو غیر معمولی سمجھ کر گھبرایا اور اس نے تمام سرداروں اور علما سے ان کی تعبیر پوچھی۔ لیکن وہ سب یہ کہہ کر خاموش ہو گئے کہ

اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ج وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ○ (یوسف ۴۴)	یہ تو پریشان سے خواب ہیں اور ہمیں ایسے خوابوں کی تعبیر نہیں آتی۔

اب ساقیٔ شاہ کو دو برس کے بعد حضرت یوسفؑ کی یاد آئی اور اس نے فرعون سے اجازت چاہی کہ قید خانہ جا کر اس کے خوابوں کی تعبیر معلوم کر آئے اور جیسا کہ توراۃ میں ہے، قید خانہ میں اپنے اور اپنے ساتھی کے خواب اور حضرت یوسفؑ کی تعبیر کا واقعہ بھی سنایا۔ اجازت ملنے پر وہ قید خانہ پہنچا اور حضرت یوسف سے کہنے لگا :

يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ لَّعَلِّيْٓ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ (یوسف ۴۶)	یوسف! اے صدیق! ہمیں (اس خواب کی تعبیر) بتائیے کہ سات موٹی گایوں کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات سبز خوشے ہیں اور سات سوکھے، تاکہ میں لوگوں کے پاس واپس جا کر (تعبیر بتا دوں) عجب نہیں کہ وہ آپ کی قدر جانیں۔

آپ نے فرمایا اس کی تعبیر یہ ہے کہ سات سال بڑی کثرت سے غلہ پیدا ہوگا اور فصل بہت اچھی ہوگی تم لوگوں کو چاہیے کہ تھوڑے سے غلہ کے علاوہ جو کھانے میں استعمال ہو باقی غلہ خوشوں ہی میں رہنے دینا۔ پھر اس کے بعد قحط و خشک سالی کے سات سال آئیں گے جو بہت سخت ہوں گے اور جو غلہ تم نے جمع کر رکھا ہوگا وہ اس سب کو کھا جائیں گے

صرف وہی تھوڑا سا باقی رہ جائے گا جو تم احتیاط سے رکھ چھوڑو گے، پھر اس کے بعد ایک سال آئے گا جب خوب بارش ہو گی اور لوگ اس میں رس نچوڑیں گے۔ (قرآن)

تعبیر کے اس آخری حصہ کا ذکر جس میں بارش کے سال کا ذکر ہے، توراۃ میں موجود نہیں ہے ۔

حضرت یوسفؑ کی فرعون کے دربار میں طلبی

توراۃ میں ہے جب ساقی نے حضرت یوسفؑ کا ذکر فرعون سے کیا اور قید خانہ میں اپنے اور نان پزوں کے سردار کے خواب و تعبیر کا واقعہ سنایا تو اُس نے حضرت یوسفؑ کو قید خانہ سے طلب کیا اور

"انھوں نے جلد اسے قید خانہ سے باہر نکالا اور اس نے حجامت بنوائی اور کپڑے بدل کر فرعون کے سامنے آیا" (کتاب پیدائش باب ۱۴۱ -۱۴)

اور آپ نے دربار ہی میں اس کا خواب سن کر اس کی تعبیر بیان فرمائی مگر قرآن نے اپنی معجزانہ بلاغت سے اس امر کی تردید کی ہے اور بتایا ہے کہ یہ واقعہ قید خانہ ہی میں پیش آیا۔ تعبیر سُن کر فرعون پھڑک اٹھا اور بصد احترام و اشتیاق آپ کو اپنے پاس بلایا۔ دنیا کا بڑے سے بڑا انسان جو سالہا سال سے بے قصور و بے خطا قید و بند کی سختیاں اور صعوبتیں جھیل رہا ہو ایسے موقعہ پر خوشی سے تڑپ اٹھتا اور جلد از جلد اس مصیبت سے باہر نکلنے کی کوشش کرتا۔ مگر مرحبا! عظمتِ پیغمبری کہ اس وقت بھی طبع معصوم کو بغیر اپنی عصمت و عفت اور نزہت و طہارت کا اعلانیہ اقبال کرائے باہر تشریف لانا گوارا نہ ہوا اور اقبال بھی خود ان کی زبانی جنھوں نے اس آفتاب پاکیزگی پر خاک ڈالنے کی کوشش کی تھی! آپ نے شاہی قاصد سے ارشاد فرمایا :

فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ	جب قاصد ان کے پاس گیا تو انھوں نے اُس سے کہا کہ اپنے آقا کے پاس واپس لوٹ

الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَھُنَّ ط اِنَّ رَبِّیْ بِکَیْدِھِنَّ عَلِیْمٌ ○ (یوسف ۵۰)

جاؤ اور ان سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے بے شک میرا پروردگار ان کے مکروں سے خوب واقف ہے

تفتیش حال

فرعون نے آپ کا یہ پیغام سُن کر حقیقت حال کی تفتیش کی۔ خواتین مصر جو امراۃ العزیز کی دعوت پر شریک محفل ہوئی تھیں ان سے حضرت یوسفؑ کے متعلق استفسار کیا گیا فرعون نے ان سے بڑا چبھتا ہوا اور نازک سوال کیا :

مَا خَطْبُکُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِہٖ ط (یوسف۔۵۱)

بھلا اس وقت کیا ہوا تھا جب تم نے یوسفؑ کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا۔

انھوں نے اس سوال کے جواب میں جو بیان دیا وہ قرآن کے لفظوں میں یہ ہے :

قُلْنَ حَاشَ لِلّٰہِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْہِ مِنْ سُوْٓءٍ ط (یوسف۔۵۱)

(سب) بول اٹھیں، حاشا اللہ، ہم نے ان میں کوئی برائی معلوم نہیں کی۔

امراۃ العزیز کا اعلانیہ اعتراف حق

اب امراۃ العزیز سے باز پرس ہوئی چونکہ اس ڈرامہ کا مرکزی کردار وہی تھی۔ جس بدنامی کو چھپانے اور جس لغزش پر پردہ ڈالنے کے لیے حضرت یوسفؑ کو بے قصور قید خانہ بھیج دیا گیا تھا۔ اب اسی کے متعلق پوچھ گچھ ہو رہی تھی لیکن اس وقت کی امراۃ العزیز پہلے کی امراۃ العزیز نہ تھی، ہجر و فراق کی ایک طویل مدّت نے اس کو کچھ اس طرح تپایا تھا کہ طلب معصیت اب محبت کی پاکیزگی اور پختگی بن گئی تھی اور نفس کی بھوک اب رُوح کی غذا بن چکی تھی، نام، عزت، شہرت، راہ حبیب میں اب کوئی چیز محبوب نہ تھی۔ اس کے زبان حال کی تو اب صدا یہ تھی کہ ؎

در رہ عشق ہر چہ می آید نکوست
مرحبا نا مہربانی ہائے دوست

چنانچہ اب سب کے سامنے بغیر کسی جھجک کے اپنی لغزش کا اعتراف اور حضرت یوسفؑ کی طہارت و عصمت کا اعلان کر دیا :

قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ الْئٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ زاَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ○ (یوسف -۵۱)

عزیز کی بیوی نے کہا' اب سچی بات تو ظاہر ہو ہی گئی ہے حقیقت یہ ہے کہ میں نے اس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا اور وہ بیشک سچا ہے۔

امراۃ العزیز کا کردار

مولانا ابوالکلام آزاد اپنے مخصوص طرز میں رقمطراز ہیں :

" اس شخصیت میں ہم دیکھتے ہیں کہ عشق و ہوس کے مختلف مراتب یکے بعد دیگرے نمایاں ہوئے ہیں اور قرآن حکیم نے ایک عجیب اسلوب بلاغت کے ساتھ انھیں ہر جگہ ابھارا ہے۔ اور ہر مرتبہ کی خصوصیت واضح کر دی ہے۔

سب سے پہلے وہ واقعہ سامنے آتا ہے جب اس نے حضرت یوسفؑ کو دعوت عیش دی اور ناکام رہی۔ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا ج لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ[1] (۲۴) اور جب پردہ فاش ہو گیا اور شوہر سامنے کھڑا نظر آیا تو اپنی ذلت و رسوائی برداشت نہ کر سکی' جھٹ اپنا جرم دوسرے کے سر ڈال دیا' اور پھر کس دوسرے کے سر؟ اسی کے سر جس کی محبت و شیفتگی کی مدعی بنی تھی قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ[2] (۲۵) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محبت میں ابھی کچی تھی اور ہوس سے معاملہ آگے نہیں بڑھا تھا' کیونکہ اگر محبت کامل ہوتی تو محبت کی راہ میں ذلت و رسوائی سے نہ ڈرتی اور خود اپنے محبوب کے سر جھوٹا الزام نہ لگاتی۔

لیکن پھر جب کچھ دن گذر گئے تو معلوم ہوتا ہے اس حالت نے دوسرا رنگ اختیار

---

[1] ترجمہ : اور اس عورت نے ان کا قصد کیا اور انھوں نے اس کا قصد کیا' اگر نہ ہوتا ایسا کہ دیکھیں قدرت اپنے رب کی۔
[2] ترجمہ : کہنے لگی کہ جو شخص تمھاری بیوی کے ساتھ برا ارادہ کرے اس کی اس کے سوا کیا سزا ہے کہ یا تو قید کیا جائے یا دکھ کا عذاب دیا جائے۔

کیا، اب اسے لائمات کے سامنے تو اقرار محبت میں عار نہ آیا لیکن دنیا کے آگے اقرار نہ کر سکی -

وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ[1] (۳۲) ساتھ ہی محبت ابھی اس درجہ تک نہیں پہنچی تھی کہ اپنے نفس کی کامجوئی پر محبوب کی مرضی کو ترجیح دیتی -

قبول خاطر معشوق شرط دیدار است

بحکم شوق تماشا مکن کہ بے ادبی است

اس لیے دھمکیاں دے کر رام کرنا چاہا وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ[2] (۳۲)

لیکن پھر جب وہ وقت آیا کہ عشق کی خامیاں پختگی و کمال تک پہنچ گئیں تو اب نہ ننگ و ناموس کی جھجک باقی رہی تھی، نہ زور و طاقت سے کام نکالنے کا گھمنڈ، جونہی سنا کہ یوسفؑ کے معاملہ کی پوچھ گچھ ہو رہی ہے، بے پردہ اور صریح اعلان کر دیا۔ اَلْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ[3] ۝ (۵۱) وہ تو سرتاسر سچا ہے، جو کچھ بھی قصور تھا میرا تھا۔

ہاں بانگ بلند است این پوشیدہ نمی گویم

اب اقرار محبت میں نہ تو کسی طرح کا عار محسوس ہوتا تھا، نہ عشق کی ذلت و رسوائی رہی تھی، اب تو ہر بات جو محبوب کی راہ میں پیش آئے محبوب ہی کی طرح محبوب ہو گئی تھی۔

محبت کی خامی و پختگی کے یہ مراتب قدرتی ہیں اور عام ہیں اور جب کہیں اور جہاں کہیں بھی آئے گی، ان تین حالتوں میں کوئی حالت ضرور ہوگی۔

---

[1] اور بے شک میں نے اس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا مگر یہ بچا رہا۔

[2] ترجمہ: اور اگر یہ وہ کام نہ کرے گا جو میں اس سے کہتی ہوں تو قید کر دیا جائے گا اور ذلیل ہوگا۔

[3] ": میں نے اس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا اور وہ بے شک سچا ہے۔

خام بودم، پختہ شدم، سوختم"[1]

فرعون کی قدر و منزلت

حضرت یوسف کی عصمت و عفت کے اس اقرار اور براءت کے اس اعلان کے بعد، فرعون جو آپ کی عظمت کردار سے متاثر ہو کر آپ کا معتقد ہو چکا تھا آپ سے ملنے کے لیے بے قرار ہو گیا اور بولا:

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي ج (یوسف ۵۴)	اور بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے میرے پاس لاؤ، میں اسے اپنا مصاحب خاص بناؤں گا۔

اب حضرت یوسفؑ قید خانہ سے دربار میں تشریف لائے، اس وقت توراۃ کی تصریح کے مطابق آپ کی عمر تیس برس کی تھی (کتاب پیدائش باب ۴۱-۴۶) بالمشافہ گفتگو کرنے کے بعد فرعون بالکل ہی آپ کا گرویدہ ہو گیا اور آپ کی قدر و منزلت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔

فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ ○ (یوسف ۵۴)	پھر جب ان سے گفتگو کی تو (فرعون نے) کہا آج سے تم ہمارے یہاں صاحب منزلت اور صاحب اعتبار ہو۔

اس قدر و منزلت کی کچھ تفصیل توراۃ نے اس طرح بیان کی ہے:

"فرعون نے اپنے خادموں سے کہا کہ کیا ہم کو ایسا آدمی جیسا یہ ہے، جس میں خدا کی روح ہے، مل سکتا ہے؟ اور فرعون نے یوسفؑ سے کہا کہ چونکہ خدا نے تجھے یہ سب سمجھا دیا ہے اس لیے تیری مانند دانشور اور عقل مند کوئی نہیں، سو تو میرے گھر کا مختار ہوگا اور میری ساری رعایا تیرے حکم پر چلے گی، فقط تخت کا مالک ہونے کے سبب سے میں بزرگ تر ہوں گا، اور فرعون نے یوسفؑ سے کہا کہ دیکھ میں تجھے سارے ملک مصر کا حاکم بناتا ہوں اور فرعون نے اپنی انگشتری اپنے ہاتھ سے نکال کر یوسفؑ کے ہاتھ میں پہنا دی اور اسے باریک کتان کے لباس میں آراستہ کروا کر سونے کا طوق اس کے گلے میں پہنایا اور اس نے اسے اپنے دوسرے رتھ میں سوار کرا کے اس کے آگے آگے یہ منادی کروا دی کہ گھٹنے ٹیکو اور اس نے اسے سارے ملک مصر کا حاکم بنا دیا اور

[1] ترجمان القرآن۔ جلد دوم صفحہ ۲۶۱-۲۶۲

فرعون نے یوسف سے کہا کہ میں فرعون ہوں اور تیرے حکم کے بغیر کوئی آدمی اس سارے ملک مصر میں اپنا ہاتھ یا پاؤں ہلانے نہ پائے گا۔" اور فرعون نے یوسف کا نام صفنات فعنیح رکھا اور اس نے اون کے پجاری فوطیفرع کی بیٹی آسناتھ کو اس سے بیاہ دیا اور یوسفؑ ملک مصر میں دورہ کرنے لگا۔" [1]

کچھ عرصہ بعد عزیز مصر کا انتقال ہو گیا اور اب حضرت یوسفؑ کو عزیز کا لقب عنایت ہوا۔ قرآن کا بیان ہے کہ آپ نے خود درخواست کر کے مالیات کا صیغہ بطور خاص اپنے ذمہ لیا تاکہ آنے والی خشک سالی اور مصیبت کے پیش نظر اپنی دور اندیشی اور خوش انتظامی سے مخلوق کی خبر گیری کر سکیں۔

قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ○ (یوسف ۵۵)	(یوسفؑ نے) کہا مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجیے کیونکہ میں حفاظت بھی کر سکتا ہوں اور (اس کام سے) واقف ہوں

اس طرح تائید ایزدی سے حضرت یوسفؑ ملک مصر میں غلامی اور بیچارگی کے درجہ سے حکومت اور خواجگی کی رفعتوں پر پہنچ گئے۔

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ۭ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ○ (یوسف ۵۷)	اس طرح ہم نے یوسفؑ کو ملک (مصر) میں جگہ دی اور وہ اس ملک میں جہاں چاہتے تھے رہتے تھے، ہم اپنی رحمت جس پر چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ اور نیکو کاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے، اور جو لوگ ایمان لائے اور ڈرتے رہے ان کے لیے آخرت کا اجر بہت بہتر ہے۔

اب حضرت یوسفؑ نے ملک کے انتظام کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی، افراط کے سات سالوں میں کثرت سے زراعت کرائی اور آنے والی قحط سالی کے نجات کے لیے مصر میں بے شمار غلہ ذخیرہ

---

[1] کتاب پیدائش باب ۴۱ : ۳۹ تا ۴۵

کر لیا۔ (توراۃ۔کتاب پیدائش۔باب ۴۱، ۴۲ تا ۴۹)

ملک میں قحط اور سوتیلے بھائیوں کی مصر میں آمد

سات سال کے بعد حضرت یوسفؑ کی تعبیر کے مطابق مصر اور مصر کے اطراف و جوانب میں سخت قحط پڑا۔ اس وقت مصر میں تو حضرت یوسفؑ کے حسنِ انتظام کی بدولت غلّہ کا وافر ذخیرہ موجود تھا مگر دوسرے ملکوں میں دانے دانے کی محتاجی تھی۔ حضرت یوسفؑ نے غلہ کی مناسب قیمت مقرر کر کے اس کو فروخت کرنے کا انتظام کیا اور مصریوں اور غیر مصریوں سب کو دینا شروع کیا۔ صرف امتیاز اتنا تھا کہ پردیسیوں کو ایک اونٹ فی کس سے زیادہ اناج ایک وقت میں نہیں دیا جاتا تھا۔

اس وقت کنعان میں بھی قحط اور خشک سالی کا دور دورہ تھا اور غلّہ کی دستیابی سخت دشوار تھی۔ شدہ شدہ یہ خبر حضرت یعقوبؑ نے بھی سنی کہ مصر میں باوجود قحط کے غلہ کی کمی نہیں ہے اور وہاں کا رحمدل حاکم ملکیوں اور غیر ملکیوں دونوں کو غلّہ تقسیم کر رہا ہے۔ چنانچہ آپ نے حضرت یوسفؑ کے سوتیلے بھائیوں کو غلہ لانے کے لیے مصر روانہ فرمایا، صرف حضرت یوسف کے حقیقی بھائی بن یمین کو اپنے پاس روک لیا چونکہ حضرت یوسفؑ کے جُدا ہو جانے کے بعد آپ ان کو بہت عزیز رکھنے لگے تھے۔

یہ لوگ جب مصر میں حضرت یوسفؑ کے پاس پہنچے تو آپ نے فوراً ان کو پہچان لیا مگر وہ آپ کو نہ پہچان سکے۔ دوران گفتگو میں انھوں نے بوڑھے غمزدہ باپ اور سوتیلے بھائی بن یمین کا بھی ذکر کیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کی بڑی خاطر و مدارات کی۔ اور ان سب کو فی کس ایک اونٹ غلہ دیا۔ اور چلتے وقت ان سے فرمایا :

وَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَّكُم مِّنْ أَبِيكُمْ ۚ أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ

اور جب یوسفؑ نے ان کے لیے ان کا سامان تیار کر دیا (کھانا بھر آتا) جو باپ کی طرف سے تمھارا ایک اور بھائی ہے اسے بھی میرے پاس

الْمُنْزِلِيْنَ ○

(یوسف ۵۹)

لیتے آنا کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں ناپ بھی پوری پوری دیتا ہوں اور مہمانداری بھی خوب کرتا ہوں۔

مزید تاکید کے لیے آپ نے یہ دھمکی بھی دی کہ

فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِیْ بِہٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِیْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ○

(یوسف ۶۰)

اور اگر تم اسے میرے پاس نہ لاؤ گے تو نہ تمہیں میرے یہاں سے غلّہ ملے گا اور نہ تم میرے پاس ہی آسکو گے۔

انھوں نے آپ سے وعدہ کیا کہ

سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ○

(یوسف۔ ۶۱)

ہم اس کے بارے میں اس کے والد سے تذکرہ کریں گے اور ہم (یہ کام) کر کے رہیں گے۔

جب وہ روانہ ہوئے تو حضرت یوسفؑ نے پوشیدہ طور پر ان کے اسباب میں ان کی ادا کی ہوئی پونجی واپس رکھوادی تاکہ جب وہ گھر پہنچ کر اس کو دیکھیں تو دوبارہ ضرور آئیں۔

بھائیوں کی دوبارہ آمد

کنعان پہنچ کر برادران یوسف نے سب واقعہ حضرت یعقوبؑ کو سنایا۔ اور بن یمین کو اپنے ہمراہ مصر لے جانے پر مصر ہوئے، وہ کہنے لگے :

يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِیْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ○

(یوسف ۶۵)

ابّا ہمیں (اور) کیا چاہیے ؟ (دیکھیے) یہ ہماری پونجی بھی ہمیں واپس کردی گئی ہے۔ اب ہم اپنے اہل و عیال کے لیے غلّہ پھر لائیں گے اور اپنے بھائی کی نگہبانی کریں گے اور ایک بار شتر زیادہ لائیں گے (کہ) یہ غلہ (جو ہم لائے ہیں) تھوڑا ہے۔

حضرت یعقوبؑ بن یمین کو ان لوگوں کے ہمراہ بھیجنے پر کسی طرح آمادہ نہ تھے۔ توراۃ میں ہے کہ آپ نے فرمایا :

"میرا بیٹا تمھارے ساتھ نہیں جائے گا کیونکہ اس کا بھائی مر گیا اور وہ اکیلا رہ گیا ہے اگر راستے میں جاتے جاتے اس پر کوئی آفت آپڑے تو تم میرے سفید بالوں کو غم کے ساتھ گور میں اتارو گے"۔ لہ

لیکن جلد ہی حالات کچھ ایسے پیدا ہو گئے کہ آپ بن یمین کو بھیجنے کے لیے مجبور ہو گئے، قحط نے اور بھی شدید صورت اختیار کر لی اور وہ غلّہ جو برادرانِ یوسف مصر سے لائے تھے سب ختم ہو گیا۔ حضرت یعقوبؑ نے اب اپنے بیٹوں سے پھر غلہ کی فراہمی کے لیے مصر جانے کو کہا تو یہوداہ نے جواب دیا کہ

"اس شخص نے ہم کو نہایت تاکید سے کہہ دیا تھا کہ تم میرا منہ نہ دیکھو گے جب تک تمھارا بھائی تمھارے ساتھ نہ ہو، سو اگر تو ہمارے بھائی کو ساتھ بھیج دے تو ہم جائیں گے اور تیرے لیے اناج مول لائیں گے اور اگر تو اسے نہ بھیجے تو ہم نہیں جائیں گے"۔ لہ

اب بدرجہ مجبوری حضرت یعقوبؑ آمادہ ہو گئے۔ لیکن پہلے آپ نے ان سے بن یمین کی حفاظت و نگہبانی کا قول و قرار لیا، روبن نے کہا :

"اگر میں اسے تیرے پاس نہ لے آؤں تو میرے دونوں بیٹوں کو قتل کر ڈالنا"۔ لہ

یہوداہ نے کہا :

"میں اس کا ضامن ہوتا ہوں تو اس کو میرے ہاتھ سے واپس مانگنا اگر میں اسے تیرے پاس پہنچا کر سامنے کھڑا نہ کر دوں تو میں ہمیشہ کے لیے

لہ کتاب پیدائش باب ۴۲ ۔ ۳۸ ۔ لہ کتاب پیدائش باب ۴۳ ۔ ۳ ۔ لہ کتاب پیدائش باب ۴۲ ۔ ۳۷ ۔

گنہ گار ٹھہروں گا"۔ [1]

غرضکہ

فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ○ (یوسف ۶۶)	جب انھوں نے ان سے عہد کرایا تو (یعقوبؑ نے) کہا کہ جو قول وقرار ہم کر رہے ہیں اس کا خدا ضامن ہے۔

اور پھر آپ نے ضروری ہدایات دے کر کہ جب مصر میں داخل ہوں تو علیحدہ علیحدہ دروازوں سے داخل ہوں، آپ نے فرمایا:

وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ○ (یوسف ۶۷)	اور میں خدا کی تقدیر تو تم سے نہیں روک سکتا (بے شک) حکم اسی کا ہے، میں اسی پر بھروسا رکھتا ہوں اور اہل توکل کو اسی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔

اب یہ سب بھائی روانہ ہوئے، حضرت یعقوبؑ نے فرمایا:

"اپنے برتنوں میں اس ملک کی مشہور پیداوار میں سے کچھ اس شخص کے لیے نذرانہ لیتے جاؤ جیسے تھوڑا سا روغن بلسان، تھوڑا سا شہد، کچھ گرم مصالحہ اور مر اور پستہ اور بادام"۔ [2]

اور پہلی دفعہ جو پونجی واپس کر دی گئی تھی وہ بھی آپ نے ساتھ کر دی، یہ لوگ مصر میں حضرت یعقوبؑ کی ہدایات کے بموجب داخل ہوئے اور حضرت یوسفؑ کی خدمت میں آئے، آپ نے ان کو دیکھتے ہی ضیافت کا انتظام کیا، آپ نے حضرت یعقوبؑ کی خیریت دریافت کی، پھر نظر اٹھا کر برسوں بعد اپنے بھائی بن یمین کو دیکھا تو آنسو امنڈ آئے اور محبت سے دل بے قرار ہو گیا، آپ بعجلت وہاں سے ہٹ کر اپنے کمرہ میں آئے

---

[1] کتاب پیدائش باب ۴۳: ۹۔ [2] کتاب پیدائش باب

اور وہ طوفان جو کسی نہ کسی طرح اب تک روک رکھا تھا بے اختیار پھوٹ پڑا۔ جب رونے کے بعد کچھ دل ہلکا ہوا تو آپ پھر منہ دھو کر باہر تشریف لے گئے اور اپنے سب بھائیوں کے ساتھ کھانا کھایا۔

اب آپ نے اپنے آپ کو اپنے حقیقی بھائی بن یمین پر ظاہر کر دیا گو سوتیلے بھائیوں سے ابھی تک اپنے آپ کو پوشیدہ رکھا۔ آپ نے بن یمین سے فرمایا۔

اِنِّیْٓ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (یوسف ۶۹)

میں تمہارا بھائی ہوں تو جو سلوک یہ ہمارے ساتھ کرتے رہے ہیں اس پر افسوس نہ کرنا۔

اب بھائیوں کی روانگی کا وقت آیا اور آپ نے ان کو کثیر مقدار میں غلہ وغیرہ دے کر روانہ کیا۔

بن یمین کا مصر میں روک لیا جانا

اوپر توراۃ کے حوالہ سے گذر چکا ہے کہ اس قدر عرصہ کے بعد جب آپ نے اپنے حقیقی بھائی بن یمین کو دیکھا تو جوش محبت سے بے اختیار دل بھر آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی محبت کی بنا پر آپ کو گوارا نہ ہوتا تھا کہ بن یمین کو جدا کر دیں۔ مگر مصر کے قانون کے مطابق وہ ان کو زبردستی روک بھی نہیں سکتے تھے۔ اس لیے بادلِ ناخواستہ سب کے ساتھ ان کو روانہ کر دیا۔ آپ اپنے آپ کو ان پر ظاہر بھی کر چکے تھے لیکن ابھی وہ وقت نہیں آیا تھا کہ آپ سوتیلے بھائیوں پر بھی اپنے آپ کو ظاہر کر دیں۔ اس لیے چلتے وقت غالباً بطور اپنی یادگار اور نشانی کے اپنا چاندی کا پیالہ نہایت خاموشی سے بن یمین کے سامان میں رکھ دیا تاکہ سوتیلے بھائیوں کو خبر نہ ہو اور وہ اس سے کچھ جرح نہ جائیں۔ جب یہ لوگ روانہ ہو گئے تو محل کے منتظم کو حضرت یوسفؑ کا پیالہ نظر نہ آیا۔ اس کو خیال ہوا کہ یہی لوگ مہمان رہے تھے اور یہ کام ان ہی کا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے آگے بڑھ کر راستہ میں ان کو آواز دی اور کہا:

اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ○ (یوسف ۷۰)

قافلے والو تم تو چور ہو۔

وہ اس الزام کو سن کر سخت حیران ہوئے اور بڑی سختی سے اس کی تردید کی، کافی بحث و مباحثہ کے بعد محل کے منتظم نے کہا کہ اچھا:

فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ○ (یوسف ۷۴)

اگر تم جھوٹے نکلے تو اس کی کیا سزا ہے؟

جواب میں انھوں نے وہ سزا بیان کردی جو شریعت ابراہیمی میں چور کے لیے مقرر تھی - بولے :

جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ○ (یوسف ۷۵)	اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان میں وہ دستیاب ہو وہی اس کا بدل قرار پائے ' ہم ظالموں کو یہی سزا دیا کرتے ہیں۔

چنانچہ تلاشی لی گئی جو سب سے بڑے بھائی سے شروع ہو کر سب سے چھوٹے بھائی پر ختم ہوئی اور بالآخر پیالہ بن یمین کے سامان سے برآمد ہوا۔ اب منتظم ان سب کو لیکر حضرت یوسفؑ کی خدمت میں واپس آیا۔ آپ نے جب واقعہ سُنا تو فوراً سمجھ گئے کہ جس بات کی تمنا تھی بالآخر اس کا انتظام خود مشیت ایزدی نے کر دیا ' غالباً اسی لیے قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے :

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ (یوسف ۷۶)	اسی طرح ہم نے یوسفؑ کے لیے تدبیر کی ورنہ بادشاہ کے قانون کے مطابق وہ مشیت خدا کے سوا اپنے بھائی کو نہیں روک سکتے تھے ۔

حضرت یوسفؑ اور ان کے حقیقی بھائی بن یمین کے خلاف سوتیلے بھائیوں کا بغض وعناد ایک دفعہ پھر ظاہر ہوا ' وہ حضرت یوسفؑ سے کہنے لگے :

قَالُوْۤا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ (یوسف ۷۷)	بولے کہ اگر اس نے چوری کی ہو تو کچھ عجب نہیں کہ اس کے ایک بھائی نے بھی پہلے چوری کی تھی '

یہ بن یمین کے ساتھ حضرت یوسفؑ پر بھی بے جا اتہام تھا :

فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ○ (یوسف ۷۷)	(یوسف نے) اس بات کو اپنے دل میں مخفی رکھا اور ان پر ظاہر نہ ہونے دیا اور کہا کہ تم بڑے بدقماش ہو اور جو تم بیان کرتے ہو خدا اسے خوب جانتا ہے ۔

اب ان لوگوں نے حضرت یوسفؑ سے عرض کی کہ اے عزیز! آپ رحمدل اور محسن ہیں اس لڑکے کا باپ بہت ضعیف اور غمزدہ ہے اور وہ اس لڑکے سے بے حد محبت کرتا ہے ' اگر یہ لڑکا یہاں رہ گیا

تو وہ جائز نہ ہو سکے گا، اس لیے ہماری درخواست ہے کہ آپ اس کو جانے کی اجازت دیجیے اور اس کے بجائے ہم میں سے جس کو آپ چاہیں روک لیجیے؛ آپ نے ان ہی کی کہی ہوئی بات دہرا دی، فرمایا

مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ۝ (یوسف - ۷۹)

خدا پناہ میں رکھے کہ جس شخص کے پاس ہم نے اپنی چیز پائی ہے اس کے سوا کسی اور کو پکڑ لیں، ایسا کریں تو ہم (بڑے) بے انصاف ہیں۔

اس طرف سے مایوس ہو کر اب انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے۔ بڑے بھائی نے کہا:

قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْۤ اَبِيْۤ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ اِرْجِعُوْۤا اِلٰۤى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ۝ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْۤ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ؕ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ (یوسف - ۸۰ تا ۸۲)

سب سے بڑے[1] نے کہا کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے والد نے تم سے خدا کا عہد لیا ہے اور اس سے پہلے بھی تم یوسفؑ کے بارے میں قصور کر چکے ہو تو جب تک والد صاحب مجھے حکم نہ دیں میں تو اس جگہ سے ہٹنے کا نہیں، یا خدا میرے لیے کوئی اور تدبیر کرے، اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے تم سب والد صاحب کے پاس واپس جاؤ۔ اور کہو کہ ابا آپ کے صاحبزادے نے (وہاں جاکر) چوری کی، اور ہم نے تو اپنی دانست کے مطابق آپ سے (اس کے آنے کا) عہد کیا تھا مگر ہم غیب (کی باتوں) کے (جاننے اور) یاد رکھنے والے تو نہیں تھے، اور جس بستی میں ہم ٹھہرے تھے وہاں سے (یعنی اہل مصر سے) اور جس قافلہ میں

[1] توراۃ کی تصریح کے مطابق سب سے بڑے کا نام روبن تھا۔

ہم آئے ہیں اس سے دریافت کر لیجیے، اور ہم اس بیان میں بالکل سچے ہیں۔

موجودہ توراۃ اسی واقعہ کو کچھ اس بیان کرتی ہے کہ اس سے (معاذ اللہ) حضرت یوسفؑ کی پاکیزہ سیرت پر دھوکہ اور فریب کا الزام عاید ہوتا ہے، توراۃ کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ جب یہ لوگ حضرت یوسفؑ کے پاس سے رخصت ہونے لگے تو آپ نے اپنے محل کے منتظم کو بلا کر ہدایت کی کہ چپکے سے آپ کا پیالہ بن یمین کے سامان میں رکھ دے (قرآن کریم میں ہے کہ یہ پیالہ آپ نے خود رکھا تھا اور منتظم کو اس کی خبر نہیں تھی) جب وہ لوگ روانہ ہو گئے تو آپ نے منتظم کو بھیجا کہ اب ان کے اسباب کی تلاشی لے کر سرقہ کے الزام میں بن یمین کو پکڑ لے[1] (قرآن کریم میں اس قسم کا کوئی اشارہ موجود نہیں کہ آپ نے منتظم کو ان کی تلاشی لینے کے لیے روانہ کیا۔ اور جب پیالہ برآمد ہوا اور معاملہ آپ کے سامنے پیش ہوا تو آپ اس حادثہ میں خدائی ہاتھ کار فرما دیکھ کر خاموش رہے اور کہا تو صرف یہ کہ ہم کسی اور کو نہیں روک سکتے۔ اسی کو روکیں گے جس کے پاس ہماری چیز نکلی ہے) افسوس ہے کہ ہمارے اکثر مفسرین انہی اسرائیلیات میں بہک گئے ہیں۔

قرآن کریم کی عظمت اور معجزانہ کیفیت کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہو گی کہ ایک ہی واقعہ کو توراۃ اور قرآن دونوں بیان کرتے ہیں مگر ہر صاحب نظر دیکھ سکتا ہے کہ توراۃ کہاں ہے اور قرآن کس درجہ میں ہے،

اس واقعہ کے متعلق مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں :-

"واضح ہو کہ اس تمام واقعہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے کوئی لفظ خلاف واقع نہیں نکلا، نہ کوئی حرکت خلاف شرع ہوئی، زیادہ سے زیادہ انھوں نے "توریہ" کیا۔ "توریہ" کا مطلب ہے ایسی بات کہنا یا کرنا جس سے دیکھنے سننے والے

---

[1] کتاب پیدائش باب ۴۴ ا تا ۱۷

کے ذہن میں ایک ظاہری اور قریبی مطلب آئے لیکن متکلم کی مراد دوسری ہو جو ظاہری مطلب سے بعید ہے اگر "توریہ" کسی نیک اور محمود مقصد کے لیے کیا جائے تو اس کے جائز بلکہ محمود ہونے میں شبہ نہیں اور کسی مذموم اور قبیح غرض کے لیے ہو تو وہ "توریہ" نہیں دھوکا اور فریب ہے یہاں حق تعالیٰ کو منظور تھا کہ یعقوب علیہ السلام کے ابتلاء و امتحان کی تکمیل کر دی جائے یوسف کے بعد بنیامین بھی ان سے جدا ہوں ادھر مدت کے بچھڑے دو علینی بھائی آپس میں مل کے رہیں، یوسف کو امتحان کی گھاٹیوں سے نکالنے کے بعد اول علاتی بھائیوں پھر عینی بھائی، پھر والد بزرگوار اور سب کنبہ سے بتدریج ملائیں، دوسری طرف برادران یوسف سے جو غلطیاں ہوئی تھیں کچھ ٹھوکریں کھا کر وہ بھی عفو و رحم کے دروازہ پہ پہنچ جائیں اور نہ معلوم کیا کیا حکمتیں ہوں گی جن کی وجہ سے یوسف علیہ السلام کو تھوڑا سا "توریہ" کرنے کی ہدایت ہوئی، انھوں نے پیالہ اپنے بھائی کے اسباب میں رکھا پھر نہ کسی پر اس کی چوری کا الزام لگایا نہ یہ کہا کہ ہم فلاں کو چوری کی سزا میں پکڑتے ہیں، صورتیں ایسی پیدا ہوتی چلی گئیں جن سے آخر میں بنیامین کے لیے اپنے بھائی کے پاس عزت و راحت کے ساتھ رہنے کی سبیل نکل آئی۔ مصلحتاً بعض الفاظ بے شک استعمال کیے جن کے معنی متبادر مراد نہ تھے یا بعض چیزوں پر سکوت کیا جن کی نسبت اگر کچھ بولتے تو راز فاش ہو کر اصل مقصد فوت ہو جاتا، واللہ اعلم" [۱]

بہر حال جب بیٹوں نے جا کر یہ واقعہ حضرت یعقوبؑ سے بیان کیا تو آپ نے اس امر کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ بن یمین نے چوری کی ہے، آپ نے فرمایا۔

بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ط فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ط (یوسف۔۸۳)	(حقیقت یہ نہیں) بلکہ یہ بات تم نے اپنے دل سے بنالی ہے اب صبر ہی بہتر ہے۔

لیکن اس غم واندوہ اور یاس و نا امیدی کے عالم میں بھی خدا کی رحمت پر یقین اور اس سے

[۱] ترجمہ قرآن مجید شیخ الہند فوائد از مولانا شبیر احمد عثمانی صفحہ ۳۱۶ مطبوعہ مدینہ پریس بجنور

امید کی وابستگی کا یہ عالم تھا کہ

عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا ط إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ O (یوسف ۸۳)	عجب نہیں کہ خدا ان سب کو میرے پاس لے آئے بے شک وہ دانا (اور) حکمت والا ہے۔

اور آنے والے واقعات نے ان الفاظ کو بالآخر سچ کر دکھایا !

لیکن اب مصائب و شدائد حد سے گذر چکے تھے۔ حضرت یوسفؑ کو چھوٹے ہوئے مدتیں گذر گئی تھیں مگر وہ فوق الفطرت محبت جو آپ کے دل میں تھی برابر ایک شعلہ کی طرح مشتعل تھی اور دل کو جلا رہی تھی اب حضرت یوسفؑ کی جدائی کے بعد بن یمین کی طرف مبذول ہو گئی تھی لیکن اب وہ بڑھاپے کا سہارا بھی چھوٹ گیا۔ آپ بیٹوں کے پاس سے ہٹ کر تنہائی میں تشریف لے گئے اور بے ساختہ زبان سے ایک آہ نکلی :

وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يَا أَسَفٰى عَلٰى يُوسُفَ (یوسف ۸۴)	پھر وہ ان کے پاس سے چلے گئے اور کہنے لگے ہائے افسوس، یوسف (ہائے افسوس)

بھائیوں کی سہ بارہ آمد مصر[1]

اور قرآن کا بیان ہے کہ ان کی بے قراری اور انکساری یہاں تک بڑھی کہ روتے روتے آنکھیں جاتی رہیں۔ بیٹوں سے جب یہ حالت نہ دیکھی گئی تو کہنے لگے کہ اگر آپ یوسفؑ کو اسی طرح یاد کرتے رہے تو یا تو بیمار ہو جائیں گے یا ہلاک ہو جائیں گے۔ فرمایا کہ میں تو اپنے غم و اندوہ کا اظہار صرف اپنے خدا سے کرتا ہوں کسی اور سے شکوہ و شکایت نہیں کرتا۔ اور میں خدا کی طرف سے ایسی باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اور پھر معلوم قلب مصفّا و مطہر پر کیا کیفیت طاری ہوئی کہ یکایک آپ نے فرمایا :

---

[1] توراۃ میں حضرت یعقوبؑ کی ہجرت مصر سے پیشتر برادران یوسفؑ کا صرف دو دفعہ مصر میں جانا مذکور ہے۔ توراۃ کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلی دفعہ جب یہ لوگ مصر پہنچے تو حضرت یوسفؑ نے ان کو دیکھتے ہی پہچان لیا لیکن وہ نہ پہچان سکے لیکن حضرت یوسفؑ نے ان پر غیر ملکی جاسوس ہونے کا الزام لگا کر ان کو گرفتار کر لیا اور تین دن حراست میں رکھا۔ پھر بلا کر کہا کہ تمھاری جان بچنے کی صرف یہ صورت ہے کہ تم اپنے میں سے ایک کو یہاں قید میں ضمانتاً چھوڑ جاؤ اور باقی لوگ جا کر اپنے چھوٹے بھائی کو جس کا تم ذکر کرتے ہوئے آؤ اگر نہ لائے تو میں سمجھوں گا کہ تم جھوٹے ہو اور غیر ملکی جاسوس ہو اور پھر تم میرے پاس نہ آسکو گے۔ لہذا

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۴۶ پر)

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ط اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ٥ (یوسف ۸۷)

بیٹا! ایسا کرو کہ ایک دفعہ پھر) جاؤ اور یوسفؑ اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو کہ خدا کی رحمت سے بے ایمان لوگ (ہی) ناامید ہوا کرتے ہیں۔

حسب الحکم بیٹے اب تیسری بار مصر پہنچے اور حضرت یوسفؑ کے پاس جا کر بڑے رحم طلب انداز میں عرض کرنے لگے:

يٰاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ط اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ٥ (یوسف ۸۸)

اے عزیز! ہمیں اور ہمارے اہل وعیال کو بڑی تکلیف ہو رہی ہے اور ہم تھوڑا سا سرمایہ لائے ہیں، آپ ہمیں (اس کے عوض) پورا غلہ دیجے اور خیرات کیجے، بے شک خدا خیرات کرنے والوں کو ثواب دیتا ہے۔

یہ حال سن کر آپ بے قرار ہو گئے اور مروت و شفقت کا چشمہ ابل پڑا، اب وقت آگیا تھا کہ آپ تمام حقیقت حال منکشف کر دیں چنانچہ ان کی توجہ یہ یاد دلا کر اپنی طرف منعطف کی کہ

هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ٥ (یوسف ۸۹)

تمھیں معلوم ہے کہ جب تم نادانی میں پھنسے ہوئے تھے تو تم نے یوسفؑ اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا؟

پیرایۂ بیان ملاحظہ ہو، تمام عمر حرف شکایت زبان پر نہ آیا، اس وقت ضرورت کے ماتحت ان کی توجہ اس طرف منعطف بھی کراتے ہیں تو اس طرح سے کہ ان کے جرم کے اثبات اور شکوہ و شکایت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴۱) انھوں نے شمعون کو حراست میں چھوڑا اور چلے گئے۔ دوبارہ جب بن یمین کو لیکر آئے تو آپ نے محل کے ملازمین کے ذریعہ چلتے وقت ان کے اسباب میں اپنا پیالہ رکھوا کر گرفتار کروا لیا۔ جب بھائیوں نے بوڑھے باپ کی حالت زار کا ذکر کر کے ان کو چھوڑ دینے کی درخواست کی تو آپ برداشت نہ کر سکے اور رونے لگے۔ پھر آپ نے اپنے آپ کو ان سب پر ظاہر کر دیا اور ان کو یعقوبؑ علیہ السلام کے بلانے کے لیے روانہ کر دیا۔ (کتاب پیدائش باب ۴۲ تا ۴۵)

کی بجائے گویا ان کی طرف سے معذرت پیش فرما رہے ہیں "اِذْ اَنْتُمْ جَاهِلُوْنَ" یعنی جو حرکت تم سے اس وقت صادر ہوئی ناسمجھی اور بے وقوفی سے ہو گئی تھی،

بھائی یہ سن کر یکایک چونکے اور بغور دیکھ کر پوچھنے لگے :

ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ (یوسف۔۹۰)	سچ بتاؤ کیا تم ہی یوسف ہو ؟

اب آپ نے اپنے آپ کو ظاہر کر دیا، فرمایا :

اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ؗ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (یوسف۔۹۰)	ہاں میں ہی یوسف ہوں، (اور بن یمین کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے) یہ میرا بھائی ہے، خدا نے ہم پر بڑا احسان کیا جو شخص خدا سے ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو خدا نیکوکاروں کا اجر ضایع نہیں کرتا

حضرت یوسفؑ کے عفو و درگذر کا حیرت افزا منظر

بھائیوں نے شرم و ندامت سے آنکھیں نیچی کر لیں اور سر جھکا لیے اور کہنے لگے :

تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ ۝ (یوسف۔۹۱)	خدا کی قسم خدا نے تم کو ہم پر فضیلت بخشی ہے اور بے شک ہم خطاکار تھے۔

اس وقت وہ بھائی سامنے کھڑے تھے جنھوں نے ہمیشہ بغض و عداوت برتی تھی، جو پہلے آپ کی جان کے درپے ہوئے تھے اور پھر چند درہموں کے عوض بیچ کر آپ کو جلاوطن کر دیا تھا، آج ان کے سر آپ کے سامنے جھکے ہوئے تھے اور وہ خود اپنی زبان سے اپنے جرم کا اقبال کر رہے تھے، مگر اس مکارم اخلاق کے مجسمہ اور رحمت و رافت کے چشمہ کو اتنا سننا بھی گوارا نہ تھا، ارشاد فرمایا :

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ؗ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ (یوسف ۹۲)	آج تم پر کچھ الزام نہیں، خدا تم کو معاف کرے اور وہ بہت رحم کرنے والا ہے۔

اس واقعہ سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال بعد تاریخ نے اپنے آپ کو ایک بار پھر دہرایا، جب یہی الفاظ سرزمین مکہ میں رَحْمَۃُ لِّلْعَالَمِینؐ کی زبان مبارک سے ان وطنی بھائیوں کے لیے جاری ہوئے جو ہمیشہ آپ کے خون کے پیاسے اور ایذا رسانی کے درپے رہے اور بالآخر برادران یوسف کی طرح آپ کو گھر سے بے گھر کر کے دم لیا۔ اور اس وقت جاری ہوئے جب آپ اسی مکہ کی سرزمین میں فاتح اعظم کی حیثیت سے داخل ہوئے۔ حضرت یوسفؑ نے جس طرح بھائیوں کو امان دی تھی آپ نے ان سب لوگوں کو امان دیتے ہوئے ارشاد فرمایا "لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ" آج تم پر کچھ الزام نہیں، اور آج تم سے کوئی بازپرس نہیں ہوگی۔

اللہ اکبر! کس قدر بلند مقام ہے پیغمبر کے صبر، مروت، اخلاق اور رحمت و شفقت کا!

توراۃ نے حضرت یوسفؑ کا اپنے بھائیوں سے اس ملاپ کا منظر اس طرح کھینچا ہے:

"تب یوسفؑ ان کے آگے جو اس کے آس پاس کھڑے تھے اپنے کو ضبط نہ کر سکا اور چلا کر کہا، ہر ایک آدمی کو میرے پاس سے باہر کر دو، چنانچہ جب یوسفؑ نے اپنے آپ کو اپنے بھائیوں پر ظاہر کیا اس وقت اور کوئی اس کے ساتھ نہ تھا، اور وہ چلا چلا کر رونے لگا اور مصریوں نے سنا اور فرعون کے محل میں بھی آواز گئی، اور یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہا، میں یوسف ہوں، کیا میرا باپ اب تک جیتا ہے؟ اور اس کے بھائی اسے کچھ جواب نہ دے سکے کیونکہ وہ اس کے سامنے گھبرا گئے اور یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا، ذرا نزدیک آ جاؤ اور وہ نزدیک آئے، تب اس نے کہا میں تمہارا بھائی یوسفؑ ہوں جس کو تم نے بیچ کر مصر پہنچوایا، اور اس بات سے کہ تم نے مجھے بیچ کر یہاں پہنچوایا نہ تو غمگین ہو اور نہ اپنے اپنے دل میں پریشان ہو کیونکہ خدا نے جانوں کو بچانے کے لیے مجھے تم سے آگے بھیجا ...... اور وہ اپنے بھائی بن یمین کے گلے لگ کر رویا اور بن یمین بھی اسکے گلے لگ کر رویا، اور اس نے سب بھائیوں کو چوما اور ان سے مل کر رویا، اس کے بعد اس کے بھائی اس سے باتیں کرنے لگے۔" [1]

---

[1] کتاب پیدائش باب ۴۵ آیات ۱ تا ۵ و ۱۴ تا ۱۵

حضرت یعقوبؑ کی مصر کو ہجرت | تورات میں ہے کہ حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا:

"سو تم جلد میرے باپ کے پاس جا کر اس سے کہو کہ تیرا بیٹا یوسف یوں کہتا ہے کہ خدا نے مجھ کو سارے مصر کا مالک کر دیا ہے تو میرے پاس چلا آ، دیر نہ کر، تو جشن کے علاقہ میں رہنا اور تو اور تیرے بیٹے اور تیرے پوتے اور تیری بھیڑ بکریاں اور گائے بیل اور تیرا مال و متاع، یہ سب میرے نزدیک ہوں گے اور وہیں میں تیری پرورش کروں گا تا نہ ہو کہ تجھ کو اور تیرے گھرانے اور تیرے مال و متاع کو مفلسی آ دبائے کیونکہ کال کے ابھی پانچ برس اور ہیں۔"

قرآن کریم میں اس دعوت کے علاوہ یہ بھی مذکور ہے کہ آپ نے اپنی قمیص دی اور فرمایا کہ اس کو حضرت یعقوبؑ کے چہرہ پر ڈال دینا تو ان کی بصارت پھر واپس آ جائے گی،

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (یوسف ۹۳)	یہ میرا کرتہ لے جاؤ اور اسے والد صاحب کے منہ پر ڈال دو۔ وہ بینا ہو جائیں گے۔ اور اپنے تمام اہل و عیال کو میرے پاس لے آؤ۔

نہ معلوم تعلق قلب اور محبت کا وہ کونسا درجہ تھا کہ ابھی یہ قافلہ پیراہن یوسف لے کر مصر سے روانہ ہی ہوا تھا کہ ادھر کنعان میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ۝ (یوسف ۹۴)	اگر مجھ کو یہ نہ کہو کہ (بڈھا) بہک گیا ہے تو مجھے تو یوسفؑ کی بُو آ رہی ہے۔

اعزہ نے کہا کہ آپ ہنوز اسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں، مدتیں گذر گئیں، اب بھلا کہاں یوسفؑ اور کہاں یوسفؑ کی بو، بالآخر کاروان کنعان پہنچا جس نے آپ کو حضرت یوسفؑ کی حیات اور جاہ و حشمت کی خوشخبری سنا کر ان کا پیراہن آپ کے چہرہ پر ڈال دیا اور آپ

کی بینائی واپس آ گئی اب خطا کار بیٹے شرمسار اور سرنگوں ہو کر کہنے لگے:

يَاۤ اَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَاۤ اِنَّا كُنَّا خٰطِـئِيْنَ ○ (یوسف ۹۷)	ابّا، ہمارے گناہ کی مغفرت مانگیے بیشک ہم خطا کار تھے

یہ وہی لوگ تھے جنھوں نے زندگی کی عزیز ترین متاع آپ سے چھین لی تھی جنھوں نے کرب و ابتلا کے دہانے آپ پر کھول دیے تھے جن کی وجہ سے آپ اس قدر طویل مدت تک ہجر و فراق کی آگ میں جلتے رہے تھے لیکن پھر بھی پیغمبر کی زبان پر حرف ملامت نہ آیا، فرمایا بھی تو یہ فرمایا کہ

سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ (یوسف ۹۸)	میں اپنے پروردگار سے تمھارے لیے بخشش مانگوں گا بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

توراۃ میں ہے کہ فرعون کو جب معلوم ہوا کہ برادران یوسف آئے ہوئے ہیں تو وہ بہت خوش ہوا اور اس نے بطور خاص حضرت یعقوبؑ کو مصر آنے کی دعوت دی اور اسکے کہنے کے مطابق حضرت یوسف نے حضرت یعقوبؑ کو قیمتی تحایف اور ان کے لانے کے لیے گاڑیاں روانہ کیں اور فرعون نے برادران یوسف سے کہا کہ

"ملک مصر کی سب اچھی چیزیں تمھارے لیے ہیں۔"

(کتاب پیدائش باب ۴۵ - ۲۰)

چنانچہ حضرت یعقوبؑ اپنے خاندان کے تمام افراد کو لے کر جن کی تعداد توراۃ نے ستر بتائی ہے (پیدائش باب ۴۶ - ۲۷) فرعون کی بھیجی ہوئی گاڑیوں میں روانہ ہوئے، آپ کے ساتھ تمام مال و متاع اور چوپائے بھی تھے (پیدائش باب ۴۶ - ۶) حضرت یوسفؑ آمد کی خبر پا کر استقبال کو آئے اور دیر تک لپٹ کر یہ برگزیدہ باپ بیٹے روتے رہے (پیدائش باب ۴۶ - ۲۹)

قرآن کریم میں ہے کہ

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰٓی اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ ۝ وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَی الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ج

(یوسف ۹۹ و ۱۰۰)

جب (یہ سب لوگ) یوسفؑ کے پاس پہنچے تو یوسفؑ نے اپنے والدین کو اپنے پاس بٹھایا۔ اور کہا مصر میں داخل ہو جائیے' خدا نے چاہا تو خاطر جمع سے رہیے گا' اور اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا اور سب یوسفؑ کے آگے سجدے میں گر پڑے۔

یہ والدین کی طرف سے حضرت یوسفؑ کی تعظیم و تکریم تھی' اسرائیلی شریعت میں تعظیمی سجدہ جائز تھا۔ اب حضرت یوسفؑ کو اپنا بچپن کا خواب یاد آیا اور آپ نے فرمایا :

وَقَالَ یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ ز قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا ط وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْۤ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِکُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اِخْوَتِیْ ط اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ ط اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ۝

(یوسف ۱۰۰)

اور کہا' ابّا جان' یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے پہلے (بچپن میں) دیکھا تھا' میرے پروردگار نے اسے سچ کر دیا اور اس نے مجھ پر (بہت سے) احسان کیے ہیں کہ مجھ کو قید خانہ سے نکالا اور اس کے بعد کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں جھگڑا ڈال دیا تھا۔ آپ کو گاؤں سے یہاں لایا' بے شک میرا پروردگار جو چاہتا ہے تدبیر سے کرتا ہے اور وہ دانا (اور) حکمت والا ہے۔

حضرت یوسفؑ کی دعا

اس وقت حضرت یوسفؑ نے جو زبردست اور جامع دعا فرمائی ہے وہ قرآن کے صفحات میں آج تک محفوظ ہے' آپ نے بارگاہ ایزدی میں عرض کی :

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْکِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ج

اے میرے پروردگار! تو نے مجھے حکومت سے بہرہ ور کیا اور باتوں کو ٹھکانے پر بٹھانا سکھایا' اے

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَفتہ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ج تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۝ (یوسف ۱۰)

آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے۔ تو مجھے (دنیا سے) اسلام کی حالت پر (یعنی کامل اطاعت اور تسلیم و رضا کی حالت میں) اٹھائیو اور (آخرت میں) اپنے نیک بندوں میں داخل کیجیو

مدّت مفارقت

توراۃ کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ والد سے بچھڑتے وقت حضرت یوسفؑ کی عمر ۱۷ سال اور حضرت یعقوبؑ کی ۹۰ سال تھی اور جس وقت حضرت یعقوبؑ مصر تشریف لے گئے اس وقت آپ کی عمر ۱۳۰ سال کی تھی (پیدائش باب ۳۷ ۲ و باب ۹۴) اس سے معلوم ہوتا ہے مستقل چالیس سال تک حضرت یعقوبؑ و حضرت یوسفؑ ایک دوسرے سے بچھڑتے رہے اس تصریح سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ اس وقت حضرت یوسفؑ کی عمر ۵۷ سال کی ہوگی۔

حضرت یعقوبؑ کی مصر میں سکونت اور وفات

مصریوں کو چوپایوں اور چوپانوں سے نفرت تھی اس لیے حضرت یوسفؑ نے حضرت یعقوبؑ اور آپ کے خاندان کے افراد کو شہر کے باہر جشن کے علاقہ میں بسا دیا اور فرعون نے وہاں رعمسیس کا علاقہ آپ کو جاگیر میں دیا جو مصر کا نہایت زرخیز خطہ تھا (پیدائش باب ۴۷ ۱۱)

حضرت یعقوبؑ مصر میں سترہ سال سکونت پذیر رہے۔ آخر وقت میں آپ نے حضرت یوسف کو بلا کر وصیت فرمائی کہ مجھے مصر میں دفن نہ کرنا میری نعش کو کنعان لے جانا اور مجھے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسحاقؑ کے پہلو میں دفن کرنا' پھر آپ سجدہ میں گر گئے' اور پھر آپ نے حضرت یوسف کے چھوٹے بیٹے افرائیم کے سر پر اپنا دایاں ہاتھ رکھ کر دعا سے برکت دی اس کے بعد آپ نے سب بیٹوں کو جمع کر کے ان کو استحکام توحید کی تعلیم دی اور نصیحت فرمائی۔ پھر آپ لیٹ گئے اور جان' جان آفرین کے حوالہ کر دی (پیدائش باب ۴۸ تا باب ۴۹) آپ کی نعش کو

مصری طریقہ کے مطابق حنوط کیا گیا اور ماتم کے چالیس دن گذرنے کے بعد حضرت یعقوبؑ کی وصیت کے مطابق، حضرت یوسفؑ مع خاندان کے افراد اور اکابرین مصر کے آپ کی نعش کو لے کر کنعان تشریف لائے اور جسم اطہر کو اپنے برگزیدہ دادا اور پردادا کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا (پیدائش بابؐ ۱تا۱۳)

انتظام مملکت اور اصلاحات حضرت یوسفؑ مصر میں جب درجۂ اقتدار پر پہنچے تو آپ نے سب سے پہلے رفاہ عامہ کا کام اپنے ہاتھ میں لیا اور آنے والے قحط اور خشک سالی کے زمانے کے لیے ضروری انتظامات کیے تاکہ خلق خدا بھوک، افلاس اور فاقہ کشی کا شکار نہ ہو، آپ نے تمام ملک کا دورہ کیا اور خوشحالی کے زمانہ میں خوب کاشت کرائی اور سرکاری کارندوں کے ذریعہ ملک کے کونے کونے سے زائد غلّہ فراہم کر کے ذخیرہ کیا، اور جب قحط شروع ہوا تو آپ نے اس اندوختہ ذخیرہ کو ایک مناسب قیمت مقرر کر کے ملکی اور غیر ملکی دونوں کے ہاتھ فروخت کرنا شروع کر دیا، اس طرح ایک طرف تو لوگ فاقہ کشی اور ہلاکت کی مصیبت سے بچ گئے اور دوسری طرف شاہی خزانہ بھر گیا۔ اگلے سال جب قحط نے زیادہ شدید صورت اختیار کی اور مصریوں کے پاس روپیہ ختم ہو گیا تو مصریوں نے اپنے چوپائے پیش کیے اور آپ نے ان کو غلہ دیدیا اس طرح آدمیوں کے علاوہ چوپائے بھی جو ان مصیبت کے ایام میں یقیناً بھوک سے مرجاتے، آپ کے حسن انتظام کی بدولت بچ گئے۔ تیسرے سال حالات اور زیادہ ابتر ہو گئے اور مصری مزارعین آپ کے پاس فریاد کرتے ہوئے آئے کہ اب ہمارے پاس نہ روپیہ ہے اور نہ مویشی، اب صرف ہماری جانیں اور ہماری زمینیں باقی ہیں آپ ہماری زمینیں لے لیجیے اور ہمیں غلام بنا لیجیے مگر ہمیں بھوک کی سختی اور ہلاکت سے بچائیے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ تم یہاں سے بیج لو اور کاشت کرو۔ ساتھ ہی ساتھ ملک میں آپ نے لگان کا نیا نظام جاری کیا جس کی رُو سے پیداوار کا پانچواں حصہ حکومت کا حق تھا اور باقی (یعنی ⅘) مزارع کا (پیدائش باب ۳۷ ۱۳تا۲۷- اور باب ۴۱ ۴۷تا۵۷)

ازواج و اولاد اُوپر گذر چکا ہے کہ جب فرعون نے آپ کو قید خانہ سے طلب کر کے حکومت کی باگ ڈور آپ کے ہاتھ میں سونپی تو آپ کا مصری نام صفنات فعنیح (Zaphnath paaneah) رکھا اور اون کے پجاری فوطی فرع (Potepherah) کی بیٹی آسناتھ

(Asenath) کے ساتھ آپ کی شادی کر دی (پیدائش باب ۴۱-۴۵) اس وقت آپ کی عمر تیس سال کی تھی، آسناتھ سے آپ کے دو بیٹے تولد ہوئے بڑے کا نام منسی MANASSEH اور چھوٹے کا نام افرائیم (Ephraim) تھا۔ (پیدائش باب ۴۱-۵۱ و ۵۲) یہ دونوں خوشحالی کے سات سالوں میں قحط شروع ہونے سے پہلے پیدا ہوئے تھے، حضرت یوسفؑ، منسی اور افرائیم کے پوتوں کی ولادت کے بعد تک حیات رہے۔

انتقال

حضرت یوسفؑ نے کل ۱۱۰ سال کی عمر پائی۔ جب آپ کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے بھائیوں کو بلاکر فرمایا:

"میں مرتا ہوں اور خدا یقیناً تم کو یاد کرے گا اور تم کو اس ملک سے نکال کر اس ملک میں پہنچائے گا جس کے دینے کی قسم اس نے ابرہام اور اضحاق اور یعقوبؑ سے کھائی تھی اور یوسف نے بنی اسرائیل سے قسم لے کر کہا، خدا یقیناً تم کو یاد کرے گا سو تم ضرور ہی میری ہڈیوں کو یہاں سے لے جانا" (کتاب پیدائش باب ۵۰-۲۴ و ۲۵)

اس کے بعد آپ نے رحلت فرمائی اور آپ کی نعش میں خوشبو بھر کر مصر میں ایک تابوت میں رکھ دیا گیا۔

حضرت یوسفؑ کی نعش

اس واقعہ کے تقریباً چار سو سال بعد حضرت موسیٰؑ کا ظہور ہوا، اور جب آپ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے تو حضرت یوسفؑ کی وصیت کے مطابق آپ کی نعش بھی اپنے ساتھ لے لی تھی۔ اور بالآخر یہ مقدس امانت ارض مقدس میں سپرد خاک کی گئی۔

فضائل

سورہ مومن میں حضرت یوسفؑ کا ذکر ایک اولوالعزم پیغمبر کی حیثیت سے ہوا ہے بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ط	اور پہلے یوسفؑ بھی تمہارے پاس نشانیاں لے کر کے تھے تو جو وہ لائے تھے تم ہمیشہ اس سے

حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ۝ (مومن ۳۴)

شک ہی میں رہے، یہاں تک کہ جب وہ فوت ہو گئے تو تم کہنے لگے کہ خدا اس کے بعد کبھی کوئی پیغمبر نہیں بھیجے گا، اسی طرح خدا اس شخص کو گمراہ کر دیتا ہے۔ جو حد سے نکل جانے والا (اور) شک کرنے والا ہو۔

سورۂ یوسف میں جابجا آپ کے علم و حکمت آپ کی پاکبازی اور برگزیدگی اور آپ کے اخلاص و صفا کی تعریف آئی ہے۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (یوسف ۲۲)

اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچے تو ہم نے ان کو دانائی اور علم بخشا اور نیکو کاروں کو ہم اسی طرح بدلا دیا کرتے ہیں۔

اور آپ کو جو علوم عطا کیے گئے ان میں ایک خاص علم "تاویل الاحادیث" کا مخصوص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی تفسیر اوپر گذر چکی ہے :

وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ؕ

تاکہ ہم سکھائیں ان کو تاویل الاحادیث کا علم

اور یہ وہی علم ہے جس کی پیشین گوئی حضرت یعقوبؑ نے ابتداہی میں حضرت یوسفؑ کا خواب سنکر فرمائی تھی (یوسف ۔۶)

آپ کی برگزیدگی اور رفعت کا ذکر اس طرح ہوا ہے :

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۝ (یوسف ۲۴)

بیشک وہ ہمارے خالص بندوں میں سے تھے

شب معراج والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلعم کی معراج میں حضرت یوسفؑ سے تیسرے آسمان پر ملاقات ہوئی تھی۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلعم نے فرمایا :

الکریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراھیم

یوسفؑ بن یعقوبؑ بن اسحاقؑ بن ابراہیمؑ کریم بن کریم بن کریم بن کریم ہے

صحیح بخاری ہی کی ایک اور حدیث میں جس کے راوی حضرت ابوہریرہؓ ہیں، آیا ہے:

"رسول اللہ صلعم سے دریافت کیا گیا کہ سب سے زیادہ بزرگ آدمی کون ہے؟ فرمایا جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو، صحابہ نے عرض کیا، ہم یہ دریافت نہیں کرتے ہیں۔ فرمایا تو (نسب کے اعتبار سے) یوسفؑ، خود بھی نبی تھے، نبی کے بیٹے، نبی کے پوتے اور نبی کے پڑپوتے تھے، صحابہ نے عرض کیا ہم یہ بھی دریافت نہیں کر رہے ہیں، فرمایا تو عرب کے خاندانوں کے متعلق دریافت کر رہے ہو، جو لوگ جاہلیت کے زمانہ میں برگزیدہ تھے وہی اسلام کے زمانہ میں بھی برگزیدہ ہیں بشرطیکہ دین میں سمجھ رکھتے ہوں" [۱]

---

[۱] صحیح بخاری۔ کتاب الانبیاء

انساب الانبیاء

(حوالہ: توراۃ۔کتاب پیدائش۔ باب ۴ و ۵)

حضرت آدم علیہ السلام ADAM

(عمر۔ ۹۳۰ سال، توراۃ، پیدائش باب ۵)

قابیل (CAIN)

ہابیل ABEL

شیث SETH (عمر ۹۱۲ سال۔ توراۃ۔ پیدائش باب ۵)

انوش (ENOS) (عمر ۹۰۵ سال، توراۃ۔ پیدائش باب ۵)

قینان (CAINAN) (عمر ۹۱۰ سال " " ")

محل ایل (MAHALAHLEEL) (عمر ۸۹۵ سال " " ")

یارد (JARED) (عمر ۹۶۲ سال " " ")

حنوک (ENOCH) (حضرت ادریس علیہ السلام)

(مقام کوفہ۔ عمر ۳۶۵ سال، توراۃ، پیدائش باب ۵)

متوسلح (METHUSAEL) (عمر ۹۶۹ سال، توراۃ۔ پیدائش، باب ۵)

لمک (LAMECH) (عمر ۷۷۷ " " " ")

حضرت نوح علیہ السلام

NOAH

حضرت نوح علیہ السلام

(۳۸۳۲ ق م تا ۲۸۸۲ ق م، عمر ۹۵۰ - توراۃ و قرآن۔ مقام - بابل یعنی کلدانیہ یا موجودہ عراق)

(حوالہ : توراۃ - پیدائش - باب ۱۰)

یام (طوفان میں غرق ہو...) — یافث JAPETH (اقوام یورپ امریکہ کا مورث) — حام HAM (اقوام افریقہ کا جد اعلیٰ) — سام (عمر ۶۰۰ سال، توراۃ) SHEM (اقوام ایشیا کا جد امجد)

سام کی اولاد: عیلام (ELAM) — اسور (ASSHUR) — ارفکسد (ARPHAXAD) — لود (LUD) — آرام (ARAM)

ارفکسد → سلح (عمر ۴۳۳ سال، توراۃ باب ۱۰) (SALAH)

سلح → عبر (حضرت ھود علیہ السلام) EBER
(قوم عاد کے پیغمبر، مقام جنوبی مشرقی عرب، عمر ۴۶۴ سال، توراۃ پیدائش باب ۱۱، ۲۲۰۰ ق م تا ۱۷۰۰ ق م)

آرام کی اولاد: عوص (UZ) — حول (HUD) — جتر (GETHER) — مس (MASH)

جتر → ثمود → حضرت صالح علیہ السلام
(زمانہ ۱۷۰۰ ق م تا ۱۶۰۰ ق م - قوم ثمود کے پیغمبر، مقام شمالی مغربی عرب)

حام کی اولاد: کوش (CUSH) — مصر (MIZRAIM) — فوط (PHUT) — کنعان (CANAAN)

کوش کی اولاد: سبا (SHEBA) — حویلہ (HALIVAH) — سبتہ (SABATH) — سبتکہ (SABTECHAH) — نمرود (NIMROD)

مصر کی اولاد: لودی (LUDIM) — عنامی (ANAMIM) — لہابی (LEBAHIM) — نفتوحی NEPHTUHIM — فتروسی PATHRUSIM — کسلوحی (CASLUHIM) — کفتوری (CAPHTORIM)

کنعان کی اولاد: صیدا (SIDOR) — حت (HETH) — یبوسی (JEBUSITE) — اموری (AMORITE) — جرجاسی (GIRGASITE) — حوی (HIVITE) — عرقی (ARKITE) — سینی (SINITE) — اروادی (ARVADITE) — صماری (ZEMARITE) — (HAMATHITE)

یافث بن نوحؑ (JAPETH)

(حوالہ: توراۃ-پیدائش-باب)

جمر (GOMER)
ماجوج (MAGOG)
مادی (MADAI)
یاوان (JAVAN)
توبل (JUBAL)
مسک (MESHECH)
تیراس (TIBRAS)

اشکناز (ASHKENAZ)
ریفت (RIPHATH)
تجرمہ (TOGARMAH)

الیسہ (ELISHAH)
ترسیس (TARSHISH)
کتی (KITTIM)
دودانی (DODANIM)

حضرت ہُود علیہ السلام

(حوالہ: توراۃ - پیدائش باب ۱۰ باب ۱۱)

قلج (عمر ۲۳۹ سال) (PELEG)

رعو (عمر ۲۳۹ سال) REU

سروج (عمر ۲۳۰ سال) SERUG

نحور (عمر ۱۴۸ سال) NAHOR

*آزر — تارح (عمر ۲۰۵ سال) TERAH — *حاران HARAN

*حضرت سارہ (زوجہ حضرت ابراہیم)

یقطان (قحطان) (JOKTAN)

المواد (ALMODAD)

سلف (SHELEPH)

حصارموت (HAZARMAVETH)

اراخ (JERAH)

ہدورام (HADORAM)

اوزال (UZAL)

دقلہ (DIKLAH)

عوبل (OBEL)

سبا (SHEBA)

اوفیر (OPHIR)

حویلہ (HAVILAH)

یوباب (JOBAB)

حاران HARAN

حضرت لوط علیہ السلام LOT (جائے ولادت قدیم عراق کا شہر اور سکونت سدوم)

دختر (۹۲) — دختر (۹۱) — عمون — مواب

معکہ MAACAH

شحف THAMASH

جاجم CAMAM

نحور NAHOR

حضرت ابراہیم علیہ السلام ABRAHAM

طبخ TEBAHI

بیتوایل BETHUEL — لابن

راخل — لیاہ (ازواج حضرت یعقوبؑ)

ادلاف JIDLAPH

فلداس PHILDASH

حزو HAZO

کسد CHESED

قوایل KEMUEL — ربقہ (زوجہ حضرت اسحاقؑ)

بوز BUZ

عوض HUZ

حضرت ابراھیم علیہ السلام

(حوالہ: توراۃ پیدائش باب ۲۵)

(۲۱۶۰ ق م تا ۱۹۸۵ ق م عمر ۱۷۵ سال مولد۔ قدیم عراق کا شہر اُور، منشاء حاران، مسکن و جائے وفات شام یا کنعان)

ازواج: حضرت سارہؓ SERAH — حضرت ہاجرہؓ HAGAR — حضرت قطوراہؓ KETURAH

اولاد: حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ISMAEL — حضرت اسحٰق علیہ السلام ISAAC

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام: (۲۰۷۴ ق م تا ۱۹۳۷ ق م عمر ۱۳۷ سال۔ مولد کنعان، مسکن و مدفن۔ حجاز (مکہ))

حضرت اسحٰق علیہ السلام: (۲۰۶۰ ق م تا ۱۸۸۰ ق م عمر ۱۸۰ سال۔ مقام کنعان)

ISMAEL:
- نبایوط NEBAJOTH
- قیدار KEDAR
- ادبائیل ADBEEL
- مبشام MIBSAM
- مشمع MISHMA
- دومہ DUMAH
- مسا MASSA
- حدد HADAR
- تیما TEMA
- جطور JETUR
- نفیس NAPHISH
- قدمہ KEDEMAH
- بشامہ دختر یا محلات BASHEMATH or MAHLATH (زوجہ عیسو ادوم بن حضرت اسحٰق)

KETURAH:
- زمران ZIMURAN
- یقسان JAKSHAN
  - سبا SHIBA
  - ددان DEDAN
- مدان MEDAN
- مدیان MIDIAN
  - عیفا EPAH
  - عفر EPHER
  - حنوک HANOCH
  - ابیدع ABIDAH
  - الدعا ELDAAH
- اسباق ISHBAK
- سوخ SHUAH

رعوئیل REGUEL

حضرت شعیب علیہ السلام JITHRO
(زمانہ تقریباً ۱۵۵۰ ق م۔ مقام جزیرہ نمائے سینا متصل عرب)

صفورہ دختر ZIPPORAH (دختر؟) زوجہ حضرت موسیٰ علیہ السلام

ISAAC:
- حضرت یعقوب علیہ السلام JACOB
- عیسو ادوم ESAU called EDOM

حضرت یعقوب علیہ السلام

(۲۰۰۰ق م تا ۱۸۵۳ق م۔ مقام ۲۰۰۰ق م سے ۱۸۷۰ق م تک کنعان (فلسطین) ۱۸۷۰ق م سے ۱۸۵۳ق م تک مصر۔ حضرت یوسفؑ سے جدائی ۱۹۱۰ق م ہجرت مصر اور حضرت یوسفؑ سے دوبارہ ملاقات ۱۸۷۰ق م۔ عمر ۱۴۷ سال، وفات مصر مدفن کنعان) ——— (توراۃ۔ کتاب پیدائش باب ۲۹)

(حوالہ، توراۃ۔ کتاب پیدائش باب ۳۵ آیت ۲۲ تا ۲۶)

ازواج:

- لیاہ (بنت لابن) LEAH
  - روبن REUBEN
  - شمعون SIMEON
  - لاوی LEVI
  - یہوداہ JUDAH
  - اشکار ISSACHAR
  - زبلون ZEBULUN
  - دینہ (دختر) DINAH
- راخل (بنت لابن) RACHEL
  - حضرت یوسف علیہ السلام JOSEPH
  - بن یمین BENJAMIN
- زلفہ (کنیز لیاہ) ZILPAH
  - جد GAD
  - اشیر ASHER
- بلہاہ (کنیز راخل) BILHAH
  - دان DAN
  - نفتالی NEPHTALI

حضرت یوسف علیہ السلام JOSEPH
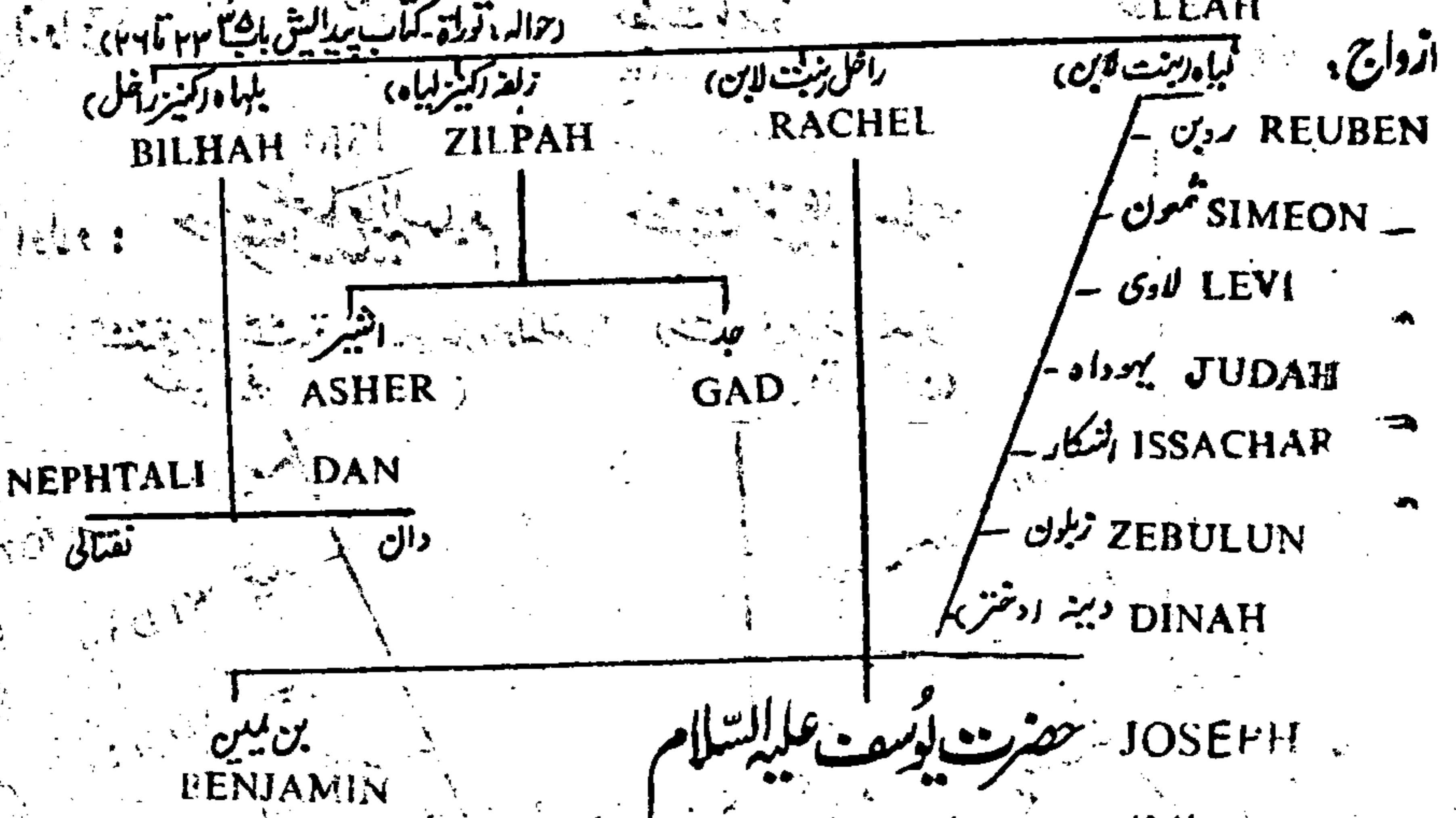
(۱۹۲۷ق م تا ۱۸۱۷ق م، عمر ۱۱۰ سال، مولد حاران، منشاء کنعان، سکونت و وفات مصر، آخری مدفن کنعان)

(زوجہ) آسناتھ (فوطیفرع پجاری کی دختر) ASENATH
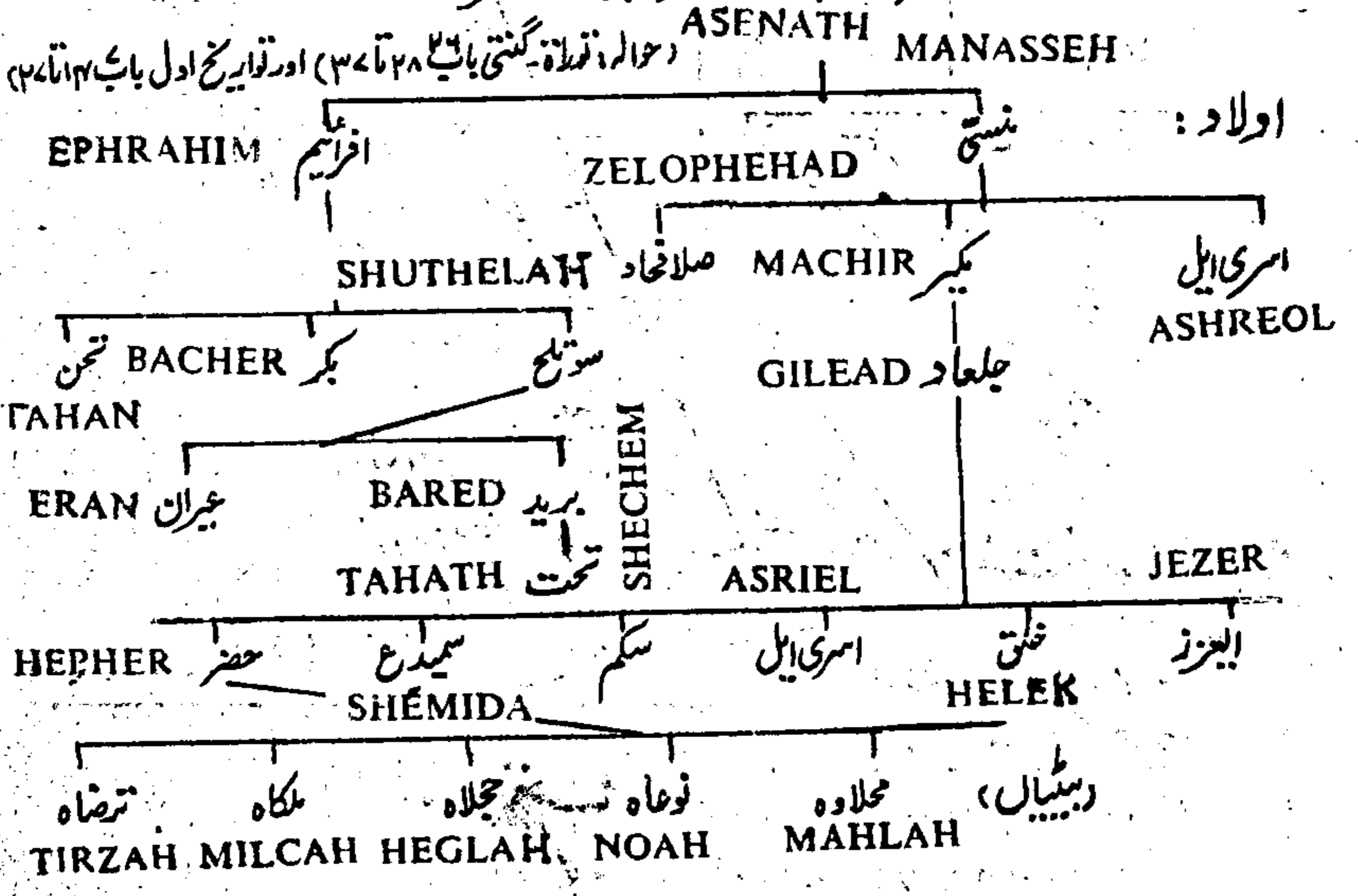
(حوالہ، توراۃ۔ گنتی باب ۲۶ آیت ۲۸ تا ۳۷) اور تواریخ اول باب ۷ آیت ۱۴ تا ۲۷)

اولاد:

- منسی MANASSEH
  - مکیر MACHIR
    - جلعاد GILEAD
      - ایعزر JEZER
      - خلق HELEK
      - اسری ایل ASRIEL
      - سکم SHECHEM
      - سمیدع SHEMIDA
      - حفر HEPHER
        - صلافحاد ZELOPHEHAD
          - (بیٹیاں) محلاوہ MAHLAH، نوعاہ NOAH، حجلاہ HEGLAH، ملکاہ MILCAH، ترضاہ TIRZAH
  - اسری ایل ASHREOL
- افرائیم EPHRAHIM
  - سوتلح SHUTHELAH
    - بکر BACHER
    - تحن TAHAN
    - عیران ERAN
    - برید BARED
      - تحت TAHATH

انبیاء علیہم السلام کے متعلق
توراۃ اور قرآن کے حوالے

انبیائے قرآن

انبیاء علیہم السّلام کے متعلق توراۃ اور قرآن کے حوالے

حضرت آدم علیہ السّلام

توراۃ : کتاب پیدائش باب ۱ (۲۶ تا ۳۱) باب ۲ و ۳ - باب ۴ (۱، ۲۵) باب ۵ (۱ تا ۳)

قرآن : بقرہ، ۳۰ تا ۳۹، آل عمران ۳۳، الاعراف ۱۱ تا ۲۵، ۱۸۹ تا ۱۹۰، الحجر ۲۸ تا ۳۰، بنی اسرائیل ۶۱، ۶۲، کہف ۵۰، طٰہٰ ۱۲۰ تا ۱۲۸، ص ۷۱ تا ۷۳، حجرات ۱۳

اولادِ آدم
ہابیل و قابیل

توراۃ : کتاب پیدائش باب ۴

قرآن : المائدہ، ۲۷ تا ۳۱ - مریم ۵۶، ۵۷، انبیاء ۸۵

حضرت شیث

توراۃ : کتاب پیدائش باب ۵

حضرت ادریس علیہ السلام

توراۃ : کتاب پیدائش باب ۵ (۱۸ تا ۲۴)

قرآن : مریم ۵۶، ۵۷، انبیاء ۸۵

حضرت نوح علیہ السلام

توراۃ : کتاب پیدائش باب ۵ ر ۲۸ تا ۳۲، باب ۶ تا ۹

قرآن : آل عمران ۳۳، نساء ۱۶۳، انعام ۸۵، اعراف ۵۹ تا ۶۴، یونس ۷۱ تا ۷۴، ھود ۲۵ تا ۴۹، ابراہیم ۹، بنی اسرائیل ۳، انبیاء ۷۶، ۷۷، مومنون ۲۳ تا ۳۰، فرقان ۳۷، شعراء ۱۰۵ تا ۱۲۲، عنکبوت ۱۴، ۱۵، صافات ۷۵ تا ۸۲، ذاریات ۴۶، نجم ۵۲، قمر ۹ تا ۱۶، حدید ۲۶، تحریم ۱۰، حاقہ ۱۱، نوح ۱ تا ۲۹

آلِ نوح

توراۃ : کتاب پیدائش باب ۱۰ ر ۱۱

قرآن : ھود ۴۲، ۴۳، ۴۴، صافات ۷۶، ۷۷

حضرت ھود علیہ السلام اور قوم عاد

توراۃ : کتاب پیدائش باب ۱۰ ر ۲۴، باب ۱۱ ر ۱۴ تا ۱۷

قرآن : الاعراف ۶۵ تا ۷۲، ھود ۵۰ تا ۶۰، ابراہیم ۹، فرقان ۳۸، شعراء ۱۲۳ تا ۱۴۰، عنکبوت ۳۸، حم سجدہ ۱۳ تا ۱۶، احقاف ۲۱ تا ۲۶، ذاریات ۴۱، ۴۲، نجم ۵۰، قمر ۱۸ تا ۲۱، حاقہ ۴ تا ۸۔

آلِ ھود

توراۃ : کتاب پیدائش باب ۱۱ ر ۲۵ تا ۲۹

حضرت صالح علیہ السلام اور قوم ثمود

قرآن : الاعراف ۶۵ تا ۷۲، ھود ۶۱ تا ۶۸، ابراہیم ۹، حجر ۸۰ تا ۸۳، بنی اسرائیل ۵۹، مومنون ۳۲ تا ۴۱، فرقان ۳۸، شعراء ۱۴۱ تا ۱۵۹، نمل ۴۵ تا ۵۳، عنکبوت ۳۸، حم سجدہ ۱۳ تا ۱۵، ۱۷ تا ۱۸، ذاریات ۴۳ تا ۴۵، نجم ۵۱، قمر ۲۳ تا ۳۲، حاقہ ۴، ۵، بروج ۱۸ تا ۲۰، فجر ۹، شمس ۱۱ تا ۱۵

حضرت ابراہیم علیہ السلام

توراۃ : کتاب پیدائش باب ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۴، ۲۵،

قرآن: البقرہ ۱۲۴ تا ۱۳۲، ۱۳۵، ۲۵۸، ۲۶۰۔ آل عمران ۔ ۶۵ تا ۶۸، ۹۵ تا ۹۷، نساء ۱۲۵، انعام ۷۵ تا ۸۲
۸۴، ۸۵، توبہ ۱۱۴، ھود ۶۹ تا ۷۶، یوسف ۶، ابراہیم ۳۵ تا ۴۱، حجر ۵۱ تا ۵۸، نحل ۱۲۰ تا ۱۲۳،
مریم ۴۱ تا ۵۰، انبیاء ۵۱ تا ۷۳۔ حج ۲۶ تا ۲۸، شعراء ۶۹ تا ۱۰۲۔ عنکبوت ۱۶ تا ۲۰، ۳۱، صافات ۱۲ تا ۱۱۲
ص ۴۵ تا ۴۷، زخرف ۲۶ تا ۲۸، ذاریات ۲۴ تا ۳۲، نجم ۳۷، حدید ۲۶، ممتحنہ ۴ تا ۶، اعلیٰ ۱۹،

حضرت لوط علیہ السلام

توراۃ: کتاب پیدائش باب ۱۳، ۱۴، ۱۸، ۱۹

قرآن: انعام ۸۷۔ اعراف ۸۰ تا ۸۴۔ ھود ۷۴ تا ۸۳، حجر ۵۸ تا ۷۷، انبیاء ۷۱، ۷۴، ۷۵۔
فرقان ۴۰۔ شعراء ۱۶۰ تا ۱۷۵۔ نمل ۵۴، ۵۵۔ عنکبوت ۲۶، ۲۸ تا ۳۰، ۳۳ تا ۳۵، صافات ۱۳۳
تا ۱۳۸، ذاریات ۳۲ تا ۳۷۔ نجم ۵۳۔ قمر ۳۳ تا ۳۹، تحریم ۱۰

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام

توراۃ: کتاب پیدائش باب ۱۶، ۱۷، ۲۵، ۲۸،

قرآن: البقرہ ۱۲۵ تا ۱۲۹، ۱۳۳۔ انعام ۸۷۔ مریم ۵۴، ۵۵۔ انبیاء ۸۵، صافات ۱۰۱ تا ۱۰۷۔ ص ۴۸۔

حضرت اسحٰق علیہ السلام

توراۃ: کتاب پیدائش باب ۱۷، ۱۸، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۳۵ (آخری حصہ)

قرآن: البقرہ ۱۳۳، انعام ۸۴۔ ھود ۶۹ تا ۷۱، یوسف ۶، حجر ۵۳، مریم ۴۹، انبیاء ۷۲، ۷۳، صافات ۱۱۲، ۱۱۳،
ص ۴۵ تا ۴۷۔ ذاریات ۲۸ تا ۳۰

حضرت یعقوب علیہ السلام

توراۃ: کتاب پیدائش۔ باب ۲۵، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۷، ۴۲، ۴۳،
۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰

قرآن: البقرہ ۱۳۳، آل عمران ۹۳، انعام ۸۵، یوسف ۴ تا ۱۰۱، انبیاء ۷۲، ۷۳۔ ص ۴۵ تا ۴۷

حضرت یوسف علیہ السلام

توراۃ: کتاب پیدائش، باب ۳۰، ۳۳، ۳۵، ۳۷، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰-

قرآن: سورہ یوسف ۴ تا ۱۰۱، مومن ۳۴ +

فہرستِ سُورِ قرآن
بہ ترتیبِ حرُوفِ تہجّی
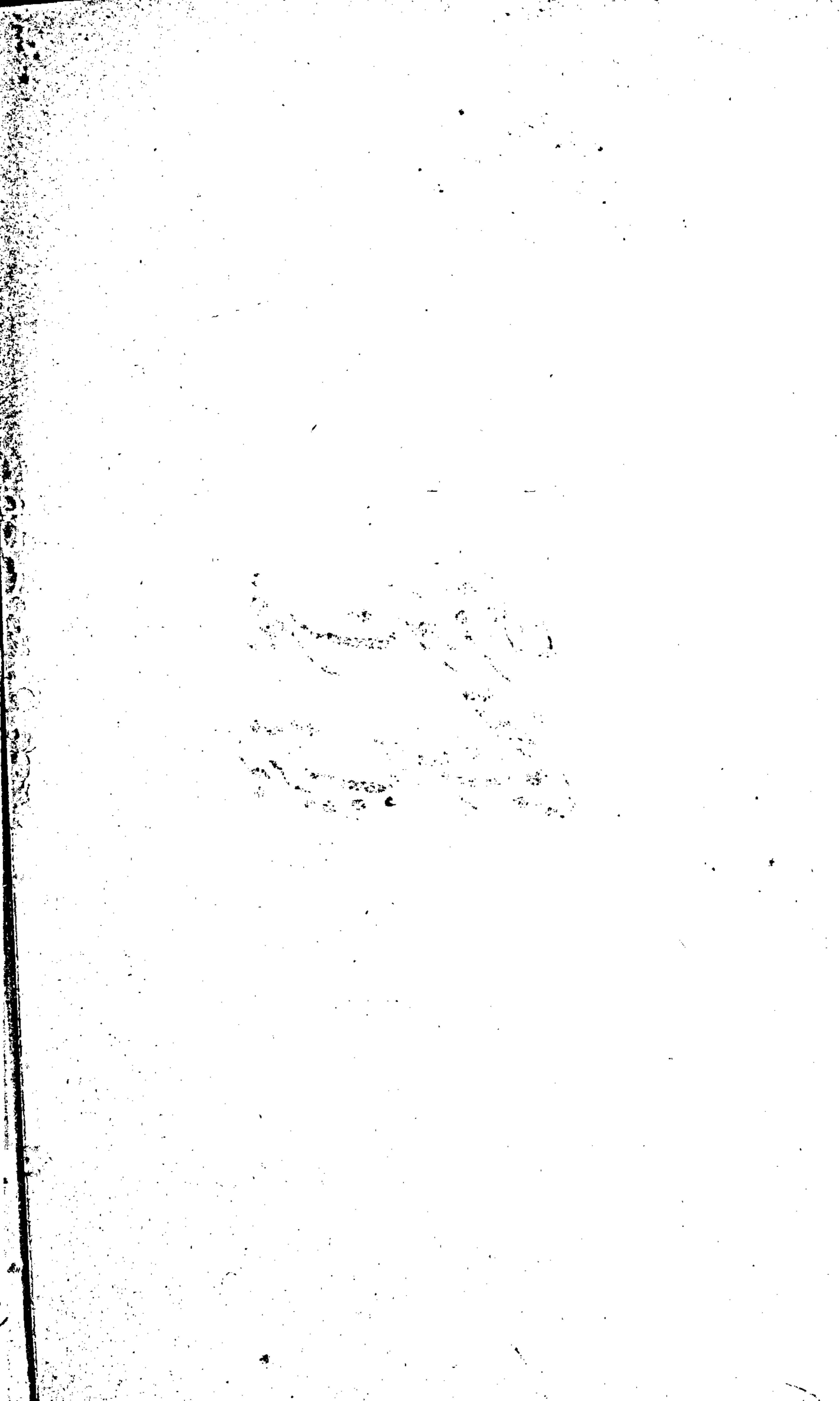
فہرستِ سُورِ قرآن بہ ترتیبِ حروفِ تہجّی

نمبر شمار	شمار بہ ترتیب حروف تہجی	نام سورۃ	نمبر ترتیب قرآن	شمار پارہ
		(الف)		
۱	۱	ابراھیم	۱۴	۱۳
۲	۲	احزاب	۳۳	۲۲-۲۱
۳	۳	احقاف	۴۶	۲۶
۴	۴	اخلاص	۱۱۲	۳۰
۵	۵	اعراف	۷	۹-۸
۶	۶	اعلیٰ	۸۷	۳۰
۷	۷	الحمد (فاتحہ)	۱	۱
۸	۸	آلِ عمران	۳	۴-۳
۹	۹	انبیاء	۲۱	۱۷
۱۰	۱۰	انشراح	۹۴	۳۰
۱۱	۱۱	انشقّت (انشقاق)	۸۴	۳۰
۱۲	۱۲	انعام	۶	۸-۷
۱۳	۱۳	انفال	۸	۱۰-۹
۱۴	۱۴	انفطرت (انفطار)	۸۲	۳۰
		(ب)		
۱۵	۱	بروج	۸۵	۳۰
۱۶	۲	بقرہ	۲	۳-۲-۱
۱۷	۳	بلد	۹۰	۳۰
۱۸	۴	بنی اسرائیل (اسریٰ)	۱۷	۱۵

نمبر شمار	شمار بترتیب حروف تہجی	نام سورۃ	نمبر ترتیب قرآن	شمار پارہ
۱۹	۵	بیّنہ	۹۸	۳۰
		(ت)		
۲۰	۱	تحریم	۶۶	۲۸
۲۱	۲	تغابن	۶۴	۸
۲۲	۳	تکاثر	۱۰۲	۳۰
۲۳	۴	تکویر (تکویرت)	۸۱	۳۰
۲۴	۵	توبہ	۹	۱۱-۱۰
۲۵	۶	تین	۹۵	۳۰
		(ج)		
۲۶	۱	جاثیہ	۴۵	۲۵
۲۷	۲	جمعہ	۶۲	۲۸
۲۸	۳	جن	۷۲	۲۹
		(ح)		
۲۹	۱	حاقہ	۶۹	۲۹
۳۰	۲	حٰمٓ السجدہ	۴۱	۲۵-۲۴
۳۱	۳	حج	۲۲	۱۷
۳۲	۴	حجر	۱۵	۱۴-۱۳
۳۳	۵	حجرات	۴۹	۲۶
۳۴	۶	حدید	۵۷	۲۷
۳۵	۷	حشر	۵۹	۲۸
		(د)		
۳۶	۱	دخان	۴۴	۲۵

نمبر شمار	شمار بترتیب حروف تہجی	نام سورۃ	نمبر ترتیب قرآن	شمارہ
۳۷	۲	دھر	۷۶	۲۹
		(ذ)		
۳۸	۱	ذاریات	۵۱	۲۷-۲۶
		(ر)		
۳۹	۱	رحمٰن	۵۵	۲۷
۴۰	۲	رعد	۱۳	۱۳
۴۱	۳	روم	۳۰	۲۱
		(ز)		
۴۲	۱	زخرف	۴۳	۲۵
۴۳	۲	زلزال	۹۹	۳۰
۴۴	۳	زمر	۳۹	۲۴-۲۳
		(س)		
۴۵	۱	سباء	۳۴	۲۲
۴۶	۲	سجدہ	۳۲	۲۱
		(ش)		
۴۷	۱	شعراء	۲۶	۱۹
۴۸	۲	شمس	۹۱	۳۰
۴۹	۳	شوریٰ	۴۲	۲۵
		(ص)		
۵۰	۱	صٓ	۳۸	۲۳

نمبر شمار	شمار بترتیب حروف تہجی	نام سورۃ	نمبر ترتیب قرآن	شمار پارہ
۵۱	۲	صافات	۳۷	۲۳
۵۲	۳	صف	۶۱	۲۸
		(ض)		
۵۳	۱	ضحیٰ	۹۳	۳۰
		(ط)		
۵۴	۱	طارق	۸۶	۳۰
۵۵	۲	طٰہٰ	۲۰	۱۶
۵۶	۳	طور	۵۲	۲۷
۵۷	۴	طلاق	۶۵	۲۸
		(ع)		
۵۸	۱	عادیات	۱۰۰	۳۰
۵۹	۲	عبس	۸۰	۳۰
۶۰	۳	عصر	۱۰۳	۳۰
۶۱	۴	علق	۹۶	۳۰
۶۲	۵	عنکبوت	۲۹	۲۱-۲۰
		(غ)		
۶۳	۱	غاشیہ	۸۸	۳۰
		(ف)		
۶۴	۱	فاطر	۳۵	۲۲
۶۵	۲	فتح	۴۸	۲۶
۶۶	۳	فجر	۸۹	۳۰

نمبر شمار	شمار بترتیب حروف تہجی	نام سورۃ	نمبر ترتیب قرآن	شمار پارہ
۶۷	۴	فرقان	۲۵	۱۸-۱۹
۶۸	۵	فلق	۱۱۳	۳۰
۶۹	۶	فیل	۱۰۵	۳۰
		(ق)		
۷۰	۱	قٓ	۵۰	۲۶
۷۱	۲	قارعه	۱۰۱	۳۰
۷۲	۳	قدیر	۹۷	۳۰
۷۳	۴	قریش	۱۰۶	۳۰
۷۴	۵	قصص	۲۸	۲۰
۷۵	۶	قلم	۶۸	۲۹
۷۶	۷	قمر	۵۴	۲۷
۷۷	۸	قیامه	۷۵	۲۹
		(ک)		
۷۸	۱	کافرون	۱۰۹	۳۰
۷۹	۲	کوثر	۱۰۸	۳۰
۸۰	۳	کهف	۱۸	۱۵-۱۶
		(ل)		
۸۱	۱	لقمان	۳۱	۲۱
۸۲	۲	لهب	۱۱۱	۳۰
۸۳	۳	لیل	۹۲	۳۰
		(م)		
۸۴	۱	ماعون	۱۰۷	۳۰
۸۵	۲	مائده	۵	۶-۷
۸۶	۳	مجادله	۵۸	۲۸

نمبر شمار	شمار بہ ترتیب حروف تہجی	نام سورۃ	نمبر ترتیب قرآن	شمار پارہ
۸۷	۴	محمدؐ	۴۷	۲۶
۸۸	۵	مدثر	۷۴	۲۹
۸۹	۶	مزمل	۷۳	۲۹
۹۰	۷	مرسلات	۷۷	۲۹
۹۱	۸	مریم	۱۹	۱۶
۹۲	۹	مطففین	۸۳	۳۰
۹۳	۱۰	معارج	۷۰	۲۹
۹۴	۱۱	ملک	۶۷	۲۹
۹۵	۱۲	ممتحنہ	۶۰	۲۸
۹۶	۱۳	منافقون	۶۳	۲۸
۹۷	۱۴	مومن	۴۰	۲۴
۹۸	۱۵	مومنون	۲۳	۱۸
		(ن)		
۹۹	۱	نازعات	۷۹	۳۰
۱۰۰	۲	ناس	۱۱۴	۳۰
۱۰۱	۳	نباء	۷۸	۳۰
۱۰۲	۴	نحل	۱۶	۱۴
۱۰۳	۵	نساء	۴	۴-۵-۶
۱۰۴	۶	نصر	۱۱۰	۳۰
۱۰۵	۷	نمل	۲۷	۱۹-۲۰
۱۰۶	۸	نوح	۷۱	۲۹
۱۰۷	۹	نور	۲۴	۱۸
		(و)		
۱۰۸	۱	واقعہ	۵۶	۲۷
۱۰۹	۲	والنجم	۵۳	۲۷
		(ہ)		
۱۱۰	۱	ہمزہ	۱۰۴	۳۰
۱۱۱	۲	ہود	۱۱	۱۱-۱۲
		ی		
۱۱۲	۱	یٰسین	۳۶	۲۲-۲۳
۱۱۳	۲	یوسف	۱۲	۱۲-۱۳
۱۱۴	۳	یونس	۱۰	۱۱

چند اہم تاریخیں

(جدید تحقیقات کی روشنی میں)

سن	کیفیت
سنہ ۳۸۳۲ ق.م	ولادت حضرت نوح علیہ السلام
سنہ ۳۲۳۲ ق.م	طوفان نوح
سنہ ۲۸۸۲ ق.م	وفات حضرت نوح علیہ السلام
(تقریباً) سنہ ۲۵۰۰ ق.م	زمانہ حضرت ہود علیہ السلام
〃 سنہ ۲۴۰۰ ق.م	زمانہ حضرت صالح علیہ السلام
سنہ ۲۱۶۰ ق.م	ولادت حضرت ابراہیم علیہ السلام
سنہ ۲۱۵۰ ق.م	ولادت حضرت سارہ رض
(تقریباً) سنہ ۲۱۲۰ ق.م	ولادت حضرت لوط علیہ السلام
سنہ ۲۰۸۵ ق.م	حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہم السلام کی حاران سے کنعان کو ہجرت
سنہ ۲۰۷۵ ق.م	حضرت ابراہیم ؑ کی حضرت ہاجرہ رض سے شادی
سنہ ۲۰۷۴ ق.م	حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ولادت
(تقریباً) سنہ ۲۰۶۲ ق.م	واقعہ قربانی اسمٰعیل ؑ
سنہ ۲۰۶۱ ق.م	(۱) حضرت اسحاق ؑ کی ولادت کی بشارت (۲) سدوم میں قوم لوط ؑ پر نزول عذاب

سن	کیفیت
سنہ ۲۰۶۰ ق-م	ولادت حضرت اسحاق علیہ السلام
سنہ ۲۰۵۶ ق-م	حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت ہاجرہ کی حجاز کو ہجرت
(تقریباً) سنہ ۲۰۵۴ ق-م	تعمیر بیت اللہ
سنہ ۲۰۲۳ ق-م	حضرت سارہ رضؓ کی وفات
(تقریباً) سنہ ۲۰۲۲ ق-م	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حضرت قطورارضؓ سے شادی
سنہ ۲۰۲۰ ق-م	حضرت اسحاق علؑ کی جناب ربقہ رضؓ سے شادی
سنہ ۲۰۰۰ ق-م	جناب عیسو ادوم اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی ولادت
سنہ ۱۹۸۵ ق-م	وفات حضرت ابراہیم علیہ السلام
سنہ ۱۹۳۰ ق-م	وفات حضرت اسمٰعیل علیہ السلام
سنہ ۱۹۲۷ ق-م	ولادت حضرت یوسف علیہ السلام
سنہ ۱۹۱۰ ق-م	حضرت یوسف علؑ کی ہجرت مصر (بعمر ۱۷ سال)
سنہ ۱۸۹۷ ق-م	حضرت یوسفؑ کی قیدخانہ سے رہائی اور فرعون کے دربار میں تشریف آوری (بعمر ۳۰ سال)
(تقریباً) سنہ ۱۸۹۷ ق-م	حضرت یوسفؑ کی آسناتھ سے شادی
سنہ ۱۸۸۰ ق-م	حضرت اسحاق عؑ کی وفات
سنہ ۱۸۷۲ ق م تا سنہ ۱۸۶۵ ق م	مصر کا سات سالہ قحط
سنہ ۱۸۷۲ ق-م	برادران یوسف عؑ کی مصر میں پہلی مرتبہ آمد
سنہ ۱۸۷۱ ق-م	" " " دوبارہ "
سنہ ۱۸۷۰ ق-م	" " " سہ بارہ "
سنہ ۱۸۷۰ ق-م	حضرت یعقوبؑ اور بنی اسرائیل کی ہجرت مصر

سن	کیفیت
سنہ ۱۸۵۳ ق م	حضرت یعقوب علیہ السلام کی وفات
سنہ ۱۸۱۴ ق م	حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات

دانش کدہ

مرتبہ :۔ سید محمد صدیق خیر آبادی

● قرآن کریم، رسول اکرمؐ، اصحابِ رسولؐ، تابعین۔ تبع تابعین، بزرگانِ دین، اکابر ملت اور پیغمبرانِ اسلام کے حکیمانہ ملفوظات

● مشرق و مغرب کے شہرہ آفاق فلسفیوں اور دانشوروں کے چیدہ چیدہ اقوال

● عربی۔ فارسی، اردو، ہندی، پشتو۔ پنجابی، سندھی، بنگلہ، چینی۔ جاپانی۔ ملائی اور انگریزی وغیرہ کے قدیم وجدید ادب کی خوشہ چینی۔

● اقوال و امثالِ عالم کا ایک عجیب و غریب مجموعہ جو فاضل مؤلف کی برسہا برس کی کاوشوں کا حاصل ہے۔ کئی سو تاریخی شخصیتوں کے حالات بھی دیئے گئے ہیں۔

سائز ۲۰×۲۰/۸ ضخامت ۳۰۴ صفحات، کتابت و طباعت معیاری خوشنما گرد پوش۔ قیمت دس روپے

احسن الکلام

تالیف :۔ امان اللہ خاں ارمان سرحدی

● عقل و دانش۔ علم و معرفت اور پند و حکمت کا بیش بہا خزینہ

● تاریخ و سوانح، ادب اور فن اور شعر و سخن کا گراں قدر مجموعہ

● آموزشِ حیات، سائنس۔ فلسفہ اور تربیت فن کا معلومات افزا انسائیکلوپیڈیا۔

● نظم و نثر کے علمی اور ادبی، معیاری شہ پاروں کا نایاب گنجینہ ● خدا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس ارشادات و کلمات ● انبیائے کرام، بزرگانِ دین اور دانش ورانِ زمانہ کے قابلِ قدر فرمودات ● حکمائے شرق و غرب، فلسفیانِ یونان اور عقلائے دہر کے بیش بہا اقوال ● اہلِ علم، اربابِ دانش اور اصحابِ فکر و نظر کے نادر افکار ● پاکیزہ سیرتوں، درخشندہ زندگیوں اور مثالی کارناموں کا دلچسپ تذکرہ ● نتیجہ خیز کہانیوں، عبرت آموز داستانوں اور بصیرت افروز واقعات کا بے مثال مرقع۔ جو ملاحظہ کرنے سے تعلق رکھتا ہے!

سائز ۲۰×۲۰/۸ ضخامت ۵۰۰ صفحات۔ کتابت و طباعت معیاری حسین اور خوبصورت گرد پوش۔ قیمت دس روپے

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پرنٹرز پبلشرز کشمیری بازار، لاہور

ایک مستند اور نادر کتاب

بابر

شہنشاہ ہند ظہیر الدین بابر کے سوانح حیات اور اسکا عہد

مصنف: ولیم ارسکن

مترجم: حسین انور

ولیم ارسکن پہلے انگریز مورخ ہیں جنھوں نے بابر اور اس کے عہد پر ایک مستند کتاب لکھی ہے یہ ۱۸۵۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ اب نایاب ہے۔ یہ کتاب تاریخ ہندوستان میں ایک گرانقدر اضافہ ہے۔ اور ہر بڑے مورخ نے اس کا حوالہ دیا ہے۔

یہ کتاب ۱۳۶ کتابوں کو سامنے رکھ کر مرتب کی گئی ہے جن میں سے اکثر و بیشتر آج کل نایاب ہیں۔ اس کتاب میں نہ صرف بابر کے تفصیلی سوانح کا ذکر ہے بلکہ قبچیک اور مغلستان کے تاتاریوں کا ذکر بھی ہے کیونکہ ان ہی قبائل نے سلطنت مغلیہ کے بانی بابر کی زندگی پر بہت اثر ڈالا ہے۔ اس طرح تاریخ کے طالب علم اور دلچسپی رکھنے والے عام حضرات دونوں کے لئے پوری دلچسپی کا باعث بن گئی ہے۔

نہایت مکمل اور نہایت مستند کتاب جو اس سے قبل منظر عام پر نہیں آئی

اسکی ضخامت ۸۶۵ صفحات بڑا سائز قیمت ۱۲ روپے

اِمامت و سیاست

تالیف:۔ سید رئیس احمد جعفری

اس موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ لیکن یہ بات بلا مبالغہ کہی جا سکتی ہے کہ یہ کتاب ہر اعتبار سے ایک انفرادی شان کی حامل ہے۔ تاریخ کے اس نازک ترین موضوع کو فاضل مصنف سید رئیس احمد جعفری ندوی نے بڑے مدلل طریقے پر پیش کیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعے سے وہ سازش نظر کے سامنے آجاتی ہے۔ جو اسلام کو ختم کرنے کے لئے عالم وجود میں آئی تھی۔ اور جس نے حضرت عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ، علی مرتضیٰؑ، امام حسنؓ اور امام حسینؓ اور پھر بعد میں دوسرے ائمہ صلحا اور اتقیا کی جان لینے میں تامل نہیں کیا۔ یہ کتاب ایسے حقائق کا مجموعہ ہے جو مستند ترین کتب تاریخ سے اخذ کئے گئے ہیں اور ایسے نتائج کی حامل ہے جنکی واقعیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

سائز ۶½" × ۱۰

ضخامت ۴۴۰ صفحات۔ قیمت ۱۵ روپے

شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ پرنٹرز۔ پبلشرز۔ بکسیلرز کشمیری بازار لاہور

برانچیں:۔ لاہور۔ کراچی۔ پشاور۔ حیدرآباد

حیاتِ امیر خسرو

از خان بہادر نقی محمد خاں خورجوی

یہ کتاب زبان اُردو کے باوا آدم اور کلاسکی موسیقی کے موجد و مخترع امیر خسرو کے ادبی اور فنی کارناموں نیز ان کے ظاہری و باطنی کمالات کا ایک نادر اور جامع مجموعہ ہے جس میں فاضل مؤلف نے نہایت محنت اور کمال عمدگی سے امیر موصوف کے بارے میں تمام تر مواد فراہم کر کے گویا چھپا ہوا خزانہ اہل ذوق کی نذر کر دیا ہے۔

امیر خسرو برصغیر پاک و ہند کے نہایت ذی کمال شاعر تھے۔ ان کے فصیح، رواں اور سوز و گداز سے بھرپور کلام میں تصوف کی چاشنی اپنا جواب نہیں رکھتی۔ فاضل مؤلف نے اس ضمن میں بھی خاصی تلاش اور کاوش کے بعد امیر خسرو کا گراں بہا، اور نایاب شعری ذخیرہ فراہم کر دیا ہے غرض آٹھ ابواب کی اس مختصر کتاب میں امیر خسرو کے تمام متنوع کمالات کو ایسے دلکش اور جامع انداز سے سمیٹ لیا ہے کہ قاری اس موضوع پر مختلف تذکروں کے مطالعے اور واقعات کی چھان بین کی زحمت سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

سائز ــــــ ۲۰×۳۰/۸

ضخامت ــــــ ۲۴۸ صفحات

عمدہ طباعت ــــــ خوبصورت ڈسٹ کور

قیمت ــــــ ۳ روپے ۵۰ پیسے

شیخ غلام علی اینڈ سنز پرنٹرز پبلشرز بکسیلرز کشمیری بازار لاہور

برانچیں:۔ لاہور۔ کراچی۔ پشاور۔ حیدرآباد

احسن الکلام

تالیف:۔ امان اللہ خاں ارمان سرحدی

- عقل و دانش، علم و معرفت اور پند و حکمت کا بیش بہا خزینہ۔
- تاریخ و سوانح، ادب اور فن اور شعر و سخن کا گراں قدر مجموعہ۔
- آموزش حیات، سائنس، فلسفہ اور تربیت فن کا معلومات افزا انسائیکلو پیڈیا۔
- نظم و نثر کے علمی اور ادبی، معیاری شہ پاروں کا نایاب گنجینہ۔
- خدا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مقدس ارشادات و کلمات۔
- انبیائے کرام، بزرگان دین اور دانش وران زمانہ کے قابل قدر فرمودات۔
- حکمائے شرق و غرب، فلسفیان یونان اور عقلائے دہر کے بیش بہا اقوال۔
- اہل علم، ارباب دانش اور اصحاب فکر و نظر کے نادر افکار۔
- پاکیزہ سیرتوں، درخشندہ زندگیوں اور مثالی کارناموں کا دلچسپ تذکرہ۔
- نتیجہ خیز کہانیوں، عبرت آموز داستانوں اور بصیرت افروز واقعات کا بے مثال مرقع

سائنسی، علمی، تاریخی، جغرافیائی، نفسیاتی، طبی اور فنی معلومات کا بے نظیر ذخیرہ۔

تاریخی تقریروں، تحریروں، علمی کارگزاریوں اور لطائف و ظرائف کا حسین و جمیل امتزاج۔

ایک کتاب ——— ایک انسائیکلو پیڈیا۔

جو ملاحظہ کرنے سے تعلق رکھتا ہے!

سائز ۹×۵½ ضخامت ۵۶۰ صفحات، کتابت و طباعت معیاری حسین و خوبصورت گرد و پوش۔

قیمت ——— دس روپے

شیخ غلام علی اینڈ سنز پرنٹرز، پبلشرز، بکسیلرز کشمیری بازار لاہور

برانچیں:۔ لاہور ۔ کراچی ۔ پشاور ۔ حیدر آباد

نشانِ حیدری تاریخ ٹیپو سلطان رح

تصنیف ــــــــ سیّد میر حسن کرمانی

ترجمہ ــــــــ محمود احمد فاروقی

شیرِ دکن سلطان ٹیپو رح کی عظمت اُن اعلیٰ مقاصد کی وجہ سے ہے جنکی خاطر اس نے اپنی جان لڑادی ــــ اسی ان تھک سعی وجہد کی وجہ سے جن کا سر رشتہ اس نے آخری دم تک ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ سلطان کی شہادت ہماری تاریخ کا سب سے اہم اور عبرت ناک حادثہ ہے۔

میر حسین علی کرمانی کی فارسی تصنیف جو سلطان ٹیپو کی شہادت سے آٹھ سال بعد لکھی گئی۔ انگریزوں کے خلاف سلطان کی معرکہ آرائیوں اور ہندوستان کے دورِ زوال کا ایک قیمتی مرقع ہے۔ جسے فاضل مترجم نے شگفتہ اور رواں اُردو میں منتقل کرکے اُردو داں طبقے کے لئے ایک نئی تاریخی اور علمی کتاب مہیّا کردی ہے۔

حیدر علی خاں ٹیپو سلطان اور ان کے عہد کے متعلق سب سے پہلے یہی کتاب لکھی گئی بعد میں ان موضوعات پہ جتنی تاریخیں بھی لکھی گئی ہیں۔ یہ کتاب ان سب کا ماخذ ہے۔ اس لحاظ سے اس کتاب کی اہمیت اور بھی زیادہ ہے۔ فاضل مترجم نے ترجمہ میں شروع سے آخر تک عام فہم زبان استعمال کی ہے۔ پھر یہ کہ توضیح طلب اُمور کی حواشی کے ذریعے وضاحت کردی ہے

سائز ۲۰×۲۶/۸ ضخامت ۴۸۰ صفحات

قیمت ــــــــ دس روپے

شیخ غلام علی اینڈ سنز پرنٹرز، پبلشرز، بکسیلرز کشمیری بازار لاہور

برانچیں :۔ لاہور ۔ کراچی ۔ پشاور ۔ حیدر آباد

امام دار الہجرت حضرت امام مالک کے سوانح
حیات پر جامع اور مفصل کتاب

امام مالکؒ

مصنّف ——— محمد ابوزہرہ

ترجمہ و حواشی:- عبید اللہ قدوسی

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اپنے عہد کی بہت بڑی شخصیت تھے۔ فقیہہ مدینۃ الرسولؐ امام دار الہجرت اور بانئ فن حدیث ہیں۔ مگر آپ کے حالات زندگی اور آپ کے دینی اور علمی کارناموں کے بارے میں اردو میں کوئی جامع اور مفصل کتاب نہیں لکھی گئی۔ محمد ابوزہرہ کی عربی تصنیف "امام مالک" کا یہ اردو ترجمہ اس ضرورت کو کما حقہ پورا کرتا ہے یہ کتاب قانون اسلام، تشکیل قانون اسلامی نیز دین الٰہیہ کی ترویج میں تاریخی حیثیت سے اعلیٰ ترین مقام رکھتی ہے۔

سائز $\frac{20\times26}{8}$ ضخامت ۵۰۰ صفحات

بہترین ڈسٹ کور

قیمت دس روپے مجلد

عماد الدین

از مولانا ابو القاسم دلاوری

پاکستان کا سوادِ اعظم حنفی فقہ کا پیرو ہے اور سوادِ اعظم کے دیندار طبقہ کی سب سے اہم ضرورت حنفی فقہ کے مطابق مسائل نماز کا جاننا ہے۔ نماز جو حیات ایمانی کے لئے روح کا حکم رکھتی ہے۔ اس موضوع پر آج تک اردو زبان میں سینکڑوں کتابیں لکھی گئیں۔ لیکن کوئی ایسی کتاب نہیں ملتی جو نماز کے تمام ضروری مسائل کی جامع اور جامعیت کے ساتھ ساتھ ایسے لاطائل جزئیات سے خالی ہو جن سے نمازیوں کو زندگی میں شاذ و نادر ہی سابقہ پڑتا ہے۔

اس ضرورت کے پیش نظر مولانا ابو القاسم دلاوری نے اپنی علمی و تحقیقی کاوش بروئے کار [illegible] عماد الدین مرتب کی ہے جس میں نماز کے تمام مسائل کو ہر پہلو سے حل کیا ہے۔ اردو زبان میں یہ پہلی کتاب ہے جو اس قدر جامع اور مستند [illegible]

سائز $\frac{20\times30}{8}$ ضخامت ۴۹۶ صفحات

قیمت ——— آٹھ روپے

شیخ غلام علی اینڈ سنز پرنٹرز پبلشرز بکسیلرز کشمیری بازار
بندر روڈ کراچی

نہج الفصاحت

افصح العرب، قرآن ناطق، دانائے سبل، علم کل، محمد عربی (صلعم)

کے

تمام خطبات، مکاتیب، مکالمات، اقوال، فیصلے، مناظروں اور دعاؤں کا لاثانی اور غیر فانی مجموعہ

رسول کریم کے اخلاق دیکھنے ہوں تو قرآن دیکھئے اور آیات قرآنی کے توضیحات مطلوب ہوں تو رسول کریمؐ کی "تقریر و تحریر" کا مطالعہ کیجئے اور اگر رسول کریمؐ کے تقاریر و اساطیر، افکار و گفتار کا ملاحظہ مقصود ہو تو "نہج الفصاحت" کا مطالعہ کیجئے!

تاریخ لوح و قلم میں آج تک کسی زبان میں ایسی کتاب پیش نہیں ہوئی۔ جس میں رسول کریم کے "ارشادات و فرامین" کو اس طرح یکجا کیا ہو۔ یہ شرف صرف اور صرف (نہج الفصاحت) کو حاصل ہے۔ کیونکہ اس میں رسول اکرمؐ کے ایمان افروز خطبات۔ ملوکیت شکن مکاتیب، ہدایت آفرین مکالمات، عدالت پناہ فیصلے، باطل گسل مناظرے، معرفت خیز، بصیرت آفرین اقوال اور مقبول ادعیہ کو منفرد انداز سے مرتب و مدون کیا گیا ہے۔ (ایک طرف اصل عبارت عربی ہے، اور دوسری طرف ترجمہ) اس کے ساتھ ہی مصر کے مشہور مورخ اور جید عالم محمد رضا مصری کی ضخیم و عظیم کتاب "محمد" (جو رسول کریمؐ کی مکمل سوانحعمری ہے "سیرت" میں سنگ میل" اور استناد و تفصیل کے لحاظ سے بے مثال اور بے عدیل ہے) کا ترجمہ بھی شامل ہے تالیف و تہذیب اور ترجمہ کے ذمہ دار مشہور عالم و محقق صاحب طرز ادیب علامہ نصیر الاجتہادی ہیں جنھوں نے اس شاہکار عظیم (نہج الفصاحت) کو پیش کیا ہے)

سائز ۷½×۱۰" ضخامت ۱۰۱۶ صفحات — قیمت ۲۵ روپے

شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ پبلشرز کشمیری بازار۔ لاہور

کراچی ـــــ پشاور ـــــ حیدر آباد

انبیائے قرآن

چار حصے

مؤلفہ ـــــ محمد جمیل احمد ایم۔ اے

قرآن کریم کے ان تمام انبیائے کرام کے مفصّل اور جامع حالات جن کا ذکر قرآن کریم نے کیا ہے۔ صرف مستند اور معیاری احوال و واقعات قلمبند کئے گئے ہیں۔ کتاب کا مطالعہ نہ صرف تاریخی اور علمی نقطۂ نظر سے بے حد نفع بخش ہے۔ بلکہ بہ قول مولانا احتشام الحق تھانوی فہم قرآن میں بھی کافی ممد و معاون ثابت ہوگا۔

حصہ اوّل:۔ حضرت آدمؑ سے حضرت یوسفؑ تک (از ابتدا تا ۱۸۱۷ء ق۔م)

حصہ دوم:۔ حضرت ایوبؑ سے حضرت یوشع علیہ السلام تک (سولھویں صدی قبل مسیح سے چودھویں صدی قبل مسیح تک)

حصہ سوم:۔ حضرت شموئیل سے حضرت عیسٰیؑ تک (گیارھویں صدی قبل مسیح تا ۳۳ء)

حصہ چہارم:۔ مؤلفہ **سیّد مرتضیٰ حسین فاضل** حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و سوانح تمام بڑے بڑے واقعات اور جزئیات اسناد کے ساتھ چاروں حصّے دلکش تصاویر اور نقشوں سے مزیّن ہیں۔

حصہ اول:۔ ۴۸۰ صفحات قیمت -/۱۲ حصہ سوم:۔ ۵۸۰ صفحات قیمت ۱۳/۵۰

حصہ دوم:۔ ۴۴۰ " " -/۱۲ حصہ چہارم ۴۸۰ " " ۱۳/۵۰

شیخ غلام علی اینڈ سنز پرنٹرز پبلشرز بکسیلرز کشمیری بازار پوسٹ بکس ۵۲۸ لاہور

اشتہار

صحیفۂ کاملہ

صحیفہ کاملہ

ترجمہ از حضرت مولانا سید قائم رضا نسیم امروہوی

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی دعاؤں کا وہ بے نظیر مجموعہ جو "زبورِ آلِ محمد ؐ" کے نام سے مشہور ہے

چودہ سو برس گزر گئے لیکن اب تک ان دعاؤں کی تاثیریں زندگی کے ہر شعبے پر اسی طرح اثر انداز ہو رہی ہیں۔ یہی ان دعاؤں کا معجزہ ہے۔

ان دعاؤں کو مختلف زاویۂ نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ اور جس نے جس نگاہ سے بھی دیکھا فیضیاب ہوا۔ تشنگی مٹی، تاریکی دور ہو کر روشنی میں تبدیل ہو گئی۔ پانے والوں نے ان دعاؤں کی بدولت کیا کچھ نہ حاصل کر لیا۔ یہ صرف وہ عقیدتمند ہی جان سکتے ہیں جنھوں نے انھیں اپنے اور اُردو وظائف کی شکل میں پڑھا ہے۔ پڑھ رہے ہیں اور پڑھتے رہیں گے۔

یہ دعائیں عہد بنو امیہ کے تہہ بہ تہہ پردوں کو چاک کر کے تاریخ کے ماہرین کے لئے حقیقت کی نشاندہی اس خوبی سے کرتی ہیں کہ عقل حیرت زدہ ہو کر رہ جاتی ہے

یہ دعائیں عقائد فاسدہ کو اس طرح ختم کر دیتی ہیں جس طرح آگ لکڑی کو جلا کر خاک کر دیتی ہے ان دعاؤں کی برکت سے یہی کچھ حاصل نہیں ہوتا بلکہ دیکھتے ہی دیکھتے انسان۔ انسان کامل بن جاتا ہے۔

اس لئے بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ آپ بھی ان کا مطالعہ کریں اور امام علیہ السلام کے فیض صحبتِ غائبانہ سے مستفیض ہوں۔

سائز ۲۰×۷ ضخامت ۵۶۰ صفحات، کتابت معیاری، طباعت آفسٹ۔ جلد مضبوط، ڈسٹ کور دلکش۔

ہدیہ ---------- بارہ روپے

شیخ غلام علی اینڈ سنز
پرنٹرز۔ پبلشرز۔ بکسیلرز
کشمیری بازار۔ پوسٹ بکس ۵۲۸
لاہور

انبیائے قرآن

جلدِ اوّل

مؤلفہ
محمد جمیل احمد ایم اے

ناشران
شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز، کشمیری بازار، لاہور
برانچیں:۔ لاہور ، کراچی ، پشاور ، حیدرآباد